کشاف الہدیٰ

یعنی

مقدمہ

کتاب الہدیٰ

مرتبہ

یعقوب حسن

کشاف الہدیٰ

یعنے

مقدمہ

کتاب الہدیٰ

مرتبہ

یعقوب حسن

دفترِ اشاعت، ۷ سیڈنہام روڈ

مدراس

محصول ڈاک ۶/

قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ

طباعت

رنگین سرورق۔ ریتھی اینڈ کو' لبرٹی پرس۔ مدراس

کشاف الہدیٰ۔ کامل۔ مطبع شاہ الحمید مدراس

کتاب الہدیٰ۔ ٹیٹل۔ ریتھی اینڈ کو' لبرٹی پرس۔ مدراس

〃 دیباچہ و فہرستِ مضامین۔ ہاٹے اینڈ کو' ایلیگنٹ فوٹو لیتھو پرس۔ بمبئی

〃 پہلا جز بطور نمونہ۔ خلافت پرس۔ بمبئی

عکسی چربے۔ ریتھی اینڈ کو' لبرٹی پرس۔ مدراس

جلدسازی

ریتھی اینڈ کو' لبرٹی پرس۔ مدراس

کاغذ

ٹیٹا گڑھ پیپر ملس کمپنی لیمیٹڈ۔ بنگال

عذر

میں سخت متاسف ہوں کہ کتاب الہدیٰ کے پہلے سات جز نہ صرف خراب چھپے ہیں بلکہ ان میں کتابت کی بہت سی غلطیاں بھی رہ گئی ہیں۔ مطبع شاہ الحمید میں ۲۹ × ۲۲ کے پتھر نہیں تھے۔ مالک مطبع نے پے در پے چار پتھر خریدے مگر بعد میں یہ سب نکمے ثابت ہوئے۔ بالآخر زیادہ اجرت دے کر چھوٹے پتھروں پر نیم جز کے فارم چھپوانے پڑے۔ زیادہ افسوس ان غلطیوں کا ہے جو آیاتِ قرآنیہ کے اعراب میں کی گئی ہیں۔ غلط نامے کا الحاق عموماً مفید ثابت نہیں ہوتا' اسلئے ناظرینِ کرام کی صحیح خوانی پر بھروسہ کرتے ہوئے اطمینان دلاتا ہوں کہ مقدمے کی دوسری طباعت میں صحت و صفائی کا بے حد لحاظ رکھا جائیگا۔

کتاب الہدیٰ کی پہلی جلد

ہاٹے اینڈ کو ایلگنٹ فوٹو پرس بمبئی میں چھپ رہی ہے۔ دیباچہ اور فہرستِ مضامین کے جو ۴۸ صفحے اس مقدمے کے ساتھ ملحق کئے گئے ہیں وہ مذکورہ پرس ہی میں چھپے ہیں۔ اصل کتاب کی چھپوائی میں صحت اور صفائی کا بہت لحاظ رکھا گیا ہے۔ کتابت کے لئے نسخ اور نستعلیق کا بہترین کاتب مقرر کیا گیا ہے۔ خط کے نمونے کے لئے اس جلد کے آخر میں کتاب الہدیٰ کا پہلا جز ملاحظہ ہو۔

دیباچہ

میں خدا کے شکر سے کسی طرح عہدہ برآ ہو نہیں سکتا کہ اس نے آج مجھے کتاب الہدیٰ کے مقدمہ موسومہ کشاف الہدیٰ کو ناظرین کے سامنے پیش کرنے کی قدرت عطا فرمائی۔ مثل مشہور ہے کہ گھر کا حال صحن سے معلوم ہو جاتا ہے، کشاف الہدیٰ سے کتاب الہدیٰ کی نوعیت، موضوع، مضامین، طرزِ تحریر و ترتیب وغیرہ بخوبی معلوم کی جا سکتی ہے۔

ناظرین غالباً اس سے ناواقف نہونگے کہ کتاب الہدیٰ کے اوراق مولانا سید سلیمان ندوی کی محققانہ تنقیدی نظر سے گزر کر آپ کی اصلاح اور ترمیم کے نقوش سے مزین ہونے کے بعد حلیہ طبع سے آراستہ ہو رہے ہیں۔ میری خواہش تھی کہ کشاف الہدیٰ کے صفحات بھی آپ کی نظرِ ثانی کے بعد طبع کئے جاتے مگر پبلک و خصوصاً پیشگی خریداروں کے پیہم اصرار اور تقاضے نے مجھے یقین دلا دیا کہ کاغذات کی آمد و رفت میں جو وقت صرف ہوگا وہ خریداروں کے لئے ناقابلِ تحمل ہے۔

موجودہ مقدمہ سلسلۂ کتاب الہدیٰ کی مستقل جلد نہیں ہے۔ اصل مقدمہ کتاب الہدیٰ کے ساتھ پیش کیا جائیگا۔ یہ مقدمہ اس مقصد سے شایع کیا جاتا ہے کہ لوگ کتاب الہدیٰ کی طرف متوجہ ہوں۔

میں ایک طالب علم اور طالب حق کی حیثیت سے اپنی ناچیز تحقیقات کے چند نمونے کشاف الہدیٰ کی صورت میں پیش کرتے ہوئے نہ صرف مولانا سید سلیمان ندوی بلکہ تمام علمائے ہند سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس کو اپنے علم و فضل کی روشنی میں جانچیں، ایمان اور تقوی کی کسوٹی پر پرکھیں، آیات قرانیہ کے ترجمے اور احادیث کی جانچ پڑتال کریں، تاریخانہ واقعات اور روایات کو ٹھوک بجا کر دیکھ لیں، دلایل و براہین کی تنقیح کریں اور دیکھیں کہ عربیت کے لحاظ سے ایک امی شخص بھی اگر محنت و مشقت کے ساتھ تلاش اور جستجو کرے تو وہ راہِ ہدایت پا سکتا ہے یا نہیں اور اس پر ان روحانی برکات و فیوض کا نزول ہو سکتا

ہے یا نہیں جس کے لئے عموماً اعلیٰ عربی داں ہی مخصوص خیال کئے جاتے ہیں۔

علمائے کرام کی محققانہ اور عالمانہ آراء سے نہ صرف کشاف الہدیٰ کی آئندہ مستقل طباعت کی اصلاح میں مدد ملیگی بلکہ ان سے کتاب الہدیٰ کے اہم مباحث میں بھی استفادہ کیا جائیگا۔ اس طرح اس تالیف میں ان کی محترم شمولیت بھی متصور ہوگی کسی چیز کی کامل تحقیق صرف ایک مولف کے قلم سے نہیں ہوجاتی، تکمیل ہمیشہ ایک دوسرے کا نقد کرنے سے ہوتی ہے بشرطیکہ یہ نقد تعمیری ہو تخریبی نہو۔

میں مکرمی مولانا سید سلیمان ندوی کے اس بیش بہا احسان کا معترف اور ممنون ہوں کہ آپ نے کتاب الہدیٰ کی نظر ثانی کا ذمہ لے کر میری حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ آپ نے کتاب الہدیٰ کے پہلے حصّہ "خالق و مخلوقات" کی نظر ثانی کے بعد اس پر جو دیباچہ تحریر فرمایا ہے وہ بصد شکریہ اسی مقدمہ میں کتاب الہدیٰ کی فہرست مضامین کے ساتھ پیش ہے۔ دوسرے حصّہ "قصص" کے چند اجزا ابھی آپ کی نظر سے گزر چکے ہیں اور باقی زیر نظر ہیں۔ تیسرے حصّہ "پیغمبر آخر الزماں و نزول قرآن" کی نظر ثانی ہوتے ہی انشاء اللہ المستعان بہت جلد یہ تینوں حصّے شامل کر دئے جا کر کتاب الہدیٰ کی پہلی جلد شایع کر دی جائیگی۔

اس مہتم بالشان کام میں جس کا بیڑا اٹھانے کی خدا نے مجھے توفیق عطا فرمائی ہے ایک لائق اور علوم عربیہ کے ماہر شخص کی تائید کی سخت ضرورت تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ جہاں اس نے اس تالیف کی تکمیل کی تمام ضروریات مہیا فرما دیں میری اس شدید ضرورت کی تکمیل کی سبیل بھی پیدا کر دی یعنے میرے عزیز دوست مولانا محمود الحسن خسرو مولوی فاضل، منشی فاضل، فارغ التحصیل سلسلۂ نصاب نظامیہ سابق مہتمم صیغۂ تقاریر و اسناد مدرسہ نظامیہ عربیہ حیدرآباد دکن، سابق مدرس مدرسہ جامعہ ملیہ علیگڈھ کو میری امداد کے لئے آمادہ فرما دیا میں نے آپ کے ذخایر تحقیق و تدقیق اور وسیع معلومات سے بے حد فائدہ اٹھایا ہے۔ آپ نے مجھے اس مقدمے کی تالیف اور کتاب الہدیٰ کے پہلے حصے کی ترتیب وغیرہ میں جو گراں قدر مدد دی ہے اس کا کما حقّہٗ شکریہ ادا کرنا میرے امکان سے باہر ہے۔

دوشنبہ ۱۸ جمادی الاول ۱۳۴۳ھ ہجری
مطابق پندرھویں تاریخ، بارھواں مہینہ ۳۹۲۴ ابراہیمی[۵]

یعقوب حسن
مدراس

---

[۵] حضرت ابراہیمؑ حضرت مسیحؑ سے پورے دو ہزار برس قبل پیدا ہوے تھے۔ عیسوی سنہ میں دو ہزار برس کا اضافہ کر دینے سے ابراہیمی سنہ بن جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے خانۂ کعبہ کے ساتھ اسلام کی بنیاد بھی قایم کر دی تھی۔ ابراہیمی سنہ کو اسلام سے بہت بڑا تعلق ہے اس لئے اس کو عیسوی سنہ پر ترجیح دی جانی چاہئے۔

کشاف الہدیٰ

فہرستِ مضامین

عکسی چربے

ملحقات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ① قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ②

سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے اپنے بندے (محمدؐ) پر یہ کتاب اُتاری اور اس میں کچھ بھی کجی نہ رکھی ① قایم رکھنے والی (دین کو) تاکہ سخت عذاب سے جو اس کی طرف سے (آنیوالا ہے) ڈرائے اور اُن مومنوں کو جو نیک کام کرتے ہیں خوشخبری دے کہ اُن کے لئے اچھا اجر ہے ② ع کہف ۶۶ -

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ②

وہی ہے جس نے اُن پڑھوں میں اُن ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو اُن کو خدا کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور اُن کو پاک صاف کرتے ہیں اور اُن کو کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں ورنہ وہ پہلے کھلی گمراہی میں تھے ② ع جمعہ ۱۰۸ -

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ②

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے۔ اور خدا گواہ بس کرتا ہے ②

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں رحم دل ہیں۔ تو ان کو دیکھیگا کہ رکوع کر رہے ہیں، سجدہ کر رہے ہیں۔ وہ اپنے رب کا فضل اور (اس کی) رضا چاہتے ہیں۔ اُن کی نشانیاں اُن کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ظاہر ہیں۔ یہی وصف اُن کا توراۃ میں ہے اور (یہی) وصف اُن کا انجیل میں ہے، (وہ ایسے

وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿٢٩﴾

جیسے کھیتی کہ اُس نے (پہلے) سوئی نکالی پھر اُس نے اُس کو مضبوط کیا تو وہ موٹی ہوئی پھر اپنی نالوں پر سیدھی کھڑی ہو گئی (اپنی سرسبزی سے) لگی کسانوں کو خوش کرنے تاکہ ان کی وجہ سے کافروں کو جلائے۔ اللہ نے اُن میں سے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں بخشش اور بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے ﴿۲۹﴾ ع فتح

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾

اللہ اور اُس کے فرشتے نبی (محمد) پر درود بھیجتے رہتے ہیں (تو) اے ایمان والو (تم بھی) اُن پر درود اور سلام بھیجتے رہو ﴿۵۶﴾ ع احزاب ۹۲-

میری زندگی کا بہترین حصہ اور میری خوش قسمتی کا زمانہ ۲۳-۲۲-۱۹۲۱ء کے وہ چھبیس ۲۶ مہینے ہیں جو کنا نور (ملیبار) کوئمبتور ترچناپلی اور کڈلور کے جیل خانوں میں گذرے۔ قید ہونے سے پہلے میں مسلمان تھا مگر برائے نام کبھی کبھی قرآن کی تلاوت بھی کرتا تھا مگر لفظی تلاوت۔ قید خانہ میں خدائے تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے میری ہدایت کی اور میں قرآن شریف کی آیات اس کے معانی اس کے مضامین اور اس کے علوم پر غور کرنے لگا میں جیسے جیسے غور کرتا جاتا تھا ویسے ویسے میری روحانی آنکھیں کھلتی جاتی تھیں بالآخر قرآن کے کامل مطالعے سے مجھے معلوم ہوا کہ اسلام ایسا پیچیدہ اور مشکل مذہب نہیں ہے جیسا کہ نیم ملاؤں کے مواعظ اور مروجہ ناقص تعلیم کی بدولت میں اس کو مشکل خیال کئے ہوئے تھا۔ میں نے دیکھا کہ قرآن میں ایک بات بھی ایسی نہیں ہے جس کے قبول کرنے میں عقل کو کسی قسم کا پس و پیش ہو۔ میں نے دیکھا کہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو من حیث المجموع یکتا ہے بے مثل ہے لاجواب ہے اور وہ ایک ایسا مکمل ہدایت نامہ ہے جس کی نہ صرف روحانیت اکمل و اقویٰ ہے بلکہ اس کا قانون تمدن اصول معاشرت اور آئین تہذیب بھی اعلیٰ سے اعلیٰ ہیں۔

میں اس نتیجے پر کچھ اپنی عقیدت مندی کی وجہ سے نہیں پہنچا عقیدت مندی تو کجا انگریزی تعلیم کی بدولت میں تو یہ سمجھے ہوئے تھا کہ اگر میں قرآن پر غائر نظر ڈالونگا تو میں اس کو معاذ اللہ خلاف عقل قصوں کا مجموعہ ناقابل عمل احکام کا ذخیرہ اور ناقابل تسلیم عقائد کا تودہ پاؤنگا۔ اس حالت میں میں نے قرآن کی ورق گردانی شروع کی قرآن کے مطالعہ سے میرا مقصد صرف یہ تھا کہ میں اسلام کی سچی حقیقت قرآن کی اصلی اور واقعی نوعیت اور اس کی تعلیم کی صحیح صحیح کیفیت معلوم کروں۔ یہ قرآن کا معجزہ تھا کہ دوران تحقیق میں بجائے اس کے کہ میرے تذبذب اور شکوک میں کسی قسم کی تقویت پیدا ہوتی قرآن کی حقانیت نے ان تمام بے سروپا خیالات کا کامل ازالہ کر دیا اور قرآن کی معجز نما خوبیوں اور اس کے فصیح و بلیغ کلام نے میرے دل و دماغ پر اس طرح اپنا سکہ بٹھا دیا کہ میں مبہوت ہو کر بے ساختہ پکار اٹھا

ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ ﴿٢﴾

یہ وہ کتاب ہے جس (کے کلام الٰہی ہونے) میں کچھ بھی شک نہیں پرہیزگاروں کی رہنما ہے ﴿۲﴾

نوٹ:۔ سورۃ کا نمبر نزولی ترتیب کے لحاظ سے ہے۔ نمبر ۸۶ تک مکی سورتیں ہیں اس کے بعد مدنی سورتیں۔

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾	جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز پڑھتے اور جو کچھ ہم نے ان کو دے رکھا ہے اس میں سے (راہِ خدا میں بھی) خرچ کرتے ہیں ﴿۳﴾

پ ۱ بقرہ ۔ ۸

پھر تو میں قرآن کا ایسا گرویدہ ہوگیا کہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے غرضکہ ہر آن اور ہر گھڑی میرے پیشِ نظر قرآن ہی قرآن تھا حتیٰ کہ نیند میں بھی قرآن کی آیتیں میری آنکھوں میں پھرتی تھیں اور مشکل سے مشکل جملوں کے معنے سجھائی دیتے تھے میں نے قرآن کا مطالعہ مختلف طریقوں سے کیا شروع سے بھی آخر سے بھی موجودہ ترتیب میں بھی نزولی ترتیب میں بھی۔ دورانِ مطالعہ میں برابر اس کی کوشش کرتا رہا کہ کسی دوسری کتاب کی مدد کے بغیر قرآن کے مطالب قرآن ہی سے حاصل کروں کیونکہ میں اسلام کی تمام تر تعلیم کو بغیر کسی بیرونی آمیزش کے اس کی اصلی حقیقی صورت میں دیکھنا چاہتا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اصول کے مراحل طے کئے بغیر فروع کے میدان میں قدم رکھوں۔ میرا پہلے ہی سے ہر قسم کے خارجی معلومات سے بالکل خالی الذہن ہونا میرے لئے بے حد مفید ثابت ہوا۔ کسی آیت کے سمجھنے کے لئے میرے ذہن میں کوئی بیرونی مواد موجود ہی نہ تھا اور میں اس آیت کی تفسیر تشریح اور توضیح کے لئے قرآن ہی میں جستجو کرتا تھا۔ اسی جستجو کی بدولت مجھے یہ معلوم ہوا کہ قرآن اپنی تفسیر آپ ہے اس کی آیتیں ایک دوسرے کی شرح کردیتی ہیں کوئی بات ایک جگہ محذوف ہے تو دوسری جگہ واضح، ایک جگہ مجمل ہے تو دوسری جگہ مفصل۔ ہم مضمون آیتوں کو ایک جگہ اکٹھا کردینے سے وہ مضمون ایسا واضح اور مکمل ہوجاتا ہے کہ اس کے سمجھنے کے لئے نہ تو کسی معلم کی مدد درکار ہے اور نہ کسی کتاب کی حاجت۔

علمِ دین کی تحقیقات کی مشکلات

یہ ظاہر ہے کہ مجھ جیسے مبتدی کا جس کی یہ خواہش ہو کہ دینی امور کے متعلق قرآن شریف سے صحیح صحیح معلومات حاصل کرے اور یہ معلوم کرے کہ قرآن میں مسائل کی حقیقی نوعیت کیا ہے تو وسائل کی عدم موجودگی کی وجہ سے اپنی خواہش میں کامیاب ہونا محال ہے۔ فرض کیجئے کہ اگر وہ نماز کی حقیقت و کیفیت خدائی احکام کے موافق قرآن سے معلوم کرنا چاہے تو غیر معمولی محنت و کوشش کے بعد بھی اسے پوری پوری کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔ حالانکہ نماز کے اجمالی احکام قرآن شریف میں موجود ہیں مگر وہ متفرق جگہ مختلف پیرایوں میں ہونے کی وجہ سے بمشکل اکٹھے کئے جاسکتے ہیں۔ اگر ان کو اکٹھا بھی کرلیا جائے تو ان متفرق آیتوں کا تسلسل اور احکام کی تدریجی ترقی کا پتہ چلنا بے حد وقت طلب امر ہے۔ قرآن دنیا کی معمولی کتابوں کی طرح تو ہے نہیں کہ جس میں مقدمہ ہو، مقدمے میں تمہید ہو، تمہید میں کتاب کی نوعیت، خصوصیات، موضوع، موضوع کی تشریح تصنیف کی غرض و غایت اور مضامین کی فہرست وغیرہ ہو۔ یہ تو خدائے واحد کا کلام ہے جو زمانے کی مختلف ضروریات کے لحاظ سے وقتاً فوقتاً پیغمبر آخرالزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا۔ اگرچہ قرآن کے مضامین کی مختلف فہرستیں لکھی

گئی ہیں جن میں بعض ایسی بھی ہیں جن کے ذریعے یہ تک معلوم کیا جا سکتا ہے کہ فلاں فلاں الفاظ قرآن میں کس کس جگہ اور کہاں کہاں آئے ہیں، مگر ان فہرستوں کی مدد سے بھی کسی ایک مضمون کی تمام آیتیں آسانی سے اکٹھی نہیں کی جا سکتیں کیونکہ اس قسم کی بعض فہرستوں میں آیتوں کا یا تو ابتدائی لفظ ہوتا ہے یا انتہائی۔ اس کے ساتھ بعض فہرستوں میں آیت کا نمبر ہوتا ہے اور بعض میں رکوع کا، بعض میں سورۃ کا نام ہوتا ہے نمبر نہیں، اور بعض میں سورۃ کا نمبر ہوتا ہے نام نہیں۔ اس کے علاوہ ان تمام فہرستوں میں تخریج آیات یا الفاظ کے جو عنوان ہوتے ہیں ان کی کوئی اجمالی فہرست ان کی ابتدا میں نہ ہونے کی وجہ سے ہر لفظ یا آیت کا مقام دریافت کرنے کے لئے ہر وقت ورق گردانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے بعد اگر اس آیت یا لفظ کا پتہ رکوع کے حوالے سے ملا تو پورے رکوع کے دیکھنے کی ضرورت ہوگی۔ یا اگر آیت کا نمبر دیدیا گیا ہے تو چونکہ بالعموم قرآن شریف میں آیات پر نمبر نہیں ہوتے اس لئے اب تو پوری سورۃ میں اس کو تلاش کرنا ہوگا۔ اب فرض کیجئے کہ اس قدر محنت کے بعد اس نے نماز کے متعلق سورۂ نجم نمبر (۵۳) کے آخری رکوع میں یہ آیت دریافت کر لی فاسجدوا للہ واعبدوا یعنی "خدا ہی کے آگے سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو" تو اس کے لئے اسی طرح نماز کی تمام آیتوں کا جمع کرنا کس قدر محنت طلب ہوگا۔ اگر ہر حوالے کے نکالنے کے لئے کم سے کم تین چار منٹ کی ضرورت ہو تو کئی گھنٹوں کی محنت کے بعد بھی وہ ایسا ہی ناکام رہیگا جیسا کہ اس سے پہلے تھا یعنے آیتیں تو جمع ہو جائینگی مگر ان میں ترتیب نہ ہونے کی وجہ سے ان کا مطلب پوری طرح معلوم نہ ہو سکیگا۔ ان جمع شدہ آیتوں سے یہ معلوم کرکے اسے کس قدر حیرت ہوگی کہ سورۂ بنی اسرائیل نمبر (۱۷) میں تو پانچ وقت کی نماز کا اشارہ ہے اور اس کے بعد بعض سورتوں میں کہیں تو تین وقت کی نماز کا حکم ہے کہیں صرف رات کے وقت تھوڑی دیر نماز پڑھنے کی اجازت ہے اور کہیں آدھی رات سے کچھ کم یا کچھ زیادہ نماز پڑھنے کی تاکید ہے۔

قرآن کی تفاسیر

اب اگر وہ ان آیتوں کے باہم اختلاف کی حقیقت اور ان کے صحیح صحیح مطالب کو قرآن کی تفاسیر میں تلاش کرنا چاہے تو وہی "کوہ کندن وکاہ برآوردن" کا مضمون پیش آئیگا۔ اس میں شک نہیں کہ آج تک دنیا کی کسی قوم نے اپنی مقدس مذہبی کتاب کی ایسی خدمت انجام نہیں دی جیسی عظیم الشان خدمت علماء اسلام نے قرآن شریف کی انجام دی ہے۔ قرآن شریف کی دس بیس پچاس ساٹھ نہیں بلکہ سیکڑوں تفاسیر اب تک لکھی جا چکی ہیں اور آئے دن برابر ان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ان میں بعض تو ایسی ضخیم ضخیم تفسیریں ہیں جو تین چار الماریوں میں بھی نہیں سما سکتیں۔ یہی نہیں بلکہ قرآن کے ایک ایک علم اور ایک ایک موضوع پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں قرآن کی آیات، الفاظ، حروف، زبر، زیر، پیش اور نقطے تک گن گن کر بتا دئے گئے ہیں۔ ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ وغیرہ وغیرہ جیسے اہم مباحث میں وہ وہ موشگافیاں کی گئی ہیں کہ بیساختہ

مصنفین کی دقت نظری اور نکتہ رسی کی داد دینی پڑتی ہے۔ مگر ان تفاسیر سے خواہ وہ عربی میں ہوں یا اردو میں صرف وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو عربی داں ہیں کیونکہ ان تفاسیر میں قرآن کی ایک آیت یا کئی آیتوں کی جب مسلسل تفسیر کی جاتی ہے تو اس کے تمام متعلقات پر مدلل بحث کی جاتی ہے۔ بعض تفاسیر میں تو اس قسم کے مباحث ایسا عالمانہ پیرایہ اختیار کئے ہوئے ہیں کہ وہ عام فہم نہیں رہے، ان سے وہی اشخاص استفادہ کر سکتے ہیں جو مختلف علوم میں خاصی مہارت رکھتے ہیں۔ غرضکہ ان تفاسیر میں بھی ہر ایک مطلوبہ آیت کی تفسیر علٰحدہ علٰحدہ تلاش کرنی ہوگی کیونکہ کسی ایک آیت کے ساتھ اس کی ہم مضمون وہم معنی آیتوں کی تفسیر تو وہاں ہوگی نہیں اور اگر ہو بھی تو اس کا کیا علم کہ وہ کس آیت کے ساتھ ہے۔ اس طرح مکرر سہ کرر محنت کرنے کے بعد اس مبتدی کو ان ہم مضمون آیتوں کے باہمی اختلاف کے متعلق ان تفاسیر سے یہ معلوم ہوگا کہ درحقیقت ان آیتوں کے معنی میں اختلاف نہیں ہے بلکہ ان سے اسلامی احکام کی تدریجی رفتار اور ترقی کا پتہ چلتا ہے یعنے ابتدائے اسلام میں اس وقت کے حالات کے لحاظ سے احکام اس طرح نازل ہوئے تھے اور پھر اس کے بعد جیسے جیسے اسلام کو ترقی ہوتی گئی اسی طرح احکام بھی درجہ بدرجہ مکمل ہوتے گئے یہانتک کہ دین کی تکمیل ہوگئی۔ اس قدر محنت اور تلاش کے بعد اس میں شک نہیں کہ ان ہم مضمون آیتوں کے باہمی اختلاف کی حقیقت معلوم ہوگئی اور یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ پانچ وقت کی نماز فرض ہے مگر یہ نہ معلوم ہو سکا کہ نماز کے اوقات کیا ہیں، اس کی کتنی رکعتیں ہیں اور نماز کس طرح پڑھی جانی چاہئے۔ اب ان تفاصیل کی دریافت کے لئے اسی طرح بار بار محنت تو کی جا سکتی نہیں اور نہ اس کے لئے دوسرے دنیوی مشاغل کا لحاظ کرتے ہوئے اتنا وقت ہی مل سکتا ہے۔ اگر کوئی ایسی کتاب موجود ہوتی جس میں ہر مضمون کی تمام آیتیں شان نزول کے ساتھ ایک جگہ جمع ہوتیں تو نماز کے متعلق اسے یہ فوراً معلوم ہو جاتا کہ نماز کے بارے میں اتنی آیتیں نازل ہوئی ہیں اور نزول کے لحاظ سے ان کی یہ ترتیب ہے اگر ہر مضمون کے ساتھ اس مضمون کے صحیح صحیح تفصیلی فوائد بھی ہوتے تو اس کو اس کے متعلق نہایت آسانی سے مسلسل تاریخانہ سلسلے میں یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ ابتداء میں کفار کے غلبے کی وجہ سے صرف رات کی نماز کا حکم تھا، جب مسلمانوں کی تعداد میں اچھا خاصا اضافہ ہوگیا تو تین وقت نماز پڑھنے کا حکم ہوا پھر معراج میں پانچ وقت کی نماز فرض کر دی گئی۔ یہ سب کچھ ہجرت سے پہلے ہوا۔ ہجرت کے بعد مدینے کی پہلی سورۃ یعنے سورۂ بقرہ میں قبلے کی تبدیلی کا حکم ہوا اس کے بعد جمعہ کی نماز کے متعلق احکام نازل ہوے۔ یہی نہیں بلکہ فوائد سے اس کو تمام نمازوں کی تفصیلی کیفیت بھی اسی طرح معلوم ہو جاتی جس طرح پیغمبر خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

میرا مطالعہ

یہ جو کچھ اوپر بیان کیا گیا کوئی انکل پچو من گھڑت باتیں نہیں ہیں، یہ واقعی تجربہ ہے۔ دوران مطالعہ میں مجھے خود ان تمام وقتوں سے سابقہ پڑا ہے۔ اگر اردو میں اس قسم کی کوئی کتاب ہوتی تو مجھے اپنی دینی واقفیت کے لئے اس

قدر محنت اور جستجو نہ کرنی پڑتی۔ اپنی تسکین و اطمینان کے لئے مجھے وہ سب کچھ کرنا پڑا جو ایک مصنف یا مولف کو کرنا چاہئے قرآن شریف کو موجودہ ترتیب میں کئی مرتبہ پڑھنے کے بعد یہ خیال پیدا ہوا کہ قرآن کو اس کی اس اصلی ترتیب میں بھی پڑھنا چاہئے جس ترتیب میں وہ نازل ہوا تھا۔ اور ساتھ ہی ساتھ قرآن کے ہر مضمون کی تمام آیتوں سے سلسلہ بہ سلسلہ کامل واقفیت حاصل کی جانی چاہئے تو بظاہر اسباب اس خیال کی تکمیل ناممکن سی بات معلوم ہوتی تھی۔ تکمیل ارادہ کی کوئی اور صورت بجز اس کے نہ تھی کہ تمام سورتوں کو نزولی ترتیب کے لحاظ سے مرتب کیا جائے اور ہر مضمون کی تمام آیتیں تاریخانہ سلسلے میں اکٹھی کردی جائیں۔ یہ کوئی معمولی اور آسان کام نہ تھا۔ اس کے لئے نہ صرف کافی وقت اور محنت کی ضرورت تھی بلکہ غیر معمولی قابلیت بھی درکار تھی۔ نزولی ترتیب کے متعلق جتنی بھی روائتیں ہیں ان کا باہمی مقابلہ کیا جائے تو ہر ایک روایت دوسری روایت سے کسی نہ کسی لحاظ سے مختلف ہے۔ کسی میں ایک سورۃ کم ہے تو کسی میں دو کسی میں چار اور کسی میں اس سے بھی زیادہ۔ سورتوں کی ترتیب کا بھی یہی حال ہے۔ کسی روایت میں اگر کوئی سورۃ کسی سورۃ کے بعد ہے تو دوسری میں اس سورۃ کے بعد نہیں ہے بلکہ کسی اور سورۃ کے بعد ہے۔ اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں نزولی ترتیب کے ضمن میں آئیگی۔ غرضکہ کامل تحقیق و تفتیش اور چھان بین کے بعد کہیں جا کر یہ اختلافات رفع ہوتے اور صحیح صحیح نزولی ترتیب کا پتہ چلتا۔ اس سے بھی زیادہ دشوار کام ہر ایک مضمون کی تمام آیتوں کو قرآن کے متفرق مقامات سے چن چن کر تاریخانہ سلسلے میں جمع کرنا تھا۔ مجھ کو اپنی بے مائگی کی وجہ سے اس کی ذرہ برابر بھی توقع نہ تھی کہ مجھ جیسے ذرۂ بے مقدار کی ناقص کوششوں سے یہ عظیم الشان کام پایۂ تکمیل کو پہونچیگا مگر

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال   کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

خدائے تعالےٰ کے بے پایاں اور لاانتہا فضل و کرم کے مواہب و عطایا کی بدولت کئی مہینوں کی کوششوں کے بعد قرآن کی کامل مکی اور مدنی نزولی ترتیب سلسلہ وار مرتب ہوگئی۔ پھر میں نے از سر نو تمام سورتوں اور آیتوں پر نشان لگائے، حاشیہ پر آیتوں کے مضامین کا عنوان لکھا اور ہر عنوان کی ابتدا اور انتہا پر اس سورۃ، رکوع اور آیت کا نشان بھی دیا جس میں وہی مضمون اس آیت سے پہلے اور بعد آیا ہے تاکہ ہر ایک عنوان کا مضمون شروع سے آخر تک تاریخانہ سلسلے میں ان مسلسل حوالوں کے ذریعہ پڑھ لیا جاسکے اور بار بار مضامین اور سورتوں کی فہرست دیکھنے کی ضرورت واقع نہ ہو۔ اس کے بعد ہر مضمون کی تمام آیتیں اپنے اپنے باب میں ترجمے کے ساتھ مسلسل نقل کردی گئیں۔

سبب تالیف

یہ سب کچھ میں نے محض اپنے ذاتی فائدے کے لئے کیا تھا۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ یہ تمام پریشان مسودات کتابی شکل میں مرتب کئے جاکر قوم کے سامنے پیش کئے جائینگے۔ اب جبکہ یہ اہم الاہم کام پایۂ تکمیل کو پہونچ گیا

یعنے قرآن کی نزولی ترتیب اپنے تمام مضامین پر منقسم ہو کر تقریباً تین سو ابواب کا مرقع بنگئی اور ہر مضمون کی تمام آیتیں اپنی اپنی اصلی ترتیب کے ساتھ اپنے اپنے مضمون میں اکٹھی ہوگئیں تو میں نے دیکھا کہ یہ شاندار مرقع اور تھوڑی سی محنت سے اس قابل ہو سکتا ہے کہ نہ صرف تمام ہندوستان کے مسلمان اس سے فائدہ اٹھا سکیں بلکہ اگر اس کو دوسری زبانوں میں بھی منتقل کردیا جائے تو دنیا کی دوسری قومیں بھی اس کا صحیح صحیح اندازہ کر سکینگی کہ قرآن شریف کن کن اہم اور ضروری مضامین و مباحث پر مشتمل ہے۔ یہی وہ ابتدائی اور اصلی خیال تھا جس کی وجہ سے اس نزولی اور مضامینی پریشان ترتیب و تقسیم کو موزوں اور مرتب ضابطے اور قاعدے کے ساتھ کتابی شکل میں منتقل کرنے کی ضرورت سمجھی گئی۔ یہ میرے لئے بہت ہی آسان تھا کہ میں شانِ نزول کے لحاظ سے مکّی آیتوں کو مضمون وار مکّی کتاب میں جمع کردیتا اور مدنی آیتوں کو مدنی کتاب میں۔ مگر اس طرح وہ حقیقی فائدہ حاصل نہ ہوتا جس کے لئے میں کتابی ترتیب پر آمادہ ہوا تھا۔ کیونکہ اس سے صرف یہی ہوتا کہ نزولی ترتیب کے ساتھ ہر مضمون کی تمام آیتیں ترجمے کے ساتھ ایک جگہ جمع ہو جاتیں اور بس۔ اس میں نہ اجمال کی تفصیل ہوتی، نہ اس سے احکام کی تدریجی رفتار اور ترقی کا پتہ چلتا اور نہ یہ معلوم ہوتا کہ تمام اسلامی معتقدات، عبادات اور معاملات کی حقیقی حالت، نوعیت اور کیفیت کیا ہے اور ان کا تعلق کس حد تک قرآن شریف سے ہے۔ اس سے صرف وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے جو عربی داں ہوتے اور یہ اُن کے لئے ایک ایسی مکمل قرآنی فہرست کا کام دیتی جس میں وہ ہر مضمون کی تمام آیتوں کو نزولی ترتیب کے ساتھ ایک جگہ پاتے اور ضرورت کے وقت بغیر کسی دشواری کے معلوم کر لیتے۔ مگر اب جب کہ عام فائدہ کا مسئلہ پیش آگیا تو میرے لئے یہ ضروری ہوگیا کہ میں اس کو ایسی حالت میں پیش کروں کہ اس سے تمام مسلمان عام طور سے فائدہ اٹھا سکیں۔ میں یہ جانتا تھا کہ قرآن کے پڑھنے اور سمجھنے میں اب تک مجھے جن دشواریوں سے سابقہ پڑا ہے اِن ہی دشواریوں کی وجہ سے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد قرآنی علوم اور مضامین کے معلوم کرنے سے معذور ہے۔ اس لحاظ سے میری مرتبہ ترتیب عام طور پر اس وقت تک فائدہ رساں نہیں ہو سکتی تھی جب تک کہ ان تمام قرآنی مضامین کی جن میں وہ منقسم ہے تفسیر، تفصیل اور توضیح نہ کردی جائے۔ اس لئے میں نے ہر مضمون کے متعلق کافی اور مدلل مواد فراہم کرنے کے لئے اس مضمون کی تمام آیتوں کو پیش نظر رکھ کر پہلے تو ان پر اچھی طرح غور کرلیا، پھر ان تمام مباحث اور مضامین کا تفصیلی مطالعہ کیا جن سے اس مضمون پر کافی روشنی ڈالی جا سکتی تھی، حدیث کی کتابوں کو پڑھا، فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا، کتب سیر اور تاریخ پر نظر ڈالی، علوم عقلیہ کی کتابوں پر غور کیا، دوسرے مذاہب کی الہامی کتابوں کی جانچ پڑتال کی، تو کہیں جا کر ہر مضمون کی تفسیر، تشریح اور وضاحت فوائد کی صورت میں مرتب ہوئی۔ پھر میں نے تمام سورتوں، تمام مضامین اور تمام فوائد کی ایک ایسی مکمل فہرست بنائی جس سے ہر وقت بلا کسی دشواری کے ہر سورۃ، ہر مضمون اور ہر فائدے کا نمبر اور صفحہ فوراً معلوم کرلیا جا سکتا ہے۔

قرآن شریف کا نزول

قرآن شریف تمام کا تمام ایک ہی مرتبہ نہیں نازل ہوا بلکہ حسب ضرورت وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا بطور وحی نازل ہوتا رہا ہے۔ پہلے پہل قرآن کا نزول رمضان سنہ ۶۱۰ عیسوی میں ہوا تاریخ میں اختلاف ہے بعض تیئیس ۲۳ رمضان کہتے ہیں اور بعض چوبیس ۲۴ مگر سب کا اتفاق شب قدر پر ہے اور شب قدر متعدد صحیح احادیث کی رو سے رمضان کی آخری دس تاریخوں میں سے کوئی ایک طاق رات ہے۔ نزول کے لحاظ سے سورہ اقراء کی ابتدائی پانچ آیتوں کو شرف اولیت حاصل ہے یعنے سب سے پہلے سورہ اقراء کی پہلی پانچ آیتیں "مالم یعلم" تک غار حرا میں نازل ہوئی تھیں۔ اس وقت پیغمبر خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر قمری حساب سے چالیس برس چھ مہینے سولہ دن کی تھی اور شمسی حساب سے انتالیس ۳۹ برس تین مہینے سولہ دن۔ اس کے بعد سے آپ کی وفات سے کچھ دنوں پہلے تک قرآن شریف برابر جملے جملے ہو کر نازل ہوتا رہا۔ اس لحاظ سے نزول قرآن کی پوری تکمیلی مدت تقریباً تیئیس ۲۳ برس ہے کیونکہ جس وقت آپ کی وفات ہوئی ہے اس وقت آپ کی عمر قمری حساب سے ترسٹھ ۶۳ برس تھی۔

وحی کی حقیقت

لغت میں وحی کے معنے "الاشارۃ السریعۃ" ہیں یعنے تیزی سے اشارہ کرنا۔ قرآن میں وحی کا لفظ مختلف موقعوں پر استعمال ہوا ہے۔ ان سب متفرق آیتوں کو جن میں لفظ وحی آیا ہے ایک جگہ جمع کرنے سے پایا جاتا ہے کہ وحی سے مراد وہ کلام ہے جو منہ اور کان کی مدد کے بغیر کسی تک پہونچا ہو۔ جب خدا نے حضرت زکریا علیہ السلام کو جب کہ وہ بہت بوڑھے تھے اور ان کی بی بی بانجھ تھیں ان کے ہاں بیٹا پیدا ہونے کی بشارت دی تو حضرت زکریا نے اپنے اطمینان کے لئے ایک نشانی مانگی۔ خدا نے فرمایا کہ تمھاری یہ نشانی ہے کہ تم برابر تین رات دن لوگوں سے بات نہ کر سکو گے۔ جب حضرت زکریا حجرے سے باہر آئے تو وہ بول نہیں سکتے تھے۔ اسلئے انھوں نے اشارے سے لوگوں کو سمجھا دیا کہ صبح شام خدا کی تسبیح کرتے رہو۔ یہاں منھ اور کان کی مدد کے بغیر ایک بات کے سمجھا دینے کو وحی کہا گیا ہے۔ (فَاَوْحٰۤى اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا ﴿۱۱﴾ ع مریم ۴۳)۔

خدا نے شہد کی مکھی کو چھتا بنانے اور شہد جمع کرنے کی جو تعلیم دی اور اسی طرح جانوروں کی ہر ایک نوع کو زندگی کا جو طریقہ سکھایا یعنے ان کو عقل حیوانی دی تو خدا کی یہ تعلیم بھی وحی ہے جیسا کہ خدا نے فرمایا اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ الخ ﴿۳﴾ ع نحل ۶۸۔

خدا نے غیر ذی روح چیزوں کو جو ان کا کام بتا دیا اور ان کو ان کے ڈھرّے پر لگا دیا اس کو بھی وحی کہا

گیا ہے۔

فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؀

پھر دو دن میں خدا نے سات آسمان بنا دئے اور سب آسمانوں کو اُن کا کام بتا دیا (وحی کر دیا) ⑫ ع فصلت ۵۹

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ؀

جب زمین زور سے ہلا دی جائیگی ①

یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ؀

اس دن یہ (زمین) اپنی خبریں بیان کر دیگی ؀

بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ؀

اسلئے کہ تمھارا پروردگار اس کو حکم دیگا (وحی کریگا) ⑤ زلزال ۹۵۔

خدا فرشتوں کے ساتھ جو کلام کرتا ہے وہ بھی وحی ہے جیسا کہ جنگ بدر کے متعلق ارشاد ہے :۔

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ ؀

جب تمھارے رب نے فرشتوں کو وحی کی کہ میں تمھارے ساتھ ہوں تو تم مومنوں کو ثابت قدم رکھو، میں ابھی کافروں کے دلوں میں رعب اور ہیبت ڈال دونگا ② ع انفال ۸۸۔

شیطان ایک پلید روح ہے، وہ جب لوگوں کے دلوں میں بُرے وسوسے اور خیالات ڈالتا ہے تو چونکہ اس کا یہ کلام بھی موںھ اور کان کی مدد کے بغیر ہوتا ہے اس لئے اس کے لئے بھی لفظ وحی استعمال ہوا ہے۔

وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰۤى اَوْلِیٰٓئِهِمْ لِیُجَادِلُوْكُمْ ؀

اور (اے محمد) شیاطین تو اپنے رفیقوں کو کہتے رہتے ہیں کہ تمھارے ساتھ جھگڑا کرتے رہو ⑪ ع انعام ۵۳

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؀

اور اسی طرح ہم نے انسانوں کے شیاطین کو اور جنوں کو ہر ایک نبی کا دشمن بنا دیا تھا کہ دھوکا دینے کی غرض سے ایک دوسرے کو ملمع کی باتیں کہا کرتے تھے ② ع انعام ۵۳۔

پیغمبروں کے علاوہ حضرت موسیٰ کی والدہ اور حضرت عیسیٰ کے حواریوں کو جو حکم دیا گیا اس میں بھی لفظ وحی استعمال ہوا ہے۔

اِذْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّكَ مَا یُوْحٰۤى ؀

(اے موسیٰ) جب ہم نے تمھاری ماں کی طرف وہ وحی بھیجی جس کا حال (تم کو اب) وحی کے ذریعے سے بتایا جاتا ہے ⑬ ع طٰہٰ ۴۴۔

نوٹ :۔ سورۃ کا نمبر نزول قرآن کی ترتیب کے لحاظ سے ہے۔ نمبر ۹۰ تک مکی، اس کے بعد مدنی سورتیں ہیں۔

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ الخ ⑦

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی بھیجی کہ اُن کو دودھ پلاؤ الخ⑦ ع قصص ۲۸۔

وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ ⑪

اور جب میں نے حواریوں کو وحی کی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تو انھوں نے کہا ہم ایمان لائے اور (اے خدا) تو اس بات کا گواہ رہ کہ ہم فرمان بردار ہیں⑪ ع مائدہ ۱۵۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی ان کے نبی ہونے سے پہلے خدا نے وحی کی تھی۔

فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَأَجْمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هَٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ⑮

جب وہ لوگ یوسف کو لے کر ساتھ لے گئے اور سب نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ اس کو کسی اندھے کوئیں میں ڈال دیں (اور انھوں نے ایسا ہی کیا) تو ہم نے یوسف کو وحی کی کہ (ایک دن آئیگا جب) تم ان کو اس کام پر متنبہ کروگے اور وہ جان نہ سکینگے⑮ ع یوسف ۱۵۔

پیغمبروں پر وحی

قرآن میں مندرجہ بالا گیارہ آیتوں کے سوا جن میں لفظ وحی عام معنی میں مستعمل ہوا ہے جہاں کہیں لفظ آیا ہے اس سے خدا کا وہ کلام مراد ہے جس کے مخاطب پیغمبر ہیں۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ ۚ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا ①

(اے محمد) ہم نے تمھاری طرف (اسی طرح) وحی بھیجی ہے جس طرح ہم نے نوح اور (دوسرے) نبیوں کی طرف جو اُن کے بعد ہوئے وحی بھیجی تھی اور (جس طرح) ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی بھیجی تھی اور ہم نے داؤد کو زبور دی تھی①

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ②

اور کتنے رسول ہیں جن کا حال ہم تم سے پیشتر بیان کر چکے ہیں اور کتنے رسول ہیں جن کا حال ہم نے تم سے بیان نہیں کیا اور اللہ نے موسیٰ سے باتیں کیں②

رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۱۶۵﴾

یہ رسول خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے (تھے) تاکہ پیغمبروں کے (آنے کے) پیچھے لوگوں کو خدا پر حجت باقی نہ رہے۔ اور خدا غالب (اور) حکمت والا ہے ﴿۱۶۵﴾ ع نساء ۴/۹۔

نزولِ وحی کے طریقے

قرآن میں وحی بھیجنے کا طریقہ بھی بیان فرما دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ ﴿۵۱﴾

کسی آدمی کو یہ تاب نہیں کہ خدا اس سے کلام کرے مگر بذریعہ وحی یا حجاب کے پیچھے سے، یا کسی فرشتے کو اس کے پاس بھیج دیتا ہے اور وہ فرشتہ اللہ کے حسب حکم اور حسب منشا وحی کرتا ہے۔ بیشک وہ بلند مرتبہ حکمت والا ہے ﴿۵۱﴾

وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا ۚ مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَٰكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۵۲﴾

اور (اے محمد) اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح (یعنے وحی) بھیجی۔ تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو لیکن ہم نے اس (قرآن) کو ایک نور بنا دیا ہے کہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں اس کے ذریعے سے ہدایت کرتے ہیں۔ اور (اے محمد) اس میں شک نہیں کہ تم سیدھا راستہ ہی دکھلاتے ہو ﴿۵۲﴾

صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ أَلَا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ ﴿۵۳﴾

(یعنے) اس خدا کا راستہ کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (سب) اسی کا ہے۔ سنو جی! خدا ہی سب کاموں کا مرجع ہے ﴿۵۳﴾ ع شوریٰ ۶۰۔

يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ أَنْ أَنذِرُوا أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاتَّقُونِ ﴿۲﴾

وہ اپنے حکم سے فرشتوں کو روح (یعنے وحی) دے کر اپنے بندوں میں سے جس کی طرف چاہتا ہے بھیجتا ہے کہ (لوگوں کو) اس بات سے آگاہ کر دو کہ ہمارے سوا کوئی اور معبود نہیں تو ہم سے ڈرتے رہو ﴿۲﴾ ع نحل ۶۷۔

قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ

(اے محمد تم ان لوگوں سے) کہو کہ روح القدس نے اس

بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَّبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ۞

(قرآن) کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے تاکہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور بشارت ہو ۞ پ۱۴ نحل ۶۷ -

پہلی آیت میں تین طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ (۱) وحی بلا واسطہ یعنے اللہ تعالےٰ بغیر کسی ذریعے کے کسی کے دل میں ایک بات ڈال دیتا ہے۔ (۲) حجاب کے پیچھے سے خدا کا کلام سنائی دے۔ (۳) خدا فرشتے کو نبی کے پاس بھیجتا ہے اور وہ خدا کے حکم اور منشا کے مطابق وحی کرتا ہے۔

خدا نے وحی کو روح کے لفظ سے بھی تعبیر کیا ہے اور وحی کے پہنچانے والے (فرشتے) کو بھی روح کہا ہے۔ اس سے وحی اور حامل وحی کی اصل حقیقت کا بھی کچھ پتہ چلتا ہے۔

خدا نے پہلے پہل حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو کلام کیا تھا اس کی کیفیت قرآن میں اس طرح بیان ہوئی ہے:-

وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ ۞ إِذْ رَأَىٰ نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُم مِّنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۞

اور (اے محمد) بھلا تم کو موسیٰ کی حکایت پہونچی ہے ۞ کہ جب انھوں نے آگ دیکھی تو اپنے اہل سے کہا (تم) ٹھیرو، مجھکو آگ دکھائی دی ہے (میں وہاں جاؤں تو) شاید اس میں سے تمھارے لئے ایک چنگاری لے آؤں یا آگ کے پاس کوئی راہ بتانے والا پاؤں ۞

فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يَا مُوسَىٰ ۞ إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۖ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۞ وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ ۞

پھر جب وہاں آئے تو اُن کو آواز آئی کہ موسیٰؑ تحقیق میں ہوں تمھارا رب۔ تم اپنی جوتیاں اُتار ڈالو (کیونکہ اس وقت) تم طویٰ کے مقدس میدان میں ہو ۞ اور میں نے تم کو (پیغمبری کے لئے) منتخب فرمایا ہے تو جو کچھ تم کو وحی کی جاتی ہے سنو ۞

إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ۞ إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ ۞ ۔

میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں تم میری ہی عبادت کیا کرو اور میری یاد کے لئے نماز پڑھا کرو ۞ قیامت ضرور آنے والی ہے (اور) ہم اس (کے وقت) کو پوشیدہ رکھنے کو ہیں تاکہ ہر شخص کوشش (کرے اور اس) کا بدلہ پائے ۞ پ۱۶ طٰہٰ ۲۴ -

حضرت موسیٰ کے ساتھ خدا کا یہ کلام حجاب کے ساتھ ہوا تھا یعنے حضرت موسیٰ نے خدا کو دیکھے بغیر خدا کا کلام سنا تھا۔ ایک بار حضرت موسیٰ نے خدا سے درخواست کی کہ وہ حضرت موسیٰ کو دکھائی دے۔ چنانچہ قرآن میں مذکور ہے:۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَن تَرَانِي وَلَٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۴﴾

جب موسیٰ ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت پر (کوہ طور پر) آئے اور اُن کے پروردگار نے اُن سے کلام کیا تو وہ کہنے لگے اے میرے پروردگار تو مجھے اپنے تئیں دکھا کہ میں تجھے دیکھ سکوں۔ اللہ نے کہا تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے لیکن پہاڑ کی طرف دیکھو۔ اگر یہ پہاڑ اپنی جگہ ٹھیرا رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے۔ جب ان کے پروردگار نے پہاڑ پر تجلی کی تو پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو بولے اللہ تیری ذات پاک ہے میں تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں پہلا ایمان لانے والا ہوں ﴿۴﴾ پ۹ اعراف

آنحضرت صلعم پر پہلی وحی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو پہلی وحی نازل ہوئی تھی اس کی دلچسپ کیفیت امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح روایت کی ہے:۔

ام المومنین عائشہؓ نے فرمایا پہلے پہل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو چیز وحی سے شروع ہوئی وہ سچے خواب تھے جو سوتے میں دکھائی دیتے تھے جو کچھ آپ دیکھتے وہ صبح کے تڑکے کی طرح نمودار ہو جاتا تھا پھر آپ کو تنہائی پسند آئی آپ غار حرا میں خلوت نشین رہتے اور اس میں تحنث کرتے تھے اور وہ (یعنے تحنث) کئی کئی راتوں کا عبادت کرنا ہے جب تک آپ کو گھر آنے کی خواہش نہ ہوتی۔ اور اس کے لئے توشہ لے جاتے پھر خدیجہ کے پاس آتے اور اسی طرح توشہ لے جاتے، یہاں تک کہ آپ پر حق آیا (یعنے وحی آئی) اور آپ غار حرا میں تھے آپ کے پاس فرشتہ آیا اور کہنے لگا "اقرأ" (یعنے پڑھو) آپ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا پھر اس نے مجھکو پکڑا اور دبوچا یہاں تک کہ مجھکو طاقت نہ رہی۔ پھر چھوڑ دیا اور کہا پڑھو تو میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، تو اس نے مجھکو پکڑ کر دوبارہ دبوچا یہاں تک کہ مجھکو طاقت نہ رہی پھر چھوڑ دیا اور کہا پڑھو

تو میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں پھر اس نے مجھکو پکڑ کر سہ بارہ دبوچا پھر چھوڑ دیا اور کہا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۔ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ (پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ انسان کو خون کے لوتھڑے سے بنایا۔ پڑھو۔ اور تمہارا رب بڑا کریم ہے) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان آیتوں کے ساتھ گھر لوٹ آئے۔ آپ کا دل کانپ رہا تھا۔ خدیجہؓ بنت خویلد کے پاس آکر آپ نے فرمایا "مجکو اڑھا دو۔ مجکو اڑھا دو"۔ لوگوں نے آپ کو اڑھا دیا یہاں تک کہ آپ کا ڈر جاتا رہا۔ پھر آپ نے خدیجہؓ سے کہا اور ان کو اس سے آگاہ کیا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ تو خدیجہؓ نے کہا ہرگز خوف نہ کیجئے قسم ہے اللہ کی اللہ آپ کو کبھی گھبراہٹ میں نہ ڈالیگا۔ آپ رشتہ داروں سے سلوک کرتے ہیں، یتیموں کی خبرگیری کرتے ہیں، مفلسوں کو کما دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور جائز مصیبتوں میں کام آتے ہیں۔ پھر خدیجہؓ آپ کو اپنے چچا کے بیٹے ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ کے پاس لے آئیں۔ ورقہ ایام جاہلیت میں نصرانی ہوگئے تھے وہ عبرانی لکھنا جانتے تھے اور وہ انجیل کو عبرانی میں (مسلم کی روایت میں بجائے عبرانی کے عربی ہے) مشیت الٰہی کے موافق لکھا کرتے تھے اور وہ بہت بوڑھے تھے، اندھے ہوگئے تھے۔ خدیجہ نے ان سے کہا اے میرے چچیرے بھائی اپنے بھتیجے کی بات سنو۔ ورقہ نے آپ سے کہا اے میرے بھتیجے تم نے کیا دیکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا اس کا حال ان سے بیان کردیا۔ تو ورقہ نے آپ سے کہا یہ وہی ناموس ہے جس کو اللہ نے موسیٰ پر نازل کیا تھا (لفظ ناموس ضد ہے لفظ جاسوس کا، جاسوس بھید راز داں کو کہتے ہیں اور ناموس نیکی کے راز داں کو کہتے ہیں یہاں ناموس سے مراد جبرئیل ہے)۔

مندرجۂ بالا روایت میں صرف تین آیتوں کا ذکر ہے۔ مگر اور روایتوں سے پایا جاتا ہے کہ پہلی وحی میں پانچ آیتیں نازل ہوئی تھیں۔ جو ترجمے کے ساتھ ذیل میں نقل کی جاتی ہیں:-

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝۱	پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا ۱
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲	انسان کو خون کے لوتھڑے سے بنایا ۲
اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۳	پڑھو۔ اور تمھارا رب بڑا کریم ہے ۳
الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴	جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا ۴
عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝۵	انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اس کو معلوم نہ تھیں ۵

سورۂ علق نمبر ا

دوسری وحی

پہلی وحی کے اترنے کے بعد کچھ عرصے تک وحی کا نازل ہونا موقوف رہا۔ یہ توقف کا زمانہ آنحضرت صلعم پر بہت شاق گذرتا تھا آخر کار ایک روز آپ پر وحی نازل ہوئی۔ دوسری وحی کے نزول کی کیفیت بخاری اور مسلم نے جابر بن عبداللہ انصاری سے اس طرح روایت کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایک مرتبہ جا رہا تھا میں نے آسمان سے ایک آواز سنی تو میں نے اپنی نظر بلند کی، دیکھا تو وہی فرشتہ جو حرا میں میرے پاس آیا تھا آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے۔ میں اس کو دیکھ کر مرعوب ہوگیا اور (گھر) لوٹ آیا اور کہا مجکو اڑھا دو مجکو اڑھا دو۔ پھر اللہ نے (یہ آیتیں) نازل کیں:۔

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝	اے جو چادر لپیٹے پڑے ہو [۱]
قُمْ فَاَنْذِرْ ۝	اٹھ کھڑے ہو اور ڈر سناؤ [۲]
وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝	اور اپنے رب کی بڑائیاں بیان کرو [۳]
وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝	اور اپنے کپڑوں کو پاک کرو [۴]
وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝	اور نجاست کو دور کرو ۝

قرآن میں بھی دو جگہ بیان ہوا ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت جبرئیل کو افق میں دیکھا اور پھر جبرئیل نے آپ پر وحی اتاری اگرچہ یہ آیتیں مذکورہ بالا حدیث سے متعلق نہیں ہیں مگر موقع کی مناسبت کے لحاظ سے درج کی جاتی ہیں:

سورۂ نجم (۵۳) میں ہے:۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝	تارے کی قسم جب وہ ٹوٹے [۱]
مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝	کہ تمھارے صاحب (محمد) نہ راہ راست سے بھٹکے اور نہ بہکے [۲]
وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝	اور نہ وہ اپنی مرضی سے بولتے ہیں ۝
اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝	وہ تو وحی ہی سے بولتے ہیں جو ان پر اترتی ہے [۴]
عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝	جس کی تعلیم دی ہے ان کو بڑے طاقت ورنے [۵]
ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى ۝	بڑے زبردست نے پھر وہ پورا نظر آیا [۶]
وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝	اور وہ افق اعلیٰ پر تھا [۷]
ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝	وہ جھکا اور نزدیک ہوا [۸]

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ﴿٩﴾ — یہاں تک کہ دو کمان یا اس سے کم (فاصلہ) رہ گیا ﴿٩﴾

فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ﴿١٠﴾ — پھر تو وحی اتاری اس نے اپنے بندے پر جو وحی (اتارنی تھی) ﴿١٠﴾

سورۂ تکویر (۷) میں ہے:۔

فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿١٥﴾ — ہم کو قسم ہے اُن (ستاروں) کی جو چلتے چلتے پیچھے کو ہٹنے لگتے ہیں[۱۵]

الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿١٦﴾ — سیدھا چلتے چلتے چھپ جاتے ہیں[۱۶]

وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ﴿١٧﴾ — اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے[۱۷]

وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ﴿١٨﴾ — اور صبح کی قسم جب وہ آنے لگے[۱۸]

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿١٩﴾ — بیشک یہ (قرآن) بزرگ رسول (یعنے فرشتے) کا قول ہے[۱۹]

ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ﴿٢٠﴾ — جو قوت والے (اور) مالک عرش کے پاس جگہ پانیوالے ہیں[۲۰]

مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ﴿٢١﴾ — وہاں سردار (اور) امین ہیں ﴿۲۱﴾

وَمَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ ﴿٢٢﴾ — اور تمھارے صاحب کچھ دیوانے نہیں ہیں ﴿۲۲﴾

وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ﴿٢٣﴾ — اور بیشک انھوں نے اس کو (یعنے فرشتے جبرئیل کو) اُفق (یعنے مطلع صاف) میں دیکھا ہے ﴿۲۳﴾

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ﴿٢٤﴾ — اور وہ (یعنے پیغمبر) غیب کی باتوں (کے بیان کرنے) میں بخل کرنے والے نہیں ﴿۲۴﴾

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ﴿٢٥﴾ — اور یہ (قرآن) کچھ شیطان مردود کا قول نہیں ہے[۲۵]

فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ﴿٢٦﴾ — پھر تم (لوگ) کدھر (بھٹکے) چلے جا رہے ہو ﴿۲۶﴾

نزولِ وحی کی کیفیت

صحیح بخاری میں حضرت عایشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ

حارث بن ہشام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے تو آپ نے فرمایا کبھی تو گھنٹے کی آواز کی طرح آتی ہے اور یہ وحی مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے۔ پھر وہ مجھ سے منقطع ہو جاتی ہے اور میں یاد کر لیتا ہوں جو کچھ اس نے (یعنے فرشتے نے) کہا۔

آنحضرت صلعم پر نزول وحی بہت سخت گزرتا تھا۔ امام بخاری نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ کڑکڑاتے جاڑے میں بھی آپ پر وحی اترتی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ پھوٹ نکلتا تھا۔ حضرت عائشہ سے یہ بھی مروی ہے کہ

جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اترتی تھی تو آپ کا سر جھک جاتا اور چہرہ متغیر ہو جاتا تھا' دانت کٹکٹانے لگتے تھے اور اس قدر پسینہ آجاتا تھا کہ اس کے قطرے موتیوں کے دانوں کی طرح ٹپکتے تھے"۔ اگر اس وقت آپ کسی اونٹ یا مرکب پر سوار رہتے تھے تو وہ زمین پر بیٹھ جاتا تھا۔ کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابت کا بیان ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے زانو کا سہارا لئے لیٹے ہوئے تھے کہ وحی نازل ہوئی قریب تھا کہ میرا زانو سختی اور گرانی سے ٹوٹ جائے اور میں سمجھ رہا تھا کہ اب میں اپنے پاؤں سے نہ چل سکونگا۔

وحی بالفظ الہام والقا

جو کچھ اوپر بیان ہو چکا ہے اس سے وحی کی حقیقت' اس کے نزول کے طریقے اور کیفیت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ وحی کو بعض وقت الہام اور القا بھی کہتے ہیں مگر ان تینوں میں فرق ہے۔ وحی مرتب شدہ کلام ہے جو الفاظ کے ساتھ ایک نبیؐ کے دل میں ڈالا جاتا ہے۔ قرآن میں صرف ایک جگہ لفظ الہام آیا ہے وہ یہ ہے :۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝	اور نفس کی قسم اور اس کی قسم جس نے نفس کو درست بنایا
فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝	پھر اس کو اس کی برائی اور پرہیزگاری کا الہام کیا ۝

شمس ۲۳۔

خدا نے انسان کی طبیعت میں اچھے اور برے کی شناخت کا جو مادہ پیدا کر رکھا ہے وہ خدا کی طرف سے الہام ہے' اسی طرح جس طرح کہ شہد کی مکھی کی تعلیم اس کے لئے خدا کی وحی ہے۔ جب کبھی کسی آدمی کے دل میں بغیر کسی غور و فکر کے یکایک کوئی ایسا خیال آجائے جس کے آنے کا کوئی ظاہری سبب نہ ہو تو ایسے خیال کو الہام کہتے ہیں۔

لفظ القا کا ماخذ لقا ہے۔ القا کے لغوی معنی ہیں "ڈالنا"۔ لقا کے معنے ملنے اور سامنے آنے کے ہیں۔ اسی سے لفظ ملاقات بنا یعنی روبرو ہونا۔ خدا فرماتا ہے :۔

وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝	اور (اے محمد) تم کو قرآن (خدائے) حکیم و علیم کی طرف سے القا کیا جاتا ہے ۝ ع نمل ۷ ۴۔
وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ ۝	اور (اے محمد) تم کو تو توقع نہ تھی کہ تم پر کتاب القا کی جائیگی ۝

ع قصص ۸۔

الہام وحی اور القا میں یہ فرق ہے کہ الہام فقط ایک خیال ہے جو بغیر الفاظ کے دل میں ڈالا جاتا ہے۔ جو بات الفاظ کے ذریعے جملوں کی ترتیب میں خدا کی طرف سے پیغمبر کے دل میں ڈالی جائے وہ وحی ہے۔ جب کوئی روحانی منظر آنکھوں کے سامنے آجائے تو اس کو القا کہتے ہیں۔

ہر پیغمبر کو خدا کی طرف سے الہام بھی ہوتا تھا اور اُن پر وحی بھی اترتی تھی۔ پیغمبر منصب نبوت کے متعلق جو کچھ بھی کرتے تھے الہام الٰہی کی تائید ہی سے کرتے تھے۔ مثلاً نماز کے ارکان اور ان کے ادا کرنے کی ترکیب آنحضرت صلعم کو الہام ہی سے معلوم ہوئی تھی اس کے متعلق کوئی وحی بالفظ نہیں اتری تھی جو قرآن میں داخل کی جا سکتی۔ نماز کے لئے وضو شروع ہی سے فرض تھا اور آنحضرت صلعم نے وضو کی یہ فرضیت الہام ہی سے قرار دے رکھی تھی ایک دراز عرصے کے بعد مدینہ کے آخر زمانے میں وضو کی وحی نازل ہوئی جو قرآن کی آخری سورۃ مائدہ ۶ میں رکھی گئی ہے۔

خدا کا جو پہلا پیغام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس کا پہلا لفظ ہے "اقرأ" (پڑھ) حضرت موسیٰ پر جب پہلی وحی نازل ہوئی تو خدا یہ کہہ کر کہ "میں تمہارا رب ہوں اور میں نے تم کو (پیغمبری کے لئے) منتخب کیا ہے" فرماتا ہے کہ "سنو جو کچھ کہ (تم کو) وحی کی جاتی ہے"۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وحی الفاظ کے ساتھ ہوتی تھی اور خدا کی غرض تھی کہ تمام وحیاں یاد کر لی جائیں اور بطور کتاب کے پڑھی جایا کریں۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے:-

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰٓ ۝ (اے محمد) ہم تم کو (قرآن ایسی طرح پڑھا دینگے کہ تم (اس کو) بھولنے نہ پاؤ گے

إِلَّا مَا شَآءَ اللَّهُ ۝ مگر یہ کہ اللہ چاہے ۝ اعلیٰ ۷۔

آنحضرت صلعم کو اس بات کا خوف تھا کہ آپ کہیں وحی کی آیتوں یا بعض الفاظ کو نہ بھول جائیں اسلئے آپ نزولِ وحی کے ساتھ ہی وحی کے الفاظ کو اپنی زبان سے جلد جلد دہرایا کرتے تھے جس پر خدا نے آپ کو اس طرح جلد جلد دہرانے سے منع فرما دیا۔

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۝ (اے محمد) اس کے لئے (یعنی وحی یاد کرنے کے لئے) اپنی زبان نہ چلانے لگا کرو تاکہ تم کو وہ جلدی سے یاد ہو جائے ۝۔

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝ قرآن کا جمع کرا دینا اور اس کا پڑھا دینا ہمارا کام ہے ۝

فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۝ تو جب ہم اس کو پڑھ چکا کریں تو اس کے پڑھنے کی پیروی کیا کرو

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ۝ پھر اس کو سمجھا دینا (بھی) ہمارا کام ہے ۝ ع قیامۃ ۲۸۔

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰٓ إِلَيْكَ وَحْيُهُ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ۝ (اے محمد) وحی کے تمام ہونے سے پہلے قرآن (کے پڑھنے) میں جلدی نہ کیا کرو اور دعا کرتے رہو کہ اے میرے پروردگار مجھے اور زیادہ علم نصیب کر ۝ ع طٰہٰ ۴۴۔

وحی کی زبان

پیغمبروں پر وحی کا نزول پیغمبروں کی قومی زبان میں ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے:۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ

ہم نے پیغمبروں میں سے کسی کو نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان میں تاکہ ان کو اچھی طرح سمجھا سکے ﴿۴﴾ ع ابراہیم

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾

تو (اے محمد) ہم نے اس (قرآن) کو تمھاری زبان میں اس غرض سے آسان کر دیا ہے کہ تم اس سے پرہیزگاروں کو خوشخبری سناؤ اور اس سے اکھڑ لوگوں کو ڈراؤ ﴿۹۷﴾

ع مریم ۱۴۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۹﴾

ایسا ہی ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن اُتارا ہے اور اس میں طرح طرح پر ڈراوے سنا دئے ہیں تاکہ لوگ پرہیزگاری اختیار کریں یا اس کے ذریعے سے ان (کے دلوں) میں غور (و فکر) پیدا ہو ﴿۹﴾ ع طٰہٰ ۱۴۔

قرآن و دیگر کتبِ الہامی

ہر نبی پر جو وحیاں اتریں اُن کے مجموعے کو کتاب کہا گیا ہے اگرچہ اس وقت وہ وحیاں کتاب کی صورت میں نہیں لکھی گئی تھیں۔ قرآن بھی آنحضرت صلعم کے زمانے میں کتاب کی صورت میں نہ تھا۔ لوگ سورتوں کو حفظ کر لیا کرتے اور اپنے حافظے کی مدد سے پڑھا کرتے تھے۔ سورۂ انعام ع ۵ میں خدا نے اٹھارہ پیغمبروں کا نام بنام ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے:۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ ﴿۸۹﴾

یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت دی ﴿۸۹﴾ ع

یہاں کتاب سے صرف وحی مراد ہے۔ قرآن میں حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے صحیفوں کے ذکر کے علاوہ چار کتابوں یعنے توراۃ، زبور، انجیل اور قرآن کے نام بھی بیان ہوئے ہیں۔

ہر پیغمبر فقط اپنے ارد گرد کے لوگوں میں وحیوں کی اشاعت کیا کرتا تھا اور اس کے پیرو اپنے پیغمبر کی باتوں کو یاد کر لیا کرتے تھے۔ حضرت آدم کے بعد جس قدیم پیغمبر کا نام قرآن میں آیا ہے وہ حضرت ادریس ہیں۔ ان کے بعد حضرت نوح۔ سیلابِ نوح کے بعد تمدن کی اصل بنیاد پڑی، فنِ کتابت اسی دورِ تمدن کی ترقی یافتہ صورت ہے جو ایک عرصے کے بعد

وجود میں آیا۔ شروع شروع میں واقعات کی تحریر کا یہ طریقہ تھا کہ پتھر کی سلوں پر چھوٹی چھوٹی تصویریں کندہ کی جاتی تھیں۔ مثلاً ایک سطر میں آدمی کی شکل پھر تیر پھر ایک جانور کی شکل ہو تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ ایک آدمی نے ایک جانور کو تیر سے شکار کیا۔ یہ طرزِ تحریر جس کو ہیرو گلیفک یعنے خطِ تمثال کہتے ہیں مصر میں حضرت ابراہیم سے بیس پچیس صدی قبل ایجاد ہوا تھا۔ اس خط کے ہزاروں کتبے دستیاب ہوئے ہیں۔ ماہرینِ فنِ کتابت نے ان کتبوں پر ایک عرصے تک غور و فکر کرنے کے بعد خطِ تمثال کی کلید دریافت کرلی ہے جس کی مدد سے ان کتبوں کا پڑھنا ایسا ہی آسان ہوگیا ہے جیسا کہ ایک معمولی کتاب کا پڑھنا۔

مصر میں خطِ تمثال کے علاوہ ایک اور خط بھی تھا جس کو فقط پجاری ہی استعمال کیا کرتے تھے یہ ہیراٹک کے نام سے موسوم تھا۔ اس خط میں تصویروں اور دوسری نشانیوں کے بجائے حروف کے ذریعے سے مطلب ادا کیا جاتا تھا۔

جزیرۃ العرب میں خطِ تمثال کے بجائے حروف استعمال کئے جاتے تھے یہ حروف بھی پتھر کی سلوں یا مٹی کی پختہ تختیوں پر کندہ کئے جاتے تھے۔ جزیرۃ العرب کے جو قدیم کتبے اب تک دستیاب ہوئے ہیں ان میں بعض کتبے میخی خط کے ہیں اور بعض حمیری۔ حمیر حضرت ھودؑ کے بیٹے یقطان سے چوتھی پشت میں تھا۔ حضرت ھود حضرت نوح کے بعد پہلے پیغمبر ہیں جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ حمیر کے کارناموں کی وجہ سے اس کی قوم اس کے نام سے مشہور ہوگئی تھی۔ اسی قوم کے خط کو خطِ حمیری کہتے ہیں۔ اس قوم کے کچھ کتبے یمن اور حضر موت میں ملے ہیں۔ ان میں سے ایک کتبے پر حضرت ہود کے نام کے ساتھ ان کے سکھائے ہوئے دو تین عقیدے بھی لکھے ہوئے ہیں۔ اس کتبے پر کل دس ابیات ہیں دو بیتوں میں مذکورہ عقیدے ہیں اور باقی آٹھ ابیات میں اس قوم کا حال لکھا ہوا ہے۔ اُن دنوں مذہبی باتوں کو بہت کچھ اہمیت حاصل تھی اس لئے ان کا پتھروں پر کندہ کیا جانا ایسا ہی ضروری سمجھا جاتا تھا جیسا کہ قوم کے اور بڑے بڑے اہم واقعات کا۔

حضرت ھود کے دوسرے بیٹے فَلِج یا فالغ سے پانچویں پشت میں حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم کے والد تارح حمیر کے ہمعصر تھے۔ اس وقت تک پتھروں پر عقائد اور دینی احکام کے کندہ کرنے کا دستور جاری ہوچکا تھا۔ حضرت ابراہیم کا وطن اُور تھا جو اس وقت عراق میں کلدانیوں کی زبردست حکومت کا پایۂ تخت تھا۔ وہاں کے ایک قدیم بادشاہ حمورابی (حضرت ابراہیم سے دو سو برس اور حضرت مسیح سے دو ہزار دو سو برس قبل۵) کے زمانے کے بہت سے کتبے زمین سے برآمد ہوئے ہیں۔ یہ آگ میں پکائی ہوئی مٹی کی تختیاں ہیں جن پر حمورابی کا قانون کنی فارم خط میں کندہ ہے۔ یہ حروف میخ کی شکل کے ہیں اسلئے ان کو کنی فارم یا خطِ میخی کا نام دیا گیا۔

صُحفِ ابراہیم و موسیٰ

قرآن شریف میں صرف دو پیغمبروں یعنے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ پر صحیفے اُترنے کا ذکر آیا ہے۔ کتابت کے

---

۵ حضرت ابراہیم حضرت مسیح کی پیدائش سے پورے دو ہزار برس قبل پیدا ہوئے تھے چونکہ حضرت ابراہیم کو اسلام سے بہت بڑا تعلق ہے اس لئے ہم نے اُن کی پیدائش سے سنہ ابراہیمی کی ابتدا کرکے تمام واقعات کو اسی سنہ سے شمار کیا ہے۔ سنہ عیسوی میں دو ہزار برس کا اضافہ کردینے سے ابراہیمی سنہ بن جاتا ہے۔

مذکورۂ بالا حالات کے لحاظ سے ہم یقین کر سکتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کا صحیفہ پتھر یا مٹی کی پختہ تختی پر منقوش کیا گیا ہوگا۔ توراۃ سے ہم کو معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت موسیٰ کو کوہِ طور پر جو دس احکام دئے گئے تھے وہ دو سنگی الواح پر دونوں طرف لکھے ہوئے تھے۔ حضرت موسیٰ نے ایک موقع پر غصے کی حالت میں ان تختیوں کو زمین پر پھینک دیا تو وہ ٹوٹ گئی تھیں۔ پھر حضرت موسیٰ نے پہلی تختیوں کے مانند اور دو تختیاں بنائیں اور ان پر مذکورہ احکام لکھ دئے۔ قرآن شریف میں بھی ان الواح کا ذکر آیا ہے:۔

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

(اللہ نے) کہا کہ اے موسیٰ میں نے تم کو اپنی رسالت اور ہم کلامی سے اور لوگوں پر امتیاز دیا ہے، تو میں جو کچھ دیتا ہوں اس کو لو اور شکر گزار رہو۔ ﴿۱۴۴﴾

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۚ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

اور ہم نے ان کے لئے (یعنے موسیٰ کے لئے) تختیوں پر ہر طرح کی نصیحت اور ہر بات کی تفصیل لکھ دی تھی، تو اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ ان کی اچھی اچھی باتوں پر عمل کریں۔ میں عنقریب تم کو نافرمانوں کے گھر بھی دکھا دونگا۔ ﴿۱۴۵﴾ ۹ع اعراف ۳۷۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِىْ مِنْۢ بَعْدِىْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ؕ ﴿۱۵۰﴾

اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف غصے سے بھرے ہوئے اور افسوس کرتے ہوئے واپس آئے (تو) کہا کہ تم نے میرے بعد میری بہت بری نیابت کی کیا تم اپنے پروردگار کے حکم سے پہلے ہی جلدی کر بیٹھے۔ اور موسیٰ نے تختیاں پھینک دیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر ان کو اپنی طرف کھینچنے لگے ﴿۱۵۰﴾ ۱۸ع اعراف ۳۷۔

ان آیتوں سے ظاہر ہے کہ صحفِ موسیٰ سے مراد وہ تختیاں ہیں جن پر خدا نے "ہر طرح کی نصیحت اور ہر بات کی تفصیل لکھ دی تھی"۔ بعد میں ان کا مضمون توراۃ میں نقل کر دیا گیا۔ حضرت موسیٰ پر جو وحیاں وقتاً فوقتاً اتری تھیں ان کے مجموعے کو کتاب کہتے ہیں، یہی کتاب کا نام توراۃ ہے۔

توراۃ

ہم جانتے ہیں کہ ہمارے پیغمبر کے زمانے میں بھی بہت کم لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ لکھنے کا سامان اس قدر

کم یاب تھا کہ ہڈیوں، پتھر کے ٹکڑوں اور کھجور کی چھال وغیرہ پر قرآن کی آیتوں کو لکھ رکھا کرتے تھے۔ اس سے ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ آنحضرت صلعم سے چھے سو برس پہلے حضرت عیسیٰ کے زمانے میں اور اُن سے پندرہ سو برس پہلے حضرت موسیٰ کے زمانے میں لکھنے پڑھنے والے کس قدر محدود ہونگے اور لکھنے پڑھنے میں کیا کچھ دقتیں نہ ہونگیں پتھر کے کتبوں کی طرح کاغذ بھی مصرہی میں ایجاد ہوا تھا۔ نئے کے مغز کو پھیلاتے اور اوس پر ویسا ہی پھیلا ہوا مغز ایک قسم کے مصالحہ کے ذریعہ چسپان کر دیتے تھے اس کاغذ کا نام پاپرس ہے۔ حضرت عیسیٰ سے کوی ڈیڑھ سو برس قبل ایشیائے کوچک میں چمڑے پر تحریر کرنے کا رواج شروع ہوگیا تھا۔ بکری کے چمڑے کو صاف کرکے پتلی سی جھلی بنا دیتے اور اس پر لکھا کرتے تھے۔ اس کو پارچمنٹ یعنے چمڑے کی وصلی کہتے تھے۔

حضرت موسیٰ کی ساری قوم ان کے ساتھ ساتھ لگی پھرتی تھی، تقریباً چالیس برس تک حضرت موسیٰ اپنی قوم میں رہے، اسلئے توراۃ کو مرتب کرکے شایع کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ حضرت موسیٰ نے اپنی آخری عمر میں حضرت یشوع کی مدد سے توراۃ کو مرتب کیا تھا۔ حضرت موسیٰ کی وفات (۸۵۵ھ ابراہیمی) کے بعد حضرت یشوع نے توراۃ کا آخری حصہ لکھا ہے۔ توراۃ کی پانچویں کتاب استثنا میں ہے " ایسا ہوا کہ جب موسیٰ نے اس قانون کے الفاظ کو ایک کتاب میں لکھنا ختم کیا یہاں تک وہ تمام ہوئے ۲۴ تو موسیٰ نے لیویوں کو جو خداوند کے عہد نامے کے صندوق کے حامل تھے حکم دیا یہ کہ ۲۵ کہ یہ قانون کی کتاب لو اور اپنے خدا خداوند کے عہد نامے کے صندوق کے پہلو میں رکھو تاکہ وہ تیرے مقابلے میں شاہد رہے ۲۶ ب ۳۱۔ اس صندوق کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے :۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ

اور ان کے پیغمبر (سموئیل) نے ان سے کہا کہ ان کے (یعنے طالوت کے) بادشاہ ہونے کی یہ نشانی ہے کہ وہ صندوق جس میں تمھارے پروردگار کی طرف سے سکینہ ہے اور (نیز) موسیٰ اور ہارون نے جو کچھ ترکہ باقی چھوڑا ہے (اس میں ہے) تمھارے پاس آجائیگا فرشتے اس کو اٹھا لائینگے ۷ ع بقرہ ۸۷۔

فلسطین والے اس صندوق کو اسرائیلیوں سے چھین لے گئے تھے۔ سموئل کی کتاب باب ۶ میں ہے " اس صندوق کی بے حرمتی کرنے کی وجہ سے فلسطیوں کی بستی میں وبا پھیلی اور بہت لوگ ہلاک ہوئے۔ اسلئے ان لوگوں نے اس صندوق کو ایک گاڑی پر رکھ کر جس میں دو گائیں جتی تھیں جنگل میں چھوڑ دیا، وہ گائیں اس گاڑی کو اسرائیلیوں کے سرحد میں لے پہنچیں ۱۲ جب حضرت داؤد نے (۹۵۰ھ ابراہیمی میں) فلسطیوں کو شکست دے کر ملک ذیون کو فتح کیا تو آپ نے شہر صیہون کو اپنا پایہ تخت قرار دیا اور وہاں ایک بڑا خیمہ نصب کرکے اس میں اس مقدس صندوق کو

رکھ دیا۔ پھر جب حضرت سلیمان نے (۳۰۱۲ ابراہیمی میں) بیت المقدس کو تعمیر کیا تو وہ صندوق بیت المقدس منتقل ہو گیا۔ کتاب سلاطین (۱) باب ۸ میں ہے "تو سلیمان نے اسرائیل کے بزرگوں اور فرقوں کے رئیسوں اور سب شرفا کو جمع کیا اور وہ یروشلم میں اکٹھا ہوئے تاکہ داؤد کے شہر صیہون سے مقدس صندوق کو اٹھا لائیں (۵) اور اس صندوق میں کچھ نہ تھا سوائے پتھر کی ان دو لوحوں کے جنہیں موسیٰ نے اس میں رکھا تھا (۹)"

کتاب سلاطین کے اس اخیر جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ صندوق بیت المقدس لایا گیا تو اس میں توراۃ کی کتاب نہیں تھی، صرف پتھر کی دو لوحیں تھیں، جن پر وہ دس احکام لکھے ہوئے تھے جو کوہ طور پر نازل ہوئے تھے۔ ایک عرصے کے بعد حضرت سلیمان نے توراۃ کے تمام نسخے اور وہ تمام مقدس کتابیں جو توراۃ کے بعد مرتب ہوئیں تھیں مسجد اقصیٰ میں رکھوا دیں، پھر تو یہود کی تمام مقدس کتابیں اسی عبادت گاہ میں رکھی جانے لگیں۔

چھٹی صدی قبل مسیح یعنے چودھویں صدی ابراہیمی کے آخر میں جب بخت نصر نے بیت المقدس کو جلا دیا تو یہ مقدس کتابیں بھی جل گئیں۔ ممکن ہے کہ بنی اسرائیل کے پاس ان کتابوں کی کچھ نقلیں رہ گئی ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ جب بخت نصر نے تمام بنی اسرائیل کو بابل منتقل کر دیا تو وہ نقلیں بھی ان کے ساتھ بابل پہنچ گئی ہوں۔ مگر حضرت عزیر (۱۵۴۳ ابراہیمی) کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس بابل میں توراۃ کا کوئی نسخہ نہیں تھا اور وہ توراۃ کی تلاش میں یروشلم گئے تھے۔ کتاب عزیر کی عبارت یہ ہے :- "یہی عزیر بابل سے روانہ ہوئے، اور وہ موسیٰ کے قانون کے ماہر کاتب تھے (۶) اور (ان کے ساتھ) چند بنی اسرائیل، کاہن، لاوی، گانے والے اور دربان یروشلم کو گئے، (۷) کیونکہ عزیر نے خداوند کے قانون کو تلاش کرنے اور اس پر عمل کرنے اور اسرائیل کے احکام اور فرائض کی تعلیم دینے کے لئے اپنے قلب کو تیار کیا تھا (۱۰)" ب۔

حضرت عزیر کے نام سے ایک اور کتاب موسومہ "عیزدراس" یونانی زبان میں موجود ہے جو اُن کی دوسری تصنیف کہلاتی ہے۔ اگرچہ یہ کتاب موجودہ بیبل کی کتابوں میں شامل نہیں ہے مگر بیبل سے کسی طرح کم معتبر نہیں چنانچہ بیبل کا جو ضمیمہ بعد میں مرتب ہوا ہے اس میں عیزدراس کو شامل کر لیا گیا ہے۔ اس کتاب کی دوسری جلد کے چودھویں باب میں لکھا ہے:۔ "دیکھ لے خدا میں جاؤنگا جیسا کہ تو نے مجھے حکم دیا ہے اور جو لوگ موجود ہیں میں ان کو فہمایش کرونگا، لیکن جو لوگ کہ بعد کو پیدا ہونگے اُن کو کون فہمایش کریگا۔ اس طرح دنیا تاریکی میں ہے اور جو لوگ اس میں رہتے ہیں بغیر روشنی کے ہیں (۲۰) کیونکہ تیرا قانون جل گیا ہے، پس کوئی نہیں جانتا ان چیزوں کو جو تو کرتا ہے اور اُن کاموں کو جو شروع ہونے والے ہیں (۲۱) لیکن اگر مجھ پر تیری مہربانی ہے تو تو روح القدس کو مجھ میں بھیج اور میں لکھوں تمام جو کچھ کہ دنیا میں ابتدا سے ہوا ہے اور جو کچھ تیرے قانون میں لکھا تھا تاکہ تیری راہ کو پاویں، اور وہ لوگ جو اخیر زمانے میں ہونگے زندہ ہیں (۲۲) اور اس نے مجھکو یہ جواب دیا کہ جا اپنے راستے سے لوگوں کو اکٹھا کر اور ان سے کہ وہ چالیس دن تک تجھکو نہ ڈھونڈیں (۲۳) لیکن دیکھ تو بہت سے صندوق کے تختے تیار کر اور اپنے ساتھ × × × × × کو لے ان پانچوں کو جو بہت تیزی سے لکھنے کو تیار ہیں (۲۴) اور یہاں آ اور میں

تیرے دل میں سمجھ کی شمع روشن کرونگا جو کہ نہ بجھیگی تا وقتیکہ وہ چیزیں پوری نہ ہوں جو تو لکھنی شروع کریگا(۲۵) - غرض حضرت عزیرا اور پانچ زود نویس چالیس روز تک اوروں سے الگ تھلگ جا بیٹھے اور الہامی تائید سے " انھوں نے چالیس دن میں دو سو چار کتابیں لکھیں (۲۶) جن میں نہ صرف توراۃ بلکہ وہ سب کتابیں جو حضرت موسیٰ سے لیکر حضرت عزیر تک کے پیغمبروں کی طرف منسوب تھیں شامل ہیں -

بہرحال اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ جو توراۃ اب موجود ہے وہ بعینہ وہ توراۃ نہیں ہے جس کو حضرت موسیٰ اور حضرت یشوع نے لکھا تھا - خود یہودی اور عیسائی عالموں کا بیان ہے کہ توراۃ میں بعض باتیں ایسی بھی ہیں جن کا وقوع یا رواج حضرت موسیٰ کے بہت بعد ہوا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ موجودہ توراۃ کا مرتب کرنے والا وہ شخص تھا جس کی پیدائش بیت المقدس کی تباہی کے بعد ہوئی تھی اور وہ پچھلی تاریخ اور روایات سے جو یہودیوں میں سینہ بہ سینہ چلے آتے تھے اور موسوی شریعت سے خوب واقف تھا - ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عزیر ہی وہ شخص تھے جنھوں نے بیت المقدس کی تباہی کے بعد دوبارہ توراۃ کو مرتب کیا تھا جیسا کہ اوپر تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے -

ماسوا اس کے خود اصل توراۃ بھی اس طرح قلم بند نہیں ہوئی جس طرح قرآن مجید لکھا گیا - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب وحی کی کیفیت زایل ہوجاتی تو آپ فوراً کسی پڑھے لکھے صحابی کو بلوا کر یہ حکم فرماتے تھے کہ ان آیتوں کو فلاں سورۃ میں فلاں جگہ لکھ دو - اس طرح سے سارا قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں قلم بند ہوگیا تھا اور آپ کے پاس موجود تھا - اس کے علاوہ متعدد صحابہ کو قرآن کی تمام سورتیں حفظ تھیں - آنحضرت کی وفات سے دس گیارہ مہینے بعد ہی قرآن ہڈیوں، پتھر کے ٹکڑوں اور چمڑے وغیرہ سے جن پر وہ لکھا ہوا تھا ایک جگہ جمع کرلیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ قاریوں کی یادداشت سے بھی اس کی مطابقت کرلی گئی - اس کا مفصل بیان آگے آئیگا - اس کے برخلاف حضرت موسیٰ نے ان وحیوں کو جو طور کے میدان میں نازل ہوئیں، جو مصر میں چالیس برس تک فرعون کے مقابلے کے وقت اترتی رہیں اور جو چالیس برس تک جنگلوں میں بھٹکتے پھرتے وقت نازل ہوئی تھیں ان کے نزول کے بعد ہی جمع نہیں کیا - خود توراۃ کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ نے اس کتاب کو اپنی آخری عمر میں لکھا - یہی وجہ ہے کہ توراۃ انسانی تصانیف کی طرح مرتب کتاب ہے - جس میں تاریخانہ واقعات، آپ بیتی حالات اور الٰہی احکام علحدہ علحدہ ابواب اور کتب میں ترتیب وار ہیں - اس میں شک نہیں کہ توراۃ الہامی کتاب ہے اس لئے کہ اس کے مرتب نے اس کو الہام کی مدد سے مرتب کیا ہے - اس کا کچھ حصہ وحی کی حیثیت بھی رکھتا ہے خصوصاً وہ آیتیں جن میں خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کیا ہے - اس قسم کے مواقع پر خدا کا کلام خدا ہی کے الفاظ میں دیا گیا ہے -

قدیم زمانے میں جب کہ کتابت کا عام رواج نہیں ہوا تھا تو لوگوں کا دارومدار صرف حافظے پر تھا جو مشق کی وجہ سے قوی بلکہ قوی تر ہو گیا تھا - اس لئے ہم یقین کرسکتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے جو کچھ خدا کا کلام نقل کیا تھا اپنے حافظے

سے ہیچ صحیح نقل کیا تھا۔

توراۃ میں جو دینی احکام ہیں وہ سب خدا ہی کی طرف سے حضرت موسیٰ پر اُترے تھے اُن کا صحیح صحیح مطلب ہی کتاب میں درج کر دینا کافی تھا وحی کے الفاظ کو حافظے پر زور ڈال کر دہرانے کی ضرورت نہ تھی۔

باقی رہے تاریخانہ واقعات تو وہ تین قسم کے ہیں :-

(۱) دنیا کی پیدائش اور حضرت آدم و حوا کا قصہ۔ یہ باتیں حضرت موسیٰ کو بغیر الہام کے نہیں معلوم ہو سکتی تھیں۔ ان کا طرز بیان بھی الہامی یعنی وحی بالفظ کی شکل رکھتا ہے (۲) پچھلے نبیوں کے حالات اور ان کے زمانے کے واقعات۔ ان کے متعلق تمام روایتیں یہودیوں میں سینہ بہ سینہ چلی آرہی تھیں جن سے حضرت موسیٰ ناواقف نہیں ہو سکتے تھے۔ خدا نے حضرت موسیٰ کو الہام کے ذریعے یہ وہ واقعات یاد دلانے کے ساتھ بہت سی ایسی باتیں بھی معلوم کرائی تھیں جن سے وہ واقف نہ تھے۔ چنانچہ قرآن بھی اس بات کا شاہد ہے کہ خدا نے حضرت موسیٰ کو ان کی پیدائش اور پرورش کا حال بذریعہ وحی معلوم کرایا تھا۔

إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ﴿۱۴﴾ — (اے موسیٰ) جبکہ ہم نے تمہاری ماں کی طرف وہ وحی بھیجی جو (اب تم پر) وحی کی جاتی ہے

أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ ﴿۱۵﴾ — کہ موسیٰ کو صندوق میں رکھو اور (صندوق) کو دریا میں ڈال دو اور دریا صندوق کو کنارے پر دھکیل دے (آخر کار) اُن کو لینے موسیٰ کو ہمارا اور اُن کا دشمن لے لیگا (۱۵) سورۂ طٰہٰ ۴۔

اسلئے ان حالات کے بیان کو بھی الہامی بیان کہہ سکتے ہیں۔

(۳) حضرت موسیٰ کے آپ بیتی حالات ان کے بیان کے لئے وحی کی ضرورت نہ تھی۔ یہ تو صرف قرآن ہی کی خصوصیت ہے کہ اس میں خدا نے وہ تمام واقعات جو آنحضرت صلعم کو مکہ اور مدینہ میں پیش آئے تھے ایک خاص طرز سے عبرت اور نصیحت کے پیرائے میں بذریعہ وحی بیان کر دیئے ہیں جو جز قرآن ہو گئے ہیں۔

توراۃ کی پانچ کتابیں

توراۃ میں یہ پانچ کتابیں ہیں (۱) پیدائش (۲) خروج (۳) احبار (۴) اعداد (۵) استثنا۔ پہلی کتاب کا نام پیدائش اس لئے رکھا گیا کہ اس میں آسمان، زمین، ساری کائنات اور انسان کی پیدائش کا بیان ہے اور انسان کی ابتدائی نسلوں کے حالات ہیں۔ اس کتاب کو عبرانی میں برشتھ کہتے ہیں کیونکہ اس کتاب کا پہلا لفظ برشتھ ہے جس کے معنے ہیں "شروع میں"۔ آسمان، زمین اور ساری کائنات کی پیدائش کے بعد حضرت آدم اور بی بی حوا کا قصہ سے چھپے

باب میں ہابیل اور قابیل کے حالات ہیں، پانچویں باب میں حضرت آدم کی اولاد کی تمام شاخیں سلسلہ بہ سلسلہ حضرت نوح تک بیان ہوئی ہیں۔ حضرت نوح کا قصہ چھٹے باب سے نویں باب تک ہے۔ دسویں اور گیارھویں باب میں اولادِ نوح کا بیان ہے بارھویں باب سے حضرت ابراہیم کا قصہ شروع ہو کر پچیسویں باب پر ختم ہو گیا ہے انہی ابواب میں حضرت لوط کے واقعات کے ساتھ حضرت اسحٰق کا بھی کسی قدر ذکر آ گیا ہے۔ پھر چوبیسویں باب سے پینتیسویں باب تک حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب کے قصے ہیں۔ اور سینتیسویں باب سے آخر کتاب یعنے پچاسویں باب تک حضرت یوسف اور بنی اسرائیل کے مصر میں داخل ہونے کا بیان ہے۔

دوسری کتاب کا نام خروج ہے اس لئے کہ اس میں مصر سے بنی اسرائیل کے خارج ہونے کا ذکر ہے۔ حضرت موسیٰ کی پیدائش کا حال، ان کا مدین جانا، وہاں حضرت شعیب کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا، خدا کا آپ کے ساتھ کلام کرنا آپ کو اور حضرت ہارون کو پیغمبر بنا کر مصر واپس جانے کا حکم دینا، فرعون کے دربار میں جا کر احکام الٰہی کا پیش کرنا اور معجزے دکھانا، یہ سب اس کتاب کے پہلے حصے میں مذکور ہے۔ تیرھویں باب سے اٹھارویں باب تک بحرِ قلزم سے بنی اسرائیل کے پار ہونے اور چالیس برس تک صحرا میں بھٹکتے پھرنے کے حالات ہیں۔ ایک باب میں صحفِ موسیٰ کی دونوں تختیوں اور نزول توراۃ کا بھی بیان ہے۔

تیسری کتاب احبار میں عبادات وغیرہ کے احکام ہیں اور مذہبی رسوم کی تفصیل ہے۔ اس کتاب کے چھے حصے کئے جا سکتے ہیں (۱) قربانیوں اور نذروں کے احکام (۲) احبار یعنے کاہنوں کا بیان (۳) اس جسمانی طہارت کا بیان جو پرستش کے لئے ضروری تھی (۴) روحانی اور اخلاقی پاکیزگی (۵) عید اور تہوار (۶) باقی اور دوسرے مذہبی قوانین۔

بنی اسرائیل کی مردم شماری دو بار کی گئی تھی ایک تو خروج کے بعد اور پھر دوبارہ اس وقت جب کہ وہ اڑتیس برس اور تین مہینے کی بیابان گردی کے بعد دریائے یردن کے پار موآب کے میدانوں میں پہونچکر یریحو کے سامنے خیمہ زن ہوئے تھے، وہ تمام واقعات جو اس اثناء میں بنی اسرائیل کو پیش آئے تھے چوتھی کتاب اعداد میں مذکور ہیں۔

حضرت موسیٰ نے چالیس برس کی صحرا نوردی کے اختتام پر بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے جو وداعی خطبہ دیا تھا وہ پانچویں کتاب میں ہے۔ اس خطبے میں تقریباً وہ تمام قوانین اور قاعدے تفصیل کے ساتھ دہرائے گئے ہیں جو پہلی کتابوں میں مذکور ہیں اسی وجہ سے اس کتاب کا نام استثناء رکھا گیا۔ حضرت یشوع کو اپنا جانشین مقرر کرتے ہوئے حضرت موسیٰ نے جو وداعی نظم پڑھی تھی وہ بھی اسی کتاب میں ہے۔ اس کتاب میں چونتیس باب ہیں۔ وداعی خطبہ پہلے باب سے شروع ہو کر بتیسویں باب میں ختم ہوا ہے۔ تینتیسویں اور چونتیسویں باب میں حضرت موسیٰ کی وفات کا بیان ہے۔ پورے خطبے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک خطبہ نہیں ہے بلکہ تین خطبے ہیں، پہلا خطبہ چوتھے باب تک، دوسرا خطبہ چھبیسویں باب تک اور تیسرا

خطبہ بتیسویں[32] باب تک ہے کیونکہ پہلے خطبے کے ختم ہوجانے کے بعد دوسرا خطبہ پانچویں باب سے اس طرح شروع ہوتا ہے "پھر موسیٰ نے سارے اسرائیل کو بلایا اور انھیں کہا"۔ اسی طرح ستائیسویں[27] باب سے تیسرے خطبے کی عبارت اس طرح شروع ہوئی ہے "پھر موسیٰ نے بنی اسرائیل کے بزرگوں کے ساتھ ہو کے لوگوں کو کہا"۔

عہد عتیق کی دوسری کتابیں

بیبل کے عہد عتیق میں توراۃ کی پانچ کتابوں کے علاوہ اور بھی کئی مقدس کتابیں داخل ہیں حضرت ہود[3] (سنہ ۵۰۰ قبل ابراہیم) اور حضرت صالح[4] (سنہ ۳۰۰ قبل ابراہیم) کا قصہ توراۃ میں نہیں ہے۔ حضرت ایوب[11] (انتقال سنہ ۴۸۰ ابراہیمی) حضرت موسیٰ کے ہم عصر تھے، ان کا ذکر توراۃ میں تو نہیں ہے مگر ان کے متعلق ایک علحدہ کتاب بیبل میں موجود ہے۔ حضرت موسیٰ کے سسرے حضرت شعیب[14] کا جو قصہ قرآن میں ہے وہ توراۃ میں نہیں ہے۔ حضرت یشوع[15] (انتقال سنہ ۵۷۳ ابراہیمی) حضرت سموئیل[17] (پیدائش سنہ ۸۳۵ ابراہیمی) حضرت یونس[21] (سنہ ۱۱۳۸ ابراہیمی) حضرت ذوالکفل[22] (انتقال سنہ ۱۴۶۴ ابراہیمی) حضرت دانیال[23] (انتقال سنہ ۱۴۷۰ ابراہیمی) اور حضرت عزیر[24] (انتقال سنہ ۱۵۴۳) کے نام سے علحدہ علحدہ کتابیں بیبل میں شامل ہیں۔ قرآن شریف میں ان سب پیغمبروں کا ذکر صراحت کے ساتھ یا کنائے کے طور پر موجود ہے۔ حضرت داؤد[16] کا قصہ (تاج پوشی سنہ ۹۵۳ ابراہیمی) سموئیل کی کتاب میں ہے اور حضرت سلیمان[18] کا قصہ (تاج پوشی سنہ ۱۰۰۵ ابراہیمی) بیبل کی اس کتاب میں ہے جس کا نام سلاطین ہے۔

حضرت داؤد[16] کی زبور اور حضرت سلیمان[18] کی ایک کتاب امثال اور دوسری کتاب غزل الغزلات بھی بیبل میں موجود ہے مگر ان تینوں کتابوں کا طرز توراۃ، انجیل اور دوسرے پیغمبروں کی کتابوں کے طرز سے بالکل مختلف ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ بیبل میں اور پندرہ کتابیں ایسی ہیں جن کا طرز انجیل اور توراۃ کا سا ہے اور جو ایسے پیغمبروں کے نام سے موسوم ہیں جن کا قرآن میں کوئی تذکرہ نہیں۔ ذیل میں ان کے نام بیبل کی ترتیب کے بجائے تاریخانہ سلسلے میں درج کئے جاتے ہیں۔

(حضرت یونس[21] کے بعد) یوئیل سنہ ۱۲۰۰ ابراہیمی، عاموس سنہ ۱۲۱۳، میکاہ سنہ ۱۲۵۰، ہوسیع سنہ ۱۲۶۰، ناحوم سنہ ۱۲۸۷، یسعیاہ سنہ ۱۳۰۲، صفنیاہ سنہ ۱۳۰۰، حبقوق سنہ ۱۳۰۷، یرمیاہ سنہ ۱۴۱۳، عبدیاہ سنہ ۱۴۱۳، (ان کے بعد ذوالکفل[22]، پھر دانیال[23]، ان کے بعد) حجی سنہ ۱۴۸۰، زکریاہ سنہ ۱۴۸۰ (یہ قرآن کے حضرت زکریا[25] نہیں ہیں)، آستر سنہ ۱۴۹۱، (ان کے بعد عزیر[24]، ان کے بعد) نحمیاہ سنہ ۱۵۶۶ اور ملاکی سنہ ۱۶۰۳۔

عہد عتیق میں جملہ انتالیس[39] کتابیں ہیں انہی کتابوں کے مجموعے کو یہود بیبل کہتے ہیں۔

سے ان ناموں پر جو نمبر ہیں وہ تاریخانہ سلسلے کے لحاظ سے ہیں۔

بیبل کا ترجمہ

جب بنی اسرائیل بیت المقدس سے خارج کئے جاکر بابل بھیج دئیے گئے تو ایک عرصے تک وہاں رہنے کی وجہ سے وہ بجائے اپنی قومی زبان عبرانی کے بابل کی کالدی زبان بولنے لگے۔ حضرت عزیر اور حضرت دانیال نے اپنی کتابیں بابل ہی میں لکھی تھیں اس لئے ان کتابوں کے کئے باب کالدی زبان ہی میں ہیں۔ مصر اور فلسطین جب یونان کے قبضے میں آگئے تو ان دونوں ملکوں میں یونانی زبان کا رواج ہوگیا اور اسکندریہ میں ۲۸۰ قبل مسیح (۲۱۷ ابراہیمی) میں بیبل کی تمام کتابوں کا یونانی زبان میں ترجمہ کردیا گیا۔ اس ترجمے کے کام کو ستر اشخاص نے انجام دیا تھا جیسا کہ اس کے نام سیپٹواجنٹ یعنے سبعونی (ستر) سے ظاہر ہے۔ یہود اور نصاریٰ کے پاس اب یہی کتاب رائج ہے اور تقریباً تمام دوسری زبانوں میں اسی کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ عبرانی نسخہ بالکل متروک ہوگیا اور ہر جگہ بحث مباحثے میں حوالے اور استدلال کے لئے اسی یونانی زبان کی کتاب کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

زبور

زبور لغت میں کتاب کو کہتے ہیں اور قرآن میں فقط حضرت داؤد کی کتاب کو زبور کہا گیا ہے۔ یہ کتاب توراۃ، انجیل یا قرآن کی طرح نہیں ہے بلکہ یہ ایک منظوم کتاب ہے جس میں ڈیڑھ سو مناجاتی یا دعائیہ قطعے ہیں۔ بنی اسرائیل کے ہاں اس کتاب کے دو نام ہیں تحلیم اور تفیلاۃ۔ تحلیم کے معنی حمد ہیں اور تفیلاۃ کہتے ہیں دعاؤں کو۔ حضرت داؤد کی طبیعت میں خداداد شاعرانہ ملکہ تھا آپ خوش گلو اور خوش الحان بھی تھے۔ ہر وقت الہامی تحریک سے خدا کا راگ گایا کرتے تھے جب خدا کی بارگاہ میں دعا اور مناجات کرتے تو نظم ہی میں کرتے تھے۔ دنیا کی تمام پرانی نظموں میں جو ہم تک پہونچی ہیں یہ نظم سب سے زیادہ قدیم ہے۔ اس لحاظ سے اگر اس کو ام النظم کہا جائے تو بجا ہوگا۔ بعض اہل کتاب علماء کی رائے ہے کہ زبور کی تمام مناجاتیں حضرت داؤد کی نہیں ہیں بعض اور لوگوں کی مناجاتیں بھی اس کتاب میں شامل کرلی گئی ہیں۔

انجیل

لفظ انجیل یونانی لفظ اِوَانجیلیَن سے اخذ کیا گیا ہے جس کے معنے بشارت کے ہیں۔ انجیل کے مصنف کو اِوَانجلِسٹ یعنے بشیر کہتے ہیں۔ بیبل میں چار انجیلیں ہیں جن کو چار مختلف شخصوں نے جدا جدا اوقات میں مختلف جگہ متفرق طور سے لکھا ہے۔ چونکہ ان چاروں نے ایک ہی پیغمبر کے حالات اور مواعظ پر قلم فرسائی کی ہے اس لئے ان کے بیان باہمی طور پر ایک دوسرے سے موافق ہیں۔ پہلی انجیل متی کی لکھی ہوئی ہے۔ متی حضرت عیسیٰ کے بارہ حواریوں

ہیں سے ایک حواری تھے۔ حضرت عیسیٰ کی رحلت کے بعد متی کی نقل وحرکت کا صحیح صحیح حال معلوم نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں کہ وہ پہلے یہودیوں میں وعظ کیا کرتے تھے مگر جب انھوں نے یہودیوں کو انکار ہی کرتے دیکھا تو وہ حبش اور دوسر ملکوں کی طرف چلے گئے جہاں کافروں کے ہاتھ شہید ہوگئے۔ قدیم مصنفوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ متی نے انجیل کو آرامک زبان میں لکھا تھا۔ مگر بعض عیسائی علماء کا یہ خیال ہے کہ یونانی زبان میں متی کی جو انجیل موجود ہے اس کے طرز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی دوسری زبان کی انجیل کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ یونانی ہی میں لکھی گئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ متی نے یہ کتاب ۶۲ سنہ عیسوی میں لکھی تھی۔

دوسری انجیل کو مارک نے لکھا تھا جو حواری برناباس کے بھانجے تھے۔ حواری پطرس مارک سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ ان کو غایت پیار سے بیٹا کہا کرتے تھے۔ مارک نے وہ تمام روایتیں جو پطرس سے سنی تھیں اپنی اس انجیل میں جمع کردی ہیں گویا مارک کی انجیل پطرس کے خیالات کا عکس ہے۔ یہ کتاب یونانی زبان میں لکھی گئی تھی۔ بعضوں کا خیال ہے کہ وہ بمقام روما لیٹن زبان میں لکھی گئی مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ مارک تبلیغ دین کے لئے مصر گئے تھے جہاں وہ ۶۲ سنہ یا ۶۶ سنہ میں شہید ہوگئے۔

عہد جدید کی پہلی تین انجیلوں میں زیادہ تر واقعہ نگاری سے کام لیا گیا ہے روحانی تعلیم کے لحاظ سے چوتھی انجیل کو پہلی تین کتابوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اس انجیل کو یوحنا نے لکھا ہے جو سب سے کم عمر حواری تھے اور جن پر حضرت عیسیٰ کی خاص شفقت تھی۔ یوحنا اُن تین شخصوں میں سے تھے جن کو حضرت عیسیٰ کا متواتر قرب حاصل رہا تھا جن کی وجہ سے ان کو حضرت عیسیٰ کی نقل وحرکت کے تمام حالات دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ حضرت عیسیٰ نے اپنی رحلت کے وقت اپنی والدہ کی حفاظت انھی یوحنا کے سپرد کی تھی کیونکہ آپ کو یوحنا پر کامل اعتماد تھا اور ان سے یہ امید تھی کہ وہ حضرت مریم کی خدمت ان کے بیٹے کی طرح کریںگے۔ ایک عرصے تک یوحنا یروسلم ہی میں رہے۔ غالباً حضرت مریم کے انتقال کے بعد انھوں نے افیسس شہر میں سکونت اختیار کی جہاں ان کو بشپ کا عہدہ دیا گیا تھا غالب قیاس یہ ہے کہ انجیل یروسلم کی تباہی (۷۰ سنہ عیسوی) کے بعد لکھی گئی تھی۔

تیسری انجیل لوقا یا لیوک کی ہے جو یونانی نسل سے تھے۔ لوقا شام کے ایک شہر انطاکیہ کے باشندے تھے اور نہایت لائق طبیب تھے۔ سینٹ پال کے وعظ سن کر عیسائی ہوگئے تھے اور انھی کے ساتھ ساتھ رہا کرتے تھے عیسائی مذہب کی تبلیغ زیادہ تر سینٹ پال نے کی ہے۔ انھی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ یہ مذہب اطراف اور جوانب میں پھیلا۔ بیبل کے عہد جدید کی کتابوں میں ایک کتاب ہے جس کا نام ہے "حواریوں کے اعمال"۔ اس کتاب میں سینٹ پال اور دوسرے حواریوں کے کارنامے ہیں۔ یہ کتاب بھی لوقا ہی کی تصنیف سمجھی جاتی ہے۔ لوقا کی انجیل نہ صرف سینٹ پال کے فیض صحبت کا نتیجہ ہے بلکہ وہ تمام تر سینٹ پال کے خیالات کا آئینہ بھی ہے۔ اس کا بڑا ثبوت خود سینٹ پال کا وہ قول ہے جس میں

انھوں نے یہ کہا ہے "کہ میری انجیل میں ہے" اور یہ ظاہر ہے کہ سینٹ پال نے خود کوئی انجیل نہیں لکھی تھی اسلئے اس انجیل سے مراد وہی انجیل ہوسکتی ہے جو ان کے شاگرد لوقا نے لکھی تھی۔ سینٹ پال ابتدا میں عیسائیت اور عیسائیوں کے سخت دشمن تھے۔ انھوں نے حضرت مسیح کے کئی حواریوں اور مریدوں کو قید کروا دیا تھا۔ ۳۵ عیسوی میں یعنی حضرت مسیح کی وفات کے تقریباً پانچ برس بعد وہ عیسائی مذہب میں داخل ہوئے۔ وہ اگرچہ حضرت مسیح کے زمانے میں تھے مگر انھوں نے حضرت مسیح کو کبھی دیکھا نہیں۔ پال کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ یروشلم کے یہودیوں کی شہری مجلس سینہڈرم کی طرف سے عیسائیوں کی ایذا رسانی کے لئے جا رہے تھے تو راستے میں ایک قسم کی روشنی کی جھلک نے ان کی بصارت زایل کردی۔ اس غیبی سزا سے خائف ہوکر انھوں نے ندامت کے ساتھ اپنی حرکات سے توبہ کرکے عیسوی مذہب اختیار کرلیا جس کی وجہ سے ان کی بصارت بحال ہوگئی۔ یہ ۳۵ عیسوی کا واقعہ ہے پھر تو وہ اپنے نئے مذہب کے سرگرم حامی اور مبلغ بن گئے۔ وہ توراۃ اور یہودیت کی دوسری مقدس کتابوں کے ماہر عالم تھے عیسائیت کی تبلیغ میں دینی علوم کی واقفیت ان کے بہت کام آئی دین کی تبلیغ میں انھوں نے جو جو کوششیں کیں اور تکلیفیں اٹھائیں ان کا تفصیلی بیان حواریوں کے اعمال میں درج ہے ۶۲ عیسوی میں وہ قید کئے جاکر روم بھیج دئے گئے جہاں وہ دو برس مقید رہے۔ قید کے زمانے میں انھوں نے ان گرجاؤں کو جو مختلف مقامات پر ان کی کوشش سے قائم ہوئے تھے کئی خط لکھے تھے۔ ان خطوں میں انھوں نے اپنے مذہبی عقائد کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔ یہ تمام خطوط اور حواری یعقوب کا ایک خط، پطرس کے دو خط، یہوداہ کا ایک خط اور یوحنا کے تین خط ایک کتاب میں شائع کر دئے گئے ہیں یہ کتاب بھی ایک مقدس کتاب کا درجہ رکھتی ہے۔ "حواریوں کے اعمال" اور حواریوں کے خطوط گویا اناجیل کا ضروری ضمیمہ ہیں جن کے بغیر عیسائیت کی تعلیم کامل نہیں ہوسکتی۔ خدا نے قرآن میں حواریوں کے متعلق فرمایا ہے۔

وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا	جب میں نے حواریوں کو وحی بھیجی کہ ہم پر ایمان لاؤ
بِي وَبِرَسُولِي ۚ قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ	اور ہمارے رسول (عیسیٰ) پر ایمان لاؤ تو انھوں نے
بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ ⑪	کہا کہ ہم ایمان لائے اور (اے خدا) تو اس بات کا
	گواہ رہ کہ ہم فرماں بردار ہیں ⑪ پ مائدہ ۱۱۴

بیبل کے عہد جدید کی کتابوں میں ایک اور کتاب بھی شامل ہے جس کو "یوحنا عارف کا مکاشفہ" کہتے ہیں۔ جب بخت نصر نے بیت المقدس کو برباد کرکے یہودیوں کو آوارہ اور خانہ بدوش بنا دیا تو یہودیوں کے کاہن اور نبی ان کو صبر کرنے کی نصیحت کرنے کے ساتھ پیشنگوئیوں کے ذریعے دوبارہ عروج کی امید بھی دلانے لگے۔ اس کے بعد بنی اسرائیل میں کئی نبی ایسے ہوئے ہیں جنھوں نے خواب اور مکاشفہ کی شکل میں آیندہ کی پیشین گوئیاں کی ہیں حضرت ذوالکفل (جن کا نام قرآن میں آیا ہے) اور حضرت دانیال کی کتابوں میں اسی قسم کے خواب اور مکاشفات کا بیان ہے۔ حضرت عیسیٰ کے
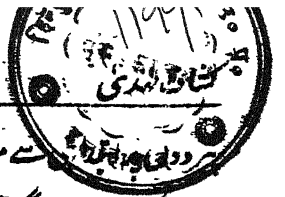
[illegible] سے مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ روم کے بادشاہ اور رومی صوبوں کے حکام جب ان کو بہت زیادہ تکلیفیں دینے لگے تو عیسائی پژمردہ ہو گئے۔ بھی آئندہ خوش حالی کی بشارت دے دے کر ان کی ہمت بندھانے لگے۔ بعض کا یہ قول ہے کہ سینٹ پال اور سینٹ پیٹر نے بھی اپنے اپنے مکاشفات لکھے تھے مگر ان کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ جو کتاب یوحنا عارف نے لکھی ہے اس کو عہد جدید میں شامل کیا گیا ہے۔ عیسائی علما کا اس بات پر اجماع ہے کہ یوحنا عارف اور حواری یوحنا جنھوں نے چوتھی انجیل لکھی ایک ہی شخص تھے۔

اس کتاب کے مفسروں کی تین جماعتیں ہوگئی ہیں۔ ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ جن باتوں کے متعلق اس کتاب میں پیشین گوئیاں کی گئی ہیں وہ تقریبًا سب کی سب پوری ہو چکی ہیں۔ دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ ان تمام واقعات کی تاریخانہ پیشین گوئیاں ہیں جو عیسوی دنیا میں قیامت تک پیش آنے والے ہیں، ان میں سے بعض پیشین گوئیاں پوری ہو چکیں اور بعض آئندہ پوری ہونگیں۔ تیسری جماعت یہ تفسیر کرتی ہے کہ یہ تمام باتیں قیامت سے کچھ پہلے واقع ہونگیں جب کہ دجال آئیگا اور دنیا طرح طرح کی برائیوں سے بھر جائیگی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ زمین پر اتریںگے۔ بیت المقدس کی از سر نو تعمیر ہوگی، ہزار برس تک دنیا میں خدائی حکومت رہیگی، ہر طرح کا امن و امان ہوگا یہاں تک کہ شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پینگے۔

آجکل کے عیسائی علما میں تو پہلی جماعت کے خیالات راسخ ہیں۔ یہ لوگ یوحنا کے مکاشفے کی اس طرح تفسیر کرتے ہیں کہ وہ جانور جس پر ایک فاحشہ عورت سوار تھی رومی سلطنت ہے، اس کے سات سروں سے مراد سات رومی شہنشاہ ہیں، عورت سے مراد شہر روم ہے اور جانور کے دس سینگ گویا دس حکام ہیں جو روم کی طرف سے مختلف ممالک میں مقرر تھے۔ جو لوگ اس مکاشفے کی تفسیر تاریخانہ طور پر کرتے ہیں وہ بابل سے مراد یروشلم لیتے ہیں جس نے عیسائی مقدس لوگوں پر بہت ظلم کئے تھے۔ جب شہنشاہ ٹیٹس اور اس کی رومی فوج نے یروشلم کا محاصرہ (۷۰ء عیسوی میں) کرکے اس کو شکستہ حال کر دیا تو اس کو اکثر مفسرین خدا کا قہر اور حضرت مسیح کا انتقام قرار دیتے ہیں، اور اسی کو حضرت عیسیٰ کا دوبارہ آنا جانتے ہیں۔

چاروں انجیل، حواریوں کے اعمال، حواریوں کے اکیس ۲۱ خطوط اور یوحنا عارف کا مکاشفہ یہ سب ستائیس ۲۷ کتابیں بیبل کے آخر حصے میں ہیں، انہی کو عہد جدید کہتے ہیں۔

قرآن کی فضیلت دوسری کتابوں پر

یہود اور نصاریٰ کی مقدس کتابوں کے تفصیلی حالات سے ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی کتاب بھی اس قابل نہیں ہے کہ اس کو خدا کا کلام کہا جاسکے۔ توراۃ کو حضرت موسیٰ نے اپنی آخری عمر میں لکھا۔ اس میں فقط الہامی باتیں درج ہیں جو وحی بالفظ کی حیثیت نہیں رکھتیں۔ حضرت موسیٰ کی یہ تصنیف کردہ کتاب بھی مفقود ہوگئی۔ حضرت عزیر نے

اس کو از سر نو الہی انکشاف کی مدد سے مرتب کیا۔ پھر اس کا یونانی زبان میں ترجمہ ہوا، رفتہ رفتہ یہی یونانی نسخہ اصلی کتاب کے درجے کو پہونچ گیا۔ اب اسی یونانی ترجمے کے ترجمے تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور یہی یونانی نسخہ ہر قسم کے حوالے وغیرہ کا مرجع بنا ہوا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی رسالت فقط تین سال تک رہی۔ اس تھوڑی سی مدت میں ایک لمحے کے لئے بھی انھوں نے چین نہ پایا۔ بارہ حواریوں کے سوا بہت کم لوگ اُن پر ایمان لائے تھے۔ ان ہی کے ہم قوم لوگوں نے ان کو سخت ایذائیں دیں یہاں تک ان کو پکڑوا کر عدالت کے ذریعے صلیب پر چڑھوا دیا۔ ان کو اس کی مہلت بھی نہیں ملی کہ وہ اپنی سالہ رسولانہ زندگی میں خدائی وحیوں کو کتاب کی صورت میں جمع کرتے۔ ان کے بعد ان کے بعض پیروں نے اپنے اپنے طور پر انجیلیں مرتب کیں تو یونانی زبان میں مرتب کیں حالانکہ حضرت عیسیٰ کی مادری زبان "مغربی ارامک" تھی اسی زبان میں وہ وعظ و نصیحت کیا کرتے اور خدا کے پیغام سنایا کرتے تھے۔ توراۃ میں واقعہ نگاری کا جو طرز ہے وہی طرز انجیل کے مصنفوں نے بھی اختیار کیا ہے۔ ان انجیلوں میں حضرت عیسیٰ کی پیدائش، بعثت، مواعظ اور رحلت کے حالات اور چند پیشین گوئیوں کے سوا اور کچھ نہیں۔

پیغمبروں کی تعلیم و تربیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے، آپ نہ پڑھنا جانتے تھے نہ لکھنا جانتے تھے۔ آپ کو علماء کے ساتھ بیٹھنے اٹھنے کا موقع بھی نہیں ملا کہ آپ اُن سے وقتاً فوقتاً علم کی باتیں سن سن کر یاد کر لیتے۔ مدینہ میں یہودیوں کی اچھی خاصی تعداد تھی مگر مکہ میں کوئی یہودی نہیں تھا۔ اگر آپ بجائے مکہ کے مدینہ میں پیدا ہوتے اور نشو نما پاتے تو آپ کو یہود علماء سے ملنے جلنے کے بہت سارے موقعے ملتے جن سے آپ کو اگلی مقدس کتابوں کی اکثر باتیں معلوم ہو جاتیں قرآن شریف میں فقط پچھلے زمانے کے قصے ہی نہیں ہیں جو سرسری طور پر باتوں باتوں میں معلوم ہو جا سکتے، بلکہ بہت سی ایسی باتیں بھی ہیں جن کو صرف وہی علماء جان سکتے تھے جنھوں نے اپنی ساری عمر اسی فن کے سیکھنے میں صرف کر دی تھی۔ ان باتوں کے جاننے کے لئے محض سرسری گفتگو کافی نہیں ہو سکتی تھی، بلکہ عبرانی زبان کا جاننا، مقدس کتابوں کو بہت غور اور توجہ کے ساتھ پڑھنا اور مختلف علوم و فنون کا مطالعہ کرنا بھی ضروری تھا۔ مکہ میں یہودی عالم تو کجا معمولی حیثیت کا بھی کوئی یہودی نہیں تھا جس سے آپ کو کتب سابقہ کے حالات کا علم ہوتا۔ اس کے علاوہ آپ نے دوران سفر میں کہیں اتنا قیام بھی نہیں کیا تھا کہ جس کی وجہ سے آپ کو قدیم اقوام اور ان کے پیغمبروں کے تفصیلی حالات اور مختلف علوم و فنون کی چوٹی کی باتیں معلوم ہو جاتیں۔ آپ اُمّی محض تھے یعنے آپ فقط لکھنا پڑھنا ہی نہیں جانتے تھے بلکہ ہر قسم کے علمی معلومات سے بھی بالکل نابلد تھے۔ اس طرح آپ کو ابتدا سے اُمّی رکھنے میں خدا کی یہ مصلحت تھی کہ جب آپ پر خدا کا فصیح ترین کلام یعنے

قرآن نازل کیا جائے، تو لوگوں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ آپ نے اس کو خود بنا لیا ہے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے :-

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾	اور (اے محمد) اس (قرآن) سے پہلے نہ تو تم کوئی کتاب ہی پڑھتے تھے اور نہ تم کو اپنے ہاتھ سے لکھنا ہی آتا تھا کہ ایسا ہوتا تو یہ اہلِ باطل ضرور شک کرتے ﴿۴۸﴾
بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ○	مگر جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے ان کے دلوں میں تو یہ کھلی کھلی نشانیاں ہیں۔ اور ہماری آیتوں سے انکار وہی کرتے ہیں جو بے انصاف ہیں ﴿۴۹﴾ پ ۲۱ عنکبوت ۵ ۸۔

پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں مبعوث ہوئے، تھے جہاں فصاحت اور بلاغت کا دور دورہ تھا۔ اہلِ عرب کو اپنی فصاحت اور بلاغت پر اس قدر ناز تھا کہ وہ تمام دنیا کے لوگوں کو "عجم" یعنی گونگے، بے زبان کہتے تھے۔ اس لئے پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو فصاحت اور بلاغت کا ایسا حیرت انگیز اور عجیب و غریب علم (معجزہ) عطا کیا گیا کہ آپ کے آگے اہلِ عرب چوں تک نہ کر سکے۔ حالانکہ بار بار اعلان کیا جاتا تھا کہ قرآن کی سورتوں جیسی دس سورتیں بنا لاؤ، دس نہیں تو ایک ہی سہی، مگر فصاحت، و بلاغت کی اس درجہ شور اشوری اور لن ترانی کے باوجود کسی سے بھی یہ نہ ہو سکا کہ وہ ایک چھوٹی سی چھوٹی سورۃ ہی بنا کر پیش کر دیتا۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾	یہ کیا کہتے ہیں کہ اس نے قرآن از خود بنا لیا ہے۔ کہ دو (اے محمد) اگر تم سچے ہو تو تم بھی ایسی دس سورتیں بنا کر لے آؤ اور خدا کے سوا جن کو بلا سکتے ہو بلا بھی لو ﴿۱۳﴾ پ ۱۲ ھود ۵۰۔
اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾	کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس قرآن کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے تو (اے محمد) کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو تم بھی ایسی ایک سورۃ بنا لاؤ اور خدا کے سوا جس کو تم بلا سکو بلا بھی لو ﴿۳۸﴾ پ ۱۱ یونس ۶ ۴۔
وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾	اگر تم کو اس کتاب میں جو ہم نے اپنے بندے (محمد) پر نازل کی ہے کچھ شک ہو تو اگر تم سچے ہو تو اسی طرح کی ایک سورۃ بنا لاؤ اور خدا کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں ان کو بھی بلا لو ﴿۲۳﴾ پ ۱ بقرہ ۸۷۔
قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ	کہہ دو (اے محمد) کہ اگر انسان اور جن اس بات پر جمع ہو جائیں

عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾
کہ اس قرآن جیسا بنالائیں تو اس جیسا نہ بنالاسکیںگے اگر چہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی ہوں ﴿۸۸﴾ ع بنی اسرائیل ۸۸

توراۃ کی پانچویں کتاب استثنا کے تینتیسویں باب کی کئی آیتوں سے ثابت ہے کہ حضرت موسیٰؑ امّی نہ تھے یعنے آپ لکھنے پڑھنے سے ناآشنا نہ تھے۔ نویں آیت میں ہے "اور موسیٰ نے اس شریعت کو لکھا" بائیسویں آیت میں ہے "چنانچہ موسیٰ نے اسی دن یہ گیت لکھا" چوبیسویں آیت میں ہے "اور ایسا ہوا کہ جب موسیٰ اس شریعت کی باتوں کو کتاب میں لکھ چکے اور وہ تمام ہوئیں"۔ حضرت موسیٰ جس وقت پیدا ہوئے ہیں اس وقت آپ کی قوم کو پردیس میں اجنبیوں کی غلامی میں زندگی بسر کرتے ہوئے دوسو برس ہوچکے تھے۔ خدا نے اس قوم کو فرعون اور مصریوں کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے اسی قوم کے ایک فرد یعنے حضرت موسیٰ کو نبوت کے لئے منتخب فرمایا۔ اگرچہ حضرت موسیٰ ایک اسرائیلی غلام کے گھر میں پیدا ہوئے تھے مگر ایام طفلی سے جوانی تک آپ کی تعلیم اور تربیت فرعون کے شاہی محل میں ہوئی جہاں آپ نے خودداری، حسنِ معاشرت، انتظام مملکت اور مختلف علوم وفنون سیکھے۔ محلاتی زندگی میں بعض باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کی وجہ سے انسان فضولیات میں پڑکر انسانیت کے حقیقی فرائض کو بھلا دیتا ہے۔ اس کے علاوہ دنیاوی بادشاہوں کے محلات میں روحانی تعلیم وتربیت کے سامان کہاں۔ اس لئے خدا نے ایسے اسباب پیدا کردئے کہ حضرت موسیٰ جو آیندہ چلکر روحانی بادشاہ بننے والے تھے فرعون کے محل سے فرار ہوکر عرب کے صحرا میں روپوش ہوگئے۔ مدین کے قدرتی میدانوں کی آزاد آب وہوا میں اپنے مورثِ اعلیٰ حضرت یعقوبؑ کی سنت کے موافق دس برس تک اپنے خسر حضرت شعیبؑ کی بکریاں چرا کر جب آپ بنی اسرائیل کی گلہ بانی کے قابل ہوگئے تو خدا نے آپ کو مملکتِ نبوت کا تاجدار بنا دیا۔

فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ﴿۴۰﴾ — پھر تم کئی برس مدین کے لوگوں میں رہے
ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴿۴۰﴾ — یہاں تک کہ اے موسیٰ تم (اپنے مقدر کی) حد کو پہونچے ﴿۴۰﴾
وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿۴۱﴾ — اور ہم نے تم کو اپنے (کام کے) لئے تیار کیا ہے ﴿۴۱﴾ ع طٰہٰ ۴۴
وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾
اور جب موسیٰ اپنی جوانی کو پہونچے اور بڑے (توانا) ہوئے ہم نے ان کو حکمت اور علم دیا اور نیکوکاروں کو ہم اسی طرح انعام دیا کرتے ہیں ﴿۱۴﴾ ع قصص ۸۸

حضرت موسیٰؑ کے انتقال (۵۰۵ ابراہیمی) کے بعد حضرت یشوعؑ ان کے جانشین ہوئے۔ ان کے مرنے کے بعد مختلف اشخاص بنی اسرائیل کے قبیلوں کی سرداری کرتے رہے۔ یہ لوگ قاضی کہلاتے تھے۔ آخری قاضی حضرت سموئیلؑ (پیدائش ۸۲۵ ابراہیمی) تھے جن کو قضاۃ کے ساتھ نبوت بھی ملی تھی۔ سموئیل کی پہلی کتاب میں ہے "جب سموئیل

بوڑھے ہوئے تو انھوں نے اپنے بیٹوں کو مقرر کیا کہ اسرائیل کی عدالت کریں ① پر اُن کے بیٹے اُن کی راہ پر نہ چلتے تھے بلکہ اپنے ذاتی فائدے ڈھونڈتے تھے اور رشوت لیتے تھے اور عدالت میں طرفداری کرتے تھے۔ ② تب سب اسرائیلی بزرگ جمع ہو کر سموئیل پاس آئے ۴ اور ان سے کہا کہ آپ بوڑھے ہو گئے اور آپ کے بیٹے آپ کی راہ پر نہیں چلتے۔ اب آپ کسی کو ہمارا بادشاہ مقرر کریں جو ہم پر حکومت کرے جیسا کہ سب قوموں میں دستور ہے ⑤ باب ۸ - حضرت سموئیل نے طالوت یعنے ساؤل کو بادشاہ مقرر کیا۔ جب طالوت کی بادشاہت ناکامیاب ثابت ہوئی تو خدا نے ایک بکریاں چرانے والے کو جو طالوت کے پاس اس کا دل بہلانے اور اس کے سر سے آسیب کا اثر زائل کرنے کے لئے بربط بجانے کی خدمت پر مقرر تھا حکومت اور نبوت کے اعلیٰ منصب کے لئے تیار کیا۔ یہ حضرت داؤد تھے جنھوں نے فلسطیوں کے ایک ایسے طاقتور پہلوان کو مار ڈالا جس کے مقابلے سے تمام اسرائیلی ڈرتے تھے۔ عموماً چرواہے جسیم اور طاقتور ہوا کرتے ہیں اس لئے حضرت داؤد کا یہ بہادرانہ کارنامہ کوئی تعجب کی بات نہیں البتہ یہ امر حیرت انگیز ہے کہ وہ چرواہا جو سوائے بکریاں چرانے کے اور کچھ نہ جانتا ہو ایک تجربہ کار اور ماہر سپہ سالار کی حیثیت سے دنیا کے سامنے آئے زبردست دشمنوں پر غلبہ پائے شاندار حکومت قائم کرے ملک کا نظم و نسق بنائے اور عدل و انصاف سے امن و امان قائم کرے۔ حضرت داؤد کے یہ کارنامے ایسے ہیں جن کی نظیر قدیم تاریخ میں بہت کم پائی جاتی ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَاۗءُ ۞	اللہ نے داؤد کو سلطنت اور حکمت عطا کی اور جو علم اس نے چاہا اُن کو سکھایا ③ ع بقرہ - ۸ -
وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ۞	اور ہم نے ان کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا اور ان کو حکمت دی تھی اور بحث کے فیصلے کا سلیقہ ⑥ ع ص ۳۵ -
وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۞	اور داؤد اور سلیمان جب کھیت کا فیصلہ کر رہے تھے جس میں ایک قوم کی بکریاں جا پڑی تھیں اور ہم ان کا فیصلہ دیکھ رہے تھے ③
فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۞	ہم نے فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا ہم نے دونوں کو فیصلے کا سلیقہ اور علم دے رکھا تھا ⑦ ع انبیاء ۱۰ -

انجیلوں میں حضرت مسیح کی تعلیم و تربیت کا ذکر نہیں ہے البتہ بعض بعض جگہ آپ نے اپنے معلمانہ اقوال [illegible] وغیرہ کا حوالہ دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہودیوں کی مقدس کتابوں کے مضامین سے اچھی طرح واقف تھے [illegible]

علماء جو آپ کے مخالفت پر بالکل تلے ہوئے تھے کہا کرتے تھے کہ اس شخص کو یہ تمام باتیں کہاں سے معلوم ہوئیں، اس نے نہ تو کسی مدرسے میں تعلیم پائی اور نہ کسی فقیہ یا عالم یا کاہن سے کچھ سیکھا۔ حضرت عیسیٰ سے کوئی اسی برس پہلے دینی تعلیم کے بڑے بڑے مدرسے جن کو بیت مدرسہ اور بیت ربّا کہتے تھے قایم ہو چکے تھے، مگر ان میں خاص منتخب طالب علموں کو محدود تعداد میں داخل کیا جاتا تھا۔ ایسا کوئی مدرسہ نہ تو حضرت عیسیٰ کے وطن ناصرۃ میں تھا اور نہ اس کے قریب کسی اور جگہ۔ اگر حضرت عیسیٰ کسی مدرسے میں یا کسی شخص سے تعلیم پائے ہوتے تو یہود ان کے متعلق اس طرح اظہارِ تعجب نہ کرتے جس طرح اوپر مذکور ہوا، بلکہ صاف صاف کہ دیتے کہ آپ نے یہ تمام باتیں فلاں فلاں لوگوں سے سیکھی ہیں۔ اس زمانے میں ہر ایک یہودی ماں اپنے بچوں کو دو چیزیں سکھایا کرتی تھی، ایک تو وہ دعا جس کو شمع کہتے ہیں اور جو حضرت موسیٰ کی کتاب استثنا کے باب ۶ میں درج ہے، دوسری زبور کی ہَلَل نامی پانچ مناجاتیں نمبر (۱۱۴) تک۔ بی بی مریم معمولی ماؤں سے زیادہ تعلیم یافتہ تھیں۔ حضرت زکریا جیسے بزرگ پیغمبر کے آغوشِ تعلیم و تربیت میں آپ کی پرورش ہوئی تھی، اس لئے حضرت عیسیٰؑ کو اپنی بزرگ ماں سے بہت کچھ معلومات حاصل ہوئے ہونگے، مگر درحقیقت وہ تعلیم جس کی بدولت حضرت عیسیٰ یونانی حکمت اور اسرائیلی الٰہیات کے مقابلے میں کامیاب ہوئے تھے معلم حقیقی خدائے تعالےٰ کی دی ہوئی تعلیم تھی۔ قرآن شریف میں حضرت عیسیٰ کے متعلق ارشاد ہے:۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ ⑦	اور خدا عیسیٰ کو کتاب (یعنے لکھنا پڑھنا) اور حکمت اور توراۃ اور انجیل سکھا دیگا ⑦ ع آل عمران ۸۹۔
وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ②	اور (اے عیسیٰ) جب کہ میں نے تم کو لکھنا سکھایا اور حکمت اور توراۃ اور انجیل ② ع مائدہ ۱۱۴۔

تعلیمِ حکمت

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ㉝	خدا جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے، اور جس کو حکمت ملی اس کو بڑی نعمت ملی۔ اور نصیحت تو وہی لوگ پکڑتے ہیں جو کہ صاحبِ عقل ہیں ㉝ ع بقر ۸۷۔
وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ①	اور جب خدا نے نبیوں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور حکمت دوں ① آل عمران ۵۵۔

حضرت ادریسؑ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام تک جاہلیت کا زمانہ تھا۔ عوام الناس علم سے تقریباً بالکل بے بہرہ تھے۔ ان جاہلوں کے آگے عقلی دلائل پیش کئے جاتے تو ان دلائل کو کون سمجھتا۔ انھیں علم الیقین کی ضرورت

نہیں تھی وہ عین الیقین چاہتے تھے۔ اس لئے اس زمانے میں پیغمبروں کو معجزے دئے گئے تھے تاکہ لوگ عین الیقین کے بعد سیدھا راستہ اختیار کریں۔ حضرت موسیٰ کے بعد جب بنی اسرائیل کنعان میں آباد ہو کر شہری زندگی بسر کرنے لگے تو لکھنے پڑھنے اور علم حاصل کرنے کی طرف طبیعتیں خود بخود مائل ہونے لگیں۔ حضرت داؤد کے زمانے تک لکھنے پڑھنے کا اچھا خاصہ رواج ہو گیا تھا۔ اس لئے خدا نے حضرت داؤد کو بادشاہت اور نبوت کے ساتھ حکمت بھی عطا کی اور شاعرانہ طبیعت بھی دی۔ علم ادب کی تاریخ میں نظم کو نثر پر تقدم اور فضیلت حاصل ہے۔ ہر قوم اور ہر علمی زبان کا جو پہلا ادیب ہوا ہے وہ شاعر ہوا ہے۔ اس زمانے میں بھی جب کہ لکھنے پڑھنے کا نام تک نہ تھا شعرا کا کلام برابر کئی کئی صدیوں تک سینہ بسینہ منتقل ہوتا رہتا تھا۔ سب سے زیادہ قدیم شاعر جس کا کلام ہم تک پہونچا ہے وہ یونان کا مشہور شاعر ہومر ہے جو ۱۰۰۰ ابراہیمی میں تھا یعنے حضرت مسیح سے ایک ہزار برس قبل۔ حضرت داؤد ہومر سے بھی ایک صدی پہلے تھے

تاریخانہ سلسلے میں حضرت داؤد پہلے پیغمبر ہیں جن کی نسبت خدا فرماتا ہے :۔

وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ	ہم نے ان کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا اور ان کو حکمت
وَفَصْلَ الْخِطَابِ (۲)	دی تھی اور بحث کے فیصلے کا طریقہ (۲) ع ص ۲۰۔
وَاٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ	اور خدا نے ان کو بادشاہت اور حکمت دی اور جو کچھ
مِمَّا يَشَآءُ ط	چاہا سکھایا (۴) ع بقرہ ۸۔
وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا (۱)	اور ہم نے داؤد کو زبور دی (۱) ع نساء ۹۴۔

پھر تو رفتہ رفتہ دوسرے علوم کے ساتھ ساتھ حکمت نے بھی خوب خوب ترقی کی۔ یونان میں بڑے بڑے نامی گرامی حکیم پیدا ہوئے جنھوں نے نئے نئے عقلی علوم ایجاد کئے۔ سقراط، بقراط، ارسطو، افلاطون، جالینوس، فیثاغورس اور ایسے ہی بیسیوں حکیم تھے جن کی تعلیم و تدریس سے یونان علم و حکمت کا اکھاڑا بن گیا تھا۔ حضرت عیسیٰ بیسویں صدی ابراہیمی کے اختتام پر پیدا ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہر طرف علوم حکمیہ کی حکومت تھی اس لئے خدا نے حضرت عیسیٰ کو توراۃ کی غیبی تعلیم کے ساتھ حکمت میں بھی ید طولیٰ عطا کیا تھا۔ یونان کے حکما کو فلسفہ، طبیعات، ریاضیات، ہیئت وغیرہ جیسے علوم میں جو کمال حاصل تھا وہ اسی پر مغرور نہ تھے بلکہ فن طبابت کے موجد ہونے کی حیثیت سے اپنی طبیبانہ قابلیت پر بھی وہ نازاں تھے۔ مگر حضرت عیسیٰ نے خدا کی دی ہوئی غیبی تعلیم یعنے معجزے کے ذریعہ ان کو اس میدان میں بھی شکست دی حضرت عیسیٰ ایسے ایسے لاعلاج بیماروں کو بالکل چنگا کر دیتے تھے جن کے بارے میں یونان کے حکما کی تمام حکمت اور طبابت عاجز ہو جاتی تھی یہاں تک کہ اگر کسی شخص کا دم بھی نکل جاتا اور آپ کو فوراً اس کی اطلاع دیجاتی تو آپ اسی وقت اس میں دم بھر دیتے تھے غرضکہ اس زمانے میں تبلیغ رسالت کے لئے اسی قسم کے معجزے کی ضرورت تھی کیونکہ ایک طرف تو یونان کی حکمت کا زور و شور تھا اور دوسری طرف بنی اسرائیل کو معجزہ درکار تھا اس لئے کہ وہ معجزوں کے ایسے دلدادہ تھے کہ معجزوں کے بغیر پیغمبر

کے مواعظ سے ان کی تسکین نہیں ہوتی تھی۔

حضرت مسیح علیہ السلام اور پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانی پانچ سو برس کے عرصے میں علوم وفنون کو بہت زیادہ ترقی ہوئی تھی مگر پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت علوم حکمیہ کے وہ تمام چشمے جو کبھی یونان اور مصر کے دل ودماغ کی آبیاری کیا کرتے تھے سرد مہر زمانے کے ناتوں بالکل خشک ہو گئے تھے کیونکہ قضا وقدر کو یہ منظور تھا کہ پیغمبر آخر الزماں کی امت علوم حکمیہ کے ان خشک چشموں کو جو خاص لوگوں کے لئے مخصوص تھے اپنی کوششوں سے دریا بنا کر اس سے تمام بنی نوع انسان کو بلا لحاظ مذہب وملت اور بلا لحاظ امارت وغربت سیراب کرے اس لئے پیغمبر آخر الزماں کی رسالت کی بنیاد حکمت کی مضبوط چٹان پر قائم کی گئی جیسا کہ ارشاد ہے :۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲﴾

خدا نے ان پڑھ لوگوں میں سے ایک اُمّی رسول مبعوث کیا جو اُن کے سامنے اس کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں حالانکہ یہ لوگ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے ﴿۲﴾

ع جمعہ ۱۰۸۔

وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا ﴿۱﴾

(اے محمدؐ) خدا نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور تم کو وہ باتیں سکھائیں جو تم نہیں جانتے تھے اور یہ تم پر اللہ کا بڑا فضل ہے ﴿۱﴾ ع نساء ۴ ۹۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۵﴾

خدا نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انھیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو اُن کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں ورنہ پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے ﴿۵﴾

ع آل عمران ۸۹۔

ذٰلِكَ مِمَّاۤ اَوْحٰۤى اِلَیْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِؕ ﴿۹﴾

(اے محمدؐ) جو حکمت کہ تمھاری طرف وحی کی گئی ہے یہ اسی میں سے ہے ﴿۹﴾ ع بنی اسرائیل ۴ ۷۔

كَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ یَتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِنَا وَ یُزَكِّیْكُمْ وَ یُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ یُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا

جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تمھیں میں سے بھیجا جو تم کو ہماری آیتیں سناتے اور تم کو پاک کرتے اور تم کو کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں اور تم کو وہ باتیں سکھاتے

تَعْلَمُوْنَ۝ | ہیں جو تم نہیں جانتے تھے۝ پ۲ع البقرہ
ادْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۝ | (اے محمد) لوگوں کو حکمت اور اچھی نصیحتوں سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ۝ پ۱۴ع نحل ۶۷۔
وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ۝ | اور (پیغمبر کی بیبیو) تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں پڑھی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو۝ پ۲۲ع احزاب ۹۲۔

عرب کے ملک عربی قوم اور عربی زبان میں قرآن کے اتارے جانے کی مصلحت

تمام عالم کی ہدایت کے لئے خدائے تعالے نے پیغمبر آخرالزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب کے ملک اور عرب کی قوم میں کیوں پیدا کیا، اور تمام بنی نوع انسان کی بھلائی اور نجات کے لئے اپنا آخری کلام عربی زبان میں کیوں اتارا؟ اس کی مصلحت اس وقت سمجھ میں آسکتی ہے جب کہ عرب کے حالات اچھی طرح معلوم ہوجائیں۔

جغرافیہ

عرب کا زیادہ حصہ غیرآباد بیابان ہے۔ پہلے پہلے یہ بیابان "فاران کے بیابان" کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا تھا جیسا کہ عبرانی توراۃ کے اس جملے سے ظاہر ہے "ال مدبر فاران قادیش" (سفرالعدد الاصحاح ب۱۳ ۱۲۶)۔ عبرانی میں لفظ مدبر کے معنے غیرآباد اور ویران جگہ کے ہیں۔ اس عبرانی جملے کا فارسی توراۃ میں اس طرح ترجمہ کیا گیا ہے "در بیابانِ پاران بہ قادیش" (سفراعداد ب۱۳ ۱۲۶)۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں بھی اس کو "وادٍ غیر ذی زرع" یعنے ناقابل زراعت بیابان کہا گیا ہے۔ جب یہ غیرآباد سرزمین کسی قدر آباد ہوگئی اور بنی اسرائیل وہاں آنے جانے لگے تو اس کا نام "عربۃ" مقرر ہوا۔ "عربۃ" بھی عبرانی لفظ ہے اور اس کے معنے بھی بیابان اور ناقابلِ کاشت میدان کے ہیں۔ یہ لفظ بطور نام کے سب سے پہلے حضرت یشوع کی کتاب میں استعمال ہوا ہے۔ اٹھارویں باب میں ہے "اور وہاں سے اس کنارے کو گئے جو عربہ کے مقابل اور اُتر رخ ہے اور عربہ ہی میں جا اترے ۱۸"۔ اس کے بعد اس ملک کے باشندوں کا نام عرب قرار پایا۔ سلاطین کی پہلی کتاب میں ہے "اور عرب کے نواحی کے سارے سلاطین ۱۵ ب۱"۔ عرب کے مغرب میں بحرِ احمر اور جنوب میں بحرِ ہند واقع ہے۔ مشرق میں بحرِ عمان اور خلیج فارس ہیں۔ شمال میں اس کے حدود بابل (عراق) شام اور فلسطین کی سرحد پر ختم ہوتے ہیں۔ ان حدود میں عرب کے تین جانب سمندر

واقع ہونے کی وجہ سے اس کو "جزیرہ نمائے عرب" بھی کہتے ہیں۔ جزیرہ نما کا وسطی حصہ زیادہ تر غیر آباد صحرا ہے شمال کی طرف صحرائے نفود اور جنوب کی طرف صحرائے ربع خالی (احقاف) ہے سوائے نجد اور یمامہ کے جو مذکورہ بالا صحراؤں کے درمیان واقع ہیں باقی تمام آباد ممالک سمندر کے کنارے کنارے ہیں، حجاز، عسیر، نجران بحر احمر کے ساحل پر یمن اور حضر موت بحرِ ہند پر، عمان خلیج عمان کے پاس اور الاحسار (بحرین) خلیج فارس کے ساحل پر واقع ہے۔ الاحسار اور حجاز کے درمیان جو قطعہ ہے اس کے شمالی حصے کو نجد اور جنوبی حصے کو یمامہ کہتے ہیں۔

یونان کے قدیم جغرافیہ نویس حجاز، مصر، شام، صحرائے شام اور نجد کے بیچ میں جو حصہ ہے اس کو "عرب نگستان" اور نجد، صحرائے شام، دریائے فرات اور خلیج فارس کے درمیان جو قطعہ ہے اس کو "عرب ریگستان" کہتے تھے، عرب ریگستان اب عراق عرب کہلاتا ہے۔ شام اور فلسطین کو حدودِ عرب میں شامل کر لینے کی صورت میں عرب کا شمالی حصہ بھی دریا سے متصل ہو جاتا ہے یعنی دریائے فرات اور بحر متوسط اس کے شمالی حدود قرار پاتے ہیں اور وہ بجائے جزیرہ نما کے جزیرۃ العرب بن جاتا ہے۔

جزیرۃ العرب یورپ، ایشیا اور افریقہ کے براعظموں کے بالکل بیچ میں واقع ہے۔ امریکہ کے دریافت ہونے سے پہلے انہی تین براعظموں کا نام دنیا تھا۔

حالات قبل از زمانۂ تاریخ

قدیم دنیا سیلاب نوح میں اس طرح غرق ہو کر رہ گئی کہ گویا کبھی اس کا وجود ہی نہ تھا۔ آثارِ قدیمہ سے جس دنیا کا پتہ معلوم کیا جا کر پرانی تاریخ مرتب کی گئی ہے وہ دنیا سیلاب کے بعد آباد ہوئی تھی۔ قرآن میں ہے :-

وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ   اور (کشتی) جودی (پہاڑ) پر (جا) ٹھیری ④ ع ہود ۵۰۔

توراۃ کی کتاب پیدائش ۸ میں ہے "ساتویں مہینے کی سترھویں تاریخ کو اراراط کے پہاڑوں پر کشتی ٹک گئی ④ اور پانی دسویں مہینے تک گھٹتا جاتا تھا اور دسویں مہینے کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آئیں" ⑤۔ اراراط کے پہاڑ جن میں سے ایک کا نام جودی ہے آرمینیہ کے جنوب میں واقع ہیں۔ انہی پہاڑوں میں سے دو بڑے دریا دجلہ اور فرات بہ نکلے ہیں جو ہند کی گنگا جمنا کی طرح زمین کے ایک بہت بڑے حصے کو سیراب کرتے ہوئے جا کر خلیج فارس میں جا گرتے ہیں۔ حضرت نوح کے تین بیٹے تھے سام، حام، یافث انہی تینوں کی اولاد تمام ملکوں میں پھیل گئی۔ یافث کی اولاد مغرب کی طرف گئی اور ایشیائے کوچک میں آباد ہو گئی۔ یافث کے ایک بیٹے کا نام یونان تھا۔

حام کی چار اولاد تھی کوش، مصر، فوط، کنعان۔ ان کی اولاد کنعان اور مصر میں آباد ہوئی تھی جیسا کہ ان ملکوں کے نام بتا رہے ہیں۔ کوش سے نمرود پیدا ہوا جس نے اپنی حکومت سنعار کی زمین پر قایم کی جس کے مشہور

شہر بابل، ارک، اکاد اور کلنہ تھے (پیدائش ۱۰)۔

سام کے پانچ بیٹے تھے عیلام، اسور، ارفخشد، لود، ارام۔ کتاب پیدائش یوں ہے "اور اس ملک (شنعار) سے اسور نکلا اور نینوہ اور رحبات عیر اور کلح کو۔ اور نینوہ اور کلح کے درمیان رسن کو جو بڑا شہر ہے بنایا" (۱۲) (۱۰) جس سر زمین میں یہ شہر آباد تھے وہ اپنے بانی کے نام سے موسوم ہوکر اسور یا اشوریا اسیریہ بن گئی۔ عیلام بابل کے شمال مشرق میں آباد ہوا اسلئے اس ملک کا نام عیلام قرار پایا۔ ارام نے اس قطعہ زمین کو آباد کیا جو اسور اور سیریہ (شام) کے درمیان واقع ہے۔ یہ ملک ارام کے نام سے مشہور ہوا۔

نسل، زبان اور بعض دوسری امتیازی خصوصیات کے لحاظ سے دنیا کی اقوام کی تین قسمیں قرار دی گئی ہیں:۔ سامی، آریائی، تورانی۔ عرب، عبرانی، ارامی، سریانی، کلدانی، فینیقین وغیرہ سامی اقوام ہیں۔ ایرانی، ہندی اور یوروپ کی تمام قدیم اریانی یا ایرین ہیں۔ ترکی، چینی، منگولی وغیرہ کا شمار تورانیوں میں ہے۔

قدیم تاریخ میں سامی اقوام ہی دنیا کی دوسری قوموں میں پیش پیش نظر آتی ہیں۔ امریکن پروفیسر راجرس اپنی کتاب تاریخ بابلونیہ اور اسیریہ میں لکھتا ہے کہ "سامی اقوام کا پہلا مسکن عرب کا ملک ہے جہاں سے یہ قومیں موجیں مارتی ہوئی کشادہ اور سرسبز زمینوں کی تلاش میں بابل، جزیرہ (فرات اور دجلہ کے درمیانی قطع کو جزیرہ کہتے ہیں) اور کنعان کے مغربی ملک میں آئیں" یہاں انھوں نے بڑی بڑی حکومتیں قایم کیں، تہذیب و تمدن کی بنیاد ڈالی اور بالآخر زمانے کے مہلک ہاتوں نے ان کو بے نام و نشان کردیا۔ اسی وجہ سے ان اقوام کو "اُمم بائدہ" یا "عرب بائدہ" یعنے برباد شدہ قومیں کہتے ہیں۔ کچھ چند قبیلے جو عرب کی سرزمین ہی میں رہ گئے وہ تباہی اور ہلاکت سے بچ گئے۔

قدیم قبائل عرب

عیلام بن سام کے بیٹے کا نام جرہم تھا جس کی اولاد کو جرہم اولی کہا جاتا ہے۔ یہ عرب کا سب سے زیادہ قدیم قبیلہ ہے۔

لود بن سام کے تین بیٹے تھے طسم، عملیق، امیم۔ یہ یہود کی غلطی تھی کہ وہ عرب کے تمام قدیم باشندوں کو عمالیق کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ ہماری اس تمام تفصیل سے صاف صاف معلوم ہوجائیگا کہ عرب کے قدیم باشندے فقط عمالیق ہی نہیں تھے بلکہ سام کے تمام بیٹوں کی اولاد عرب قدیم یا عرب بائدہ تھی۔

ارام بن سام کے چار بیٹے تھے عوض، حول، جثر، مس۔ عوض کا بیٹا عاد تھا۔ بعض کے نزدیک عاد اور عوض دونوں ایک ہی لفظ ہیں۔ عاد کی اولاد عادِ اولی کے نام سے مشہور ہوی۔ عادِ اولی کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔

جثر بن ارام کے دو بیٹے تھے ثمود، جدیس۔ ثمود کی اولاد کو ثمودِ اولی یا عادِ ثانی کہتے ہیں۔ ثمود کا ذکر بھی قرآن

میں آیا ہے۔
ارفخشد بن سام کے بیٹے کا نام شالح تھا جس سے حضرت ہود[4] پیدا ہوئے۔ حضرت ہود کا نام عیبر یا عابر بھی تھا۔
اور عیبر کو دو بیٹے پیدا ہوئے' ایک کا نام فلج کیونکہ اسکے دنوں میں زمین بانٹی گئی اور اس کے بھائی کا نام
یقطان (یا قحطان) تھا[5] پیدائش ۱۰ ب۔
غالباً عبرانی کا لفظ اسی عیبر سے نکلا ہوگا جو حضرت ہو کا دوسرا نام تھا۔ حضرت ھود کے بیٹے فلج کی پانچویں پشت میں
حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔ فلج کے بھائی "یقطان سے الموداد اور سلف اور حضرماوت[8] اور اراخ (یا یارح) اور ہدورام
اور اوزال اور دقلہ اور عوبل اور ابی مائیل[9] اور سبا[10] اور اوفیر اور حویلہ[12] اور یوباب[13] پیدا ہوئے۔ یہ سب بنی یقطان تھے"
(۲۹) پیدائش ب۔ قحطان کے مذکورہ بیٹوں میں سے بعض کے نام سے کئی ملک اور شہر موسوم ہیں مثلاً حضرموت[14] جو
عرب کا جنوبی صوبہ ہے حضرماوت کے نام سے منسوب تھا' الاحسا کے جنوب مشرق میں جو ملک ہے وہ حویلہ کے نام سے مشہور ہوا'
سبا اس مشہور شہر کا نام تھا جس کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے۔
قحطان کے چوتھے بیٹے کا نام یارح تھا جس کے متعلق مورخین مختلف الرائے ہیں۔ بعض مستشرقین یورپ یارح
کو یرب اور جرہم یا جرہم بھی کہتے ہیں۔ بعض مشرقی مورخین جرہم یا جرہم کو قحطان کا دوسرا بیٹا اور یارح کا بھائی بتاتے ہیں اور
بعض دوسرے مورخین نے جہاں جرہم کا ذکر کیا ہے وہاں "جرہم بن عابر" لکھا ہے اور عابر یا عیبر یا ھود قحطان کے باپ تھے
اس لحاظ سے جرہم قحطان کے بیٹے نہیں بلکہ بھائی تھے۔ مختصر یہ کہ یہ جرہم خواہ قحطان کے بھائی ہوں یا بیٹے انہی جرہم کی
اولاد جرہم ثانیہ کے نام سے موسوم ہوئی۔

عاد

اوپر جن سامی قبائل کا اجمالی ذکر کیا گیا ان میں سب سے زیادہ ممتاز قوم عاد تھی۔ قرآن میں قوم عاد کو قوم نوح
کا جانشین بتایا گیا ہے۔

وَاذْكُرُوٓا۟ إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ فِى ٱلْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ	اور (اے قوم عاد) یاد کرو جب اس نے تم کو قوم نوح کے بعد خلیفہ (یعنی جانشین) بنایا اور بناوٹ میں تم کو زیادہ قوی ہیکل کیا ۸ ع اعراف ۳۶۔

اسی قوم کی اصلاح کے لئے حضرت ھود مبعوث ہوئے تھے۔ حضرت نوح کے بعد یہ پہلے پیغمبر ہیں جن کی رسالت
کا قرآن میں مفصل بیان ہوا ہے۔

ثُمَّ أَنشَأْنَا مِنۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا ءَاخَرِينَ ۞	پھر ان کے بعد (یعنی قوم نوح کے بعد) ہم نے دوسرا زمانہ

شروع کیا ⑨

فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ⑪ — اور ان میں ہم نے انھیں میں کا ایک رسول بھیجا ⑪

پ ۱۸ ع مومنون ۲۳۔

عاد تمام مشرقی اور جنوبی عرب میں پھیلے ہوئے تھے، انھوں نے ایک دراز عرصے تک یمن میں جو عرب کا نہایت زرخیز اور شاداب صوبہ ہے بڑی شاندار حکومت کی تھی۔ مضبوط قلعوں اور بڑی بڑی عمارتوں کے کھنڈر آج بھی اس زمانے کی تمدنی ترقی کا پتہ دے رہے ہیں۔ سورۂ فجر (۸۹) میں خدا فرماتا ہے:۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ⑥ — کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے عاد ارم کے ساتھ کیا کیا ⑥

اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ⑦ — جو ستونوں (یعنے عمارتوں) والے تھے ⑦

الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ⑧ — جن کی نظیر شہروں (یعنے دنیا) میں نہیں پیدا کی گئی تھی ⑧

سورۂ شعراء (۲۶) میں حضرت ھودؑ اپنی قوم کو اس طرح مخاطب کرتے ہیں:۔

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ⑫ — کیا تم ہر اونچی جگہ پر یادگاریں بناتے ہو یہ تمھارا کام عبث ہے ⑫

وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ⑬ — اور (بڑی صنعت کی) عمارتیں بناتے ہو گویا تم ہمیشہ رہوگے ⑬

وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ⑩ — اور اس سے ڈرو جس نے تمھاری ان چیزوں سے امداد کی جو تم کو معلوم ہیں ⑩

اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ⑪ — چارپایوں اور بیٹوں سے تمھاری امداد کی ⑪

وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ⑫ — اور باغات اور چشموں سے ⑫ ع

قوم عاد پر ان کی نافرمانی کی وجہ سے جو عذاب اترا تھا اس کا وقوع احقاف کے ریگستان میں ہوا تھا جو یمن کے شمال میں واقع ہے۔

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ ① — عاد کے بھائی (ہود) کو یاد کرو جب انھوں نے احقاف میں اپنی قوم کو ڈرایا ① پ ۲۶ احقاف ۴۶۔

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ⑥ — اور رہے عاد سو وہ بڑے زناٹے کی سخت آندھی سے ہلاک کردیے گئے ⑥

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ — کہ برابر سات رات اور آٹھ دن وہ (ہوا) خدا نے ان پر چلائے رکھی تو تو ان لوگوں کو اس میں اس طرح ڈھئے پڑے دیکھتا

اِعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِیَةٍ ۝ جیسے کھجوروں کے کھوکھلے بوتے ۝ ع حاقہ ۸ ۔

عرب کے باہر بھی عاد نے ایک بڑی مدت تک حکومت کی ہے۔ قدیم مورخ بابل میں عاد کی ڈھائی سو سالہ حکومت کی شہادت دیتے ہیں۔ حضرت مسیح سے دو ہزار برس قبل جب حضرت ابراہیم بابل سے ہجرت کر کے کنعان آئے اور وہاں سے مصر گئے تو اس وقت مصر پر ایک بیرونی قوم کے لوگ حکمراں تھے جن کو ہیک سوس (یعنے چرواہے بادشاہ) کہتے تھے۔ اب یہ بات درجۂ تحقیق کو پہونچ چکی ہے۔ کہ مصر کے یہ حکمراں یعنے ہیک سوس قبیلۂ عاد کے عرب تھے مصر میں ہیک سوس کی حکومت پانچ سو برس تک رہی ہے۔

ثمود

جس طرح خدا نے قومِ عاد کو قومِ نوح کا خلیفہ یعنے جانشین بنایا تھا اسی طرح اس نے قومِ عاد کا جانشین قومِ ثمود کو بنایا۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے:۔

وَاذْکُرُوْا اِذْ جَعَلَکُمْ خُلَفَاءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ ۝ (اے ثمود) یاد کرو کہ عاد کے بعد اللہ نے تمھیں ان کا خلیفہ (یعنے جانشین) بنایا ۝ ع اعراف ۳۶۔

ثمود کا مسکن مغربی اور شمالی عرب تھا جس کو وادی القریٰ کہتے تھے یہ ایک پہاڑی ملک ہے۔ ثمود پہاڑوں میں مکان تراش کر رہتے تھے۔

وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ اور ثمود جنھوں نے وادی (القریٰ) میں پہاڑ (یعنے پہاڑوں میں مکان) تراشے تھے ۝ فجر ۱۰۔

ثمود کا صدر مقام شہر حجر تھا جس کے معنے بھی پتھر کے ہیں۔ حجر اس شاہ راہ پر واقع تھا جو حجاز سے شام کو جاتی ہے۔

وَلَقَدْ کَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ اور حجر کے رہنے والوں نے رسولوں کو جھٹلایا ۝

وَاٰتَیْنٰهُمْ اٰیٰتِنَا فَکَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ۝ اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں تو وہ اُن سے منھ پھیرنے لگے ۝

وَکَانُوْا یَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا اٰمِنِیْنَ ۝ اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے تاکہ امن کے ساتھ رہیں ۝ ع حجر ۵۲۔

وَبَوَّاَکُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا ۝ اور (اے ثمود خدا نے) زمین میں تم کو اس طرح جگہ دی ہے کہ میدانوں میں تم محل بناتے ہو اور پہاڑ تراش کر گھر بناتے ہو ۝ ع اعراف ۳۶۔

اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِیْنَ ﴿۶﴾	کیا تم ان چیزوں میں بے کھٹکے چھوڑ دیئے جاؤ گے؟
فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿۷﴾	(یعنی) باغات اور چشموں میں؟
وَّ زُرُوْعٍ وَّ نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِیْمٌ ﴿۸﴾	اور کھیتوں اور ان کھجوروں کے درختوں میں جن کے خوشے بوجھ کے مارے ٹوٹے پڑتے ہیں ﴿۸﴾
وَ تَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فٰرِهِیْنَ ﴿۹﴾	اور تم خوش خوش پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو ﴿۹﴾

پ ع شعراء ۶ ۴ -

ہندوستان میں اجنٹہ اور ایلورا میں اور بمبئی کے قریب گھارا پوری جزیرے میں قدیم ہندوں نے بڑی صنعت کے ساتھ پہاڑوں میں مندر تراشے تھے۔ مصر اور ایشیائے کوچک میں بھی اسی طرح تراشے ہوئے معبد موجود ہیں مگر عرب کی قوم ثمود کے یہ پہاڑی مکانات ہند، مصر اور ایشیائے کوچک کے مندروں سے بھی زیادہ قدیم معلوم ہوتے ہیں۔

جس طرح عاد کی اصلاح کے لئے حضرت ہودؑ مبعوث ہوئے تھے اسی طرح ثمود کی ہدایت کے لئے حضرت صالحؑ بھیجے گئے۔ ثمود اولیٰ کی چھٹی پشت میں حضرت صالحؑ پیدا ہوئے تھے۔ اور ثمود کے ہم عصر حضرت ہودؑ کی چھٹی پشت میں حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے تھے اس لئے حضرت صالحؑ اور حضرت ابراہیمؑ قریب قریب ہم عصر معلوم ہوتے ہیں۔

اسی شاہ راہ پر جس پر شہر حجر واقع تھا ایک اور مقام بھی تھا جس کو "فج الناقہ" یعنے اونٹنی کا پہاڑی راستہ کہتے تھے۔ حضرت صالح نے قوم ثمود کے لئے جس اونٹنی کو خدا کی آزمائش اور نشانی بنایا تھا ممکن ہے اوسی اونٹنی کی طرف یہ فج الناقہ نامی مقام منسوب ہو۔

جب کبھی کسی قوم پر اس قوم کی نافرمانی کی وجہ سے عذاب آیا ہے تو وہ عذاب اس ملک کی خصوصیت کے مطابق آیا ہے۔ قوم نوح جو پہاڑوں کی گھاٹیوں میں رہتی تھی سیلاب کے عذاب میں غرق ہوگئی۔ قوم عاد احقاف کے ریگستان میں بستی تھی

تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿۲﴾	وہ (یعنے آندھی) اُن لوگوں کو (ایسا) اکھاڑ پھینکتی تھی کہ گویا وہ اکھڑی ہوئی کھجوروں کے بوتے ہیں" ﴿۲﴾

پ ع قمر ۴ ۳ -

قوم ثمود جو پہاڑوں کے مضبوط مضبوط مکانوں میں آباد تھی زلزلہ کے ہاتوں تباہ ہوگئی۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۶﴾	پس ان کو زلزلے نے آپکڑا سو وہ اپنے گھر میں اوندھے پڑے رہگئے ﴿۶﴾ پ ع اعراف ۶ ۳ -

زمانۂ تاریخ — جو کچھ اوپر لکھا گیا وہ تاریخی زمانے سے پہلے کا حال ہے۔ صبح کی دھندلی دھندلی روشنی کی طرح

جب تاریخ کی پہلی جھلک نمودار ہوتی ہے تو ہم کو ایک طرف تو بابل میں ایک نہایت تہذیب یافتہ متمدن حکومت نظر آتی ہے' اور دوسری جانب مصر میں بابل سے بھی بڑھ کر ترقی یافتہ سلطنت دکھائی دیتی ہے۔ اسی تاریخی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ قحطان کے بھائی فلج کی پانچویں پشت میں حضرت ابراہیم دریائے فرات کے ساحل پر شہر اُور میں پیدا ہوتے اور بابل کے بت خانوں میں توحید کی آواز بلند کرتے ہیں۔ مگر ان ظلمت کدوں میں آپ کی آواز نقار خانے میں طوطی کی صدا ثابت ہوتی ہے اور آپ خدا کے فرمان پر شاہ بابل کی مملکت سے جوارم اور شام تک پھیلی ہوئی تھی ہجرت کرتے اور کنعان میں آکر قیام فرماتے ہیں۔

خدا نے حضرت ابراہیم کو ان کے بڑھاپے میں ان کی بیوی ہاجرہ سے جو مصر کی تھیں ایک لڑکا عنایت کیا جس کا نام اسمٰعیلؑ رکھا گیا۔ چند برسوں کے بعد حضرت ابراہیم کے ہاں دوسرا لڑکا ان کی پہلی بیوی سارہ سے جو اُن کے کُف کی تھیں پیدا ہوا اس کا نام اسحٰقؑ تھا۔ دو سوکنوں میں رقابت اور جھگڑے کا پیدا ہونا اور ایک دوسرے کی اولاد کو کوسنا ایک فطرتی بات ہے جس سے سارہ اور ہاجرہ بھی بری نہ تھیں۔ اسی سوکناپے کی بدولت حضرت ابراہیمؑ کو اپنی دوسری بیوی ہاجرہ اور ان کے فرزند اسمٰعیلؑ کو اپنی پہلی بیوی سارہ اور ان کے فرزند اسحٰقؑ سے جدا کرنا پڑا۔ حضرت ابراہیمؑ ہاجرہ اور اسمٰعیل کو لے کر نکلے اور حجاز پہونچ کر ان کو اس مقام پر چھوڑ گئے جہاں بعد میں بکّہ یا مکّہ آباد ہوا۔

عربی روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہ کے پاس پانی کی جو چھاگل چھوڑ گئے تھے اس کا پانی جب ختم ہو گیا تو بی بی ہاجرہ پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ کی پہاڑیوں پر دوڑتی پھریں۔ پھر جب مایوس ہو کر اسمٰعیل کے پاس واپس آئیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ اسمٰعیل کے پاس پانی کا ایک چشمہ جاری ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی ٹھوکر سے پانی زمین سے نکل آیا تھا۔ اسی آبدان کو زمزم کہتے ہیں جو صفا اور مروہ کے درمیانی نشیب میں واقع ہے۔ حج کا ایک ضروری رکن صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا یعنے دوڑنا ہے۔ یہ حضرت ہاجرہ کی سی دوڑ دھوپ کی یادگار ہے۔

یہ مقام ایک عام گزرگاہ تھا۔ بنو جرہم کا ایک قافلہ جو اسی قرب و جوار میں رہتا تھا اس طرف سے گذرا۔ عرب میں ہمیشہ پانی کی بڑی قلت رہتی تھی۔ جہاں کہیں پانی کا چشمہ مل جاتا تو وہاں ایک بڑا سا کنواں کھود لیتے تھے اور اس کے آس پاس ایک بستی آباد ہو جاتی تھی۔ بنو جرہم بھی اس پانی کے چشمے کو دیکھ کر بی بی ہاجرہ کی اجازت سے اسی کے اطراف آباد ہو گئے' اور تھوڑے عرصے میں وہ مقام ایک شہر بن گیا جس کا نام بکّہ یا مکّہ مشہور ہوا۔ بنو جرہم نے اس نعمت عظمیٰ یعنے پانی کے معاوضے میں ہاجرہ اور اسمٰعیل کی خبر گیری کے فرائض اپنے ذمے لئے اور ان کے سردار مضاض نے جو اپنے قبیلے کی بزرگی کی وجہ سے دوسرے قبیلوں پر بھی حکمرانی کرتا تھا اپنی لڑکی حضرت اسمٰعیل کے نکاح میں دی۔

مکہ — مکہ کا قدیم نام بکہ تھا جیسا کہ سورۂ آل عمران (۸۹) ۹ میں ہے :-

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ — لوگوں (کی عبادت) کے لئے جو پہلا گھر ٹھہرایا گیا وہ یہی ہے جو بکہ میں ہے، تمام عالم کے لئے وہ ذریعۂ برکت و ہدایت ہے ⑤

اس چالیسویں صدی ابراہیمی میں دنیا میں جو جو پرانے پرانے شہر[*] موجود ہیں ان میں سوائے یروشلم کے کوئی شہر اتنا قدیم نہیں ہے جتنا کہ مکہ ہے۔ مکہ میں اور ان تمام قدیم سے قدیم شہروں میں جو اب تک موجود ہیں برسوں کا نہیں بلکہ صدیوں کا فاصلہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۂ انعام ۳۵ رکوع ۱۱ میں مکہ کو "ام القریٰ" یعنے بستیوں کی ماں کہا گیا ہے۔ خود یروشلم کے متعلق یہ امر تحقیق طلب ہے کہ آیا سالم نامی شہر جو حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں موجود تھا اور جس کے بادشاہ ملکِ صدق نے جو اپنی قوم کا مذہبی پیشوا بھی تھا حضرت ابراہیمؑ کو دعا اور برکت دی تھی بعد میں چلکر یروشلم کے نام سے مشہور ہوگیا یا سالم کے مٹ جانے کے بعد اس سے بہت دور ہٹ کر یروشلم کا نیا شہر آباد ہوا۔ بیبل میں صرف ایک ہی جگہ کتاب پیدائش (۱۸ ۱۴) میں سالم کا ذکر آیا ہے۔ اور یروشلم کا نام پہلے پہل یشوعؑ (وفات ۵۷۳ ابراہیمی) کی کتاب (ب ۱) میں آیا ہے۔

حضرت داؤدؑ کی کتاب زبور (دسویں صدی براہیمی) کی مناجات (۸۴) میں وادیٔ بکہ" قربان گاہ اور خانۂ خدا کا ذکر آیا ہے۔ اس مناجات میں حضرت داؤد خدا کے اس گھر کی دربانی کو عیش و آرام کے خیموں سے بہتر بتاتے اور اس کی تمنا کرتے ہیں۔ چونکہ حضرت داؤد کے انتقال کے کئی برس بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمانؑ نے یروشلم میں یہودیوں کے لئے پہلا خانۂ خدا تعمیر کیا تھا اس لئے داؤد کی مناجات میں وادیٔ بکہ" قربان گاہ اور خانۂ خدا سے فقط مکہ" کی وادی، مروہ کی قربان گاہ اور خانۂ کعبہ ہی مراد ہوسکتا ہے۔ حضرت داؤد کی پردادی رُوت جن کے نام کی ایک کتاب بیبل میں شامل ہے ملکِ موآب کی رہنے والی تھیں جو حدودِ عرب میں بحر لوط کے جنوب مشرق میں واقع تھا اس لئے عام شہرت کے علاوہ حضرت داؤد اپنے اس خاندانی تعلق کی وجہ سے بھی عرب کے اس قدیم شہر اور اس کے بیت اللہ سے اچھی طرح واقف تھے۔

اسمٰعیل کی قربانی — حضرت اسمٰعیل کی قربانی کا مقام عرب کا بیابان ہی تھا۔ توراۃ کی رو سے حضرت اسحٰقؑ ذبیح ہیں، اور قرآن کی رو سے حضرت اسمٰعیلؑ۔ حضرت ابراہیمؑ کو اسمٰعیل کے ساتھ بوجہ اس کے کہ وہ بڑھاپے میں مایوسی کی حالت میں بار بار دعا مانگنے کے بعد پیدا ہوئے تھے اور اور ان کے پلوٹھے فرزند تھے نہایت درجہ محبت تھی اسی لئے خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو آزمانا چاہا۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنے پیارے بیٹے سے اپنے خواب کا حال بیان کیا تو سعادتمند بیٹا خدا کی مرضی پر قربان ہونے کے لئے فوراً راضی ہوگیا اور اس نے اپنے باپ کو فرمانِ الٰہی کی بجا آوری

---

[*] شہر اور ملک میں جو فرق ہے اس کو ضرور پیش نظر رکھیں۔

کی ہمت بھی دلائی۔ اس کے برعکس توراۃ میں اسحٰق کی قربانی کا جو قصہ بیان ہوا ہے وہ اخلاقی حدود سے بہت کچھ ہٹا ہوا ہے۔ اس میں حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے کو دھوکا دیا اور اس کی مرضی دریافت کئے بغیر اس کے ہاتھ پاؤں باندھکر انھوں نے اوس کو ایندھن پر رکھ دیا۔

یہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ قربانی گاہ کا موقع منیٰ کا مقام تھا جو مکہ سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے جہاں حج کے موقع پر مسلمان اس واقعہ کی یادگار میں قربانی کرتے ہیں، مگر امام مالکؒ نے موطا میں ایک حدیث روایت کی ہے کہ "آنحضرت صلعم نے کوہِ مروہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ (اصل) قربانی گاہ یہ ہے اور مکہ کی تمام پہاڑیاں اور گھاٹیاں قربانی گاہ ہیں" قرآن میں بھی آیا ہے:۔

ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٣٣﴾ پھر قربانی کے جانوروں کی جگہ کعبہ ہے ﴿٣٣﴾ پ۱۷ سورۂ حج ۹۰۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے کسی قدر پہلے حجاج کی کثرت کی وجہ سے کعبہ کے حدود منیٰ تک وسیع کردئے گئے تھے اور قربانی منیٰ میں ہوا کرتی تھی۔ توراۃ میں قربانی کا مقام کوہِ موریا بتایا گیا ہے اور عرب کی روایات کی رو سے یہ مقام کوہِ مروہ ہے!! یہاں ناموں کا ایک ہونا کوئی اتفاقی امر نہیں ہے بلکہ واقعی بات ہے۔

منیٰ سے آگے تقریباً چھے میل کے فاصلے پر ایک مقام مزدلفہ ہے، جہاں شیطان نے حضرت ابراہیم کو بہکاکر ان کو خدا کے حکم کی تعمیل سے باز رکھنے یعنے حضرت اسمٰعیل کی قربانی نہونے دینے کی کوشش کی تو حضرت ابراہیم نے جھنجھلاکر شیطان کو کنکریاں پھینک ماری تھیں۔ حاجی مزدلفہ میں جو کنکریاں پھینکتے ہیں وہ اسی رسم کا اعادہ ہے۔

مزدلفہ سے آگے چھے میل کے فاصلے پر یعنے مکہ سے اٹھارہ میل پر عرفات کا پہاڑ واقع ہے۔ مکہ سے واپس ہوتے ہوئے جب حضرت ابراہیم اس پہاڑ کے پاس پہونچے تو انھوں نے پیچھے مڑکر مکہ پر ایک حسرت بھری نظر ڈالی اور دعا کی:۔

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ﴿٣٧﴾

اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی کچھ اولاد تیرے عزت والے گھر کے پاس اس ناقابلِ زراعت بیابان میں بسائی ہے" اے ہمارے پروردگار تاکہ وہ نماز پڑھیں سو تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کردے اور ان کو (دوسرے ملکوں کی) پیداوار سے روزی دے تاکہ وہ شکر کریں ﴿٣٧﴾ پ۱۳ ابراہیم۔

اسی عرفات کے پہاڑ پر نویں ذی الحجہ کو خطبہ پڑھا جاتا ہے۔

اس زمانے میں سینے پرونے کا رواج نہیں تھا، لوگ ایک بن سلی چادر اپنی کمر سے لپیٹ لیتے اور دوسری کندھوں پر ڈال لیا کرتے تھے بعض لوگ ایک اور تیسری چادر سر پر باندھ لیا کرتے تھے۔ جب حضرت ابراہیم مکہ کی طرف آئے تھے تو ان کے جسم پر بھی گردن سے ٹخنوں تک صرف ایک چادر لپٹی ہوئی تھی۔ مسلمان بھی حج کے لئے احرام باندھتے وقت حضرت ابراہیمؑ کے اسی لباس کا تتبع کرتے ہیں یعنی مقررہ مقام پر پہنچ کر ایک یا دو بن سلی چادریں اپنے جسم سے باندھ لیتے اور سر کھلا رکھتے ہیں۔

خانۂ کعبہ ۔ توراۃ میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیمؑ جہاں کہیں جاتے تھے ایک بن گھڑا پتھر نصب کرکے اس کو قربان گاہ قرار دیتے تھے۔ مگر مکہ میں انھوں نے کوئی بن گھڑا پتھر نصب کرنے کے بجائے اپنے بیٹے اسمعیلؑ کی مدد سے خدائے واحد کی پرستش کے لئے ایک چوکونہ عمارت تعمیر کی جو بیت اللہ یا خانۂ کعبہ کہلاتی ہے۔ یہ عمارت کوہِ صفا اور مروہ کے بالکل قریب واقع ہے۔ دنیا میں یہ پہلا گھر تھا جو حقیقی معبود کی ہی عبادت کے لئے بنایا گیا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کے بعد کئی پیغمبر ہوئے مگر حضرت سلیمانؑ کے زمانے تک کسی پیغمبر نے خدا کی عبادت کے لئے کوئی عمارت نہیں بنوائی۔ حضرت سلیمان نے سنہ ۱۰۱۲ ابراہیمی میں یروشلم میں بیت المقدس کی عمارت تعمیر کروائی تھی مگر حضرت عیسیٰ کی بددعا سے وہ عمارت صفحۂ دنیا سے مٹ گئی ایک خانہ کعبہ ہی ہے جو تقریباً چار ہزار برس سے اب تک برابر سارے دنیا کا مرکز اور قبلہ بنا ہوا ہے۔

اسلام کی بنیاد ۔ خانۂ کعبہ کی تعمیر کی وجہ سے مکہ رفتہ رفتہ اطراف و جوانب کے تمام ممالک میں مشہور ہو گیا اور لوگ دور دور سے اس کی زیارت کو آنے لگے۔ اس وقت کے سب سے زیادہ متمدن ممالک بابل اور مصر میں مقامی اور قومی دیوتاؤں کے لئے عالیشان اور فلک نما عمارتیں بنی ہوئی تھیں مگر ان معبدوں میں فقط مقامی لوگ اور آس پاس کے رہنے والے ہی جایا کرتے تھے کیونکہ خود لوگوں کے گھروں میں دیوتاؤں کی مورتیں رکھی رہتی تھیں اور ہر گھر گویا ایک بت خانہ بنا ہوا تھا اس لئے کسی شخص کو کسی دور دراز مقام کے دیوتا کی پوجا کے لئے جانے کی ضرورت نہ تھی اور وہ اپنے گھر ہی میں رہ کر اپنے دیوتا کی خدمت گذاری کے فرائض ادا کر سکتا تھا۔ ہندوستان میں دور دور سے تیرتھ گاہوں کو جانے کا جو طریقہ مروج ہے غالباً اس کی ابتدا آٹھویں یا نویں صدی عیسوی سے ہوئی ہے۔ بابل اور مصر میں اس قسم کا رواج نہیں تھا۔ خانۂ کعبہ کی چھوٹی سی قدِ آدم چار دیواری میں بظاہر کوئی ایسی بات نہیں تھی جو لوگوں کی کشش کا باعث ہوتی اور نہ اس کے اندر کوئی ایسی متبرک چیز رکھی ہوئی تھی جس کی زیارت کے لئے لوگ کشاں کشاں چلے آتے۔ جس خدا کی پرستش کے لئے یہ گھر بنایا گیا تھا وہ خدا ہر جگہ تھا ہر شخص کے دل میں تھا، اس کی تلاش کے لئے کسی دراز مسافت کے طے کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ (دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار ۔ جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی)۔ پھر کیا وجہ تھی کہ لوگوں نے ابتدا ہی سے خانۂ کعبہ کا حج کرنا شروع کر دیا

تھا۔ بات یہ ہے کہ اس تاریک زمانے میں بھی جب کہ سارے عالم پر بت پرستی کی گھٹائیں چھا رہی تھیں ہر جگہ کچھ لوگ ایسے بھی موجود تھے جن کا وجدان گواہی دیتا تھا کہ خدائے واحد و اعلیٰ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش کرنا بالکل عبث ہے جو نہ کچھ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ ضرر۔ مگر یہ لوگ اپنی قلتِ تعداد کی وجہ سے عام عقیدوں کے خلاف اپنی زبان ہلانے کی جرأت تک نہیں کر سکتے تھے۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے بابل کے عظیم الشان بت کدوں میں جرأت اور استقلال کے ساتھ بت پرستی کی کھلم کھلا مخالفت کی تو ان حقیقت شناس باخدا لوگوں میں بھی کسی قدر ہمت پیدا ہو گئی ہو گی۔ اور پھر جب حضرت ابراہیم کو مجبور ہو کر بابل کے ملک سے ہجرت کرنی پڑی تو ان خداپرست لوگوں کے دل بھی پست ہو گئے ہوں گے۔ اس کے بعد کئی برس تک حضرت ابراہیم شام، کنعان اور مصر میں توحید کی تبلیغ کرتے رہے۔ جب وہ اپنے بڑے فرزند اسمٰعیلؑ کو عرب کی سرزمین میں آباد کرنے کے لئے آئے اور پھر کئی بار ان سے ملنے کے لئے وہ مکہ آتے جاتے رہے تو توحید الٰہی کی تبلیغ کا دائرہ عرب کی سرزمین تک وسیع ہو گیا۔ حضرت ابراہیم نے اب تک کوئی خاص مذہب قائم نہیں کیا تھا۔ انھوں نے عبادت کا بھی کوئی مخصوص طریقہ مقرر نہیں کیا تھا۔ اب انھوں نے مکہ میں خانۂ کعبہ تعمیر کر کے اس کا اعلان کر دیا کہ یہ گھر ایک خدا کے ماننے اور اسی ایک خدا کے سامنے جھکنے والوں کا مرکز اور جائے اجتماع ہے۔ اور یہی خدا کی مرضی تھی جیسا کہ اس نے فرمایا ہے:۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْــٴًـا وَّطَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآىٕفِیْنَ وَالْقَآىٕمِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ①	جب ہم نے ابراہیم کے لئے خانہ (کعبہ) کی جگہ مقرر کر دی (اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک کرو ①
وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ②	اور لوگوں میں حج کی منادی کر دو لوگ تمہارے پاس پیادہ چلے آئیں گے اور دبلے پتلے اونٹوں پر سوار ہو کر جو دور دراز راستوں سے آئی ہوں گی ۲
لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ ③	تاکہ اپنے فوائد کے لئے حاضر ہوں ③ پ۱۷ حج ۹۰۔

اس اعلان کے بعد ہر ملک کے وہ تمام لوگ جو خدا کو واحد مانتے تھے مکہ میں جمع ہو کر حضرت ابراہیم کے بتائے ہوئے طریقے پر خدائے واحد کی عبادت کرنے لگے۔ بت پرستی، ستارہ پرستی، اوہام پرستی اور لامذہبی کے مقابلے میں اب پہلے پہل دینِ الٰہی کی مضبوط بنیاد قائم ہو کر شریعت حقہ کی مستحکم عمارت بن گئی۔ خدا نے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:۔

مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ وَفِي هَٰذَا ⑦

(یہ تمھارا مذہب) تمھارے باپ ابراہیم کی ملت ہے اسی نے پہلے تمھارا نام مسلمین رکھا تھا اور اس (قرآن) میں (بھی تمھارا نام مسلم ہے) ⑦ پ۱۷ حج ۹۰۔

اسلام کے معنے ہیں حکم کی تعمیل کرنا یا فرماں برداری کرنا۔ اس مذہب کا نام اسلام اس لئے قرار پایا کہ جب حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیلؑ نے خدا کے حکم کی تعمیل میں سر تسلیم خم کر کے اپنی کامل فرمانبرداری کا ثبوت دیدیا یعنے حضرت ابراہیمؑ اپنے لخت جگر اسمٰعیلؑ کو خدا کے حکم پر قربان کرنے اور اسمٰعیلؑ خدا کے حکم کے آگے قربان ہونے کے لئے آمادہ ہو گئے تو خدا نے فرمایا:۔

فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ⑲

پھر جب دونوں نے (یعنے باپ بیٹے نے، فرماں برداری کی (یعنے تعمیل حکم پر آمادہ ہو گئے) اور باپ نے بیٹے کو (قربان کرنے کے لئے) ماتھے کے بل لٹا دیا

وَنَادَيْنَاهُ أَن يَا إِبْرَاهِيمُ ⑩ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ۚ ⑪

تو ہم نے پکارا کہا اے ابراہیم تم نے خواب کو خوب سچ کر دکھایا ⑪ پ۲۳ صافات ع۸۔

اس وقت سے حضرت ابراہیم اور ان کی پیروی کرنے والوں کا نام مسلم قرار پایا۔ خداے تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَمَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ④

ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ موحد مسلم تھے اور مشرکوں میں سے نہیں تھے ④ ع آل عمران ۸۔

مذکورہ بالا بیان سے اسلامی عبادت کے پانچ ارکان میں سے ایک عظیم الشان رکن یعنے حج کی اصلیت اور اس کی تاریخ معلوم ہو چکی۔ اوپر دی ہوی قرآن کی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ طواف (حج) قیام رکوع اور سجود (یعنے قیام رکوع اور سجدے والی نمازوں) کے احکام حضرت ابراہیم کو اسی جگہ یعنے مکہ میں عطا کردئے گئے تھے اور اسلام کی بنیاد اس وقت اسی شہر میں قائم ہو چکی تھی حضرت اسمٰعیل کی اولاد اسلام کی اور خانہ کعبہ کی وارث ہوی۔ اس کے برخلاف حضرت اسحٰق کی اولاد میں پانچ صدیوں تک کوئی باقاعدہ شریعت قائم نہیں ہوئی۔ پانچویں صدی ابراہیمی کے بعد حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کے لئے ایک شریعت قائم کی اور اس کے پانچ سو برس کے بعد حضرت سلیمان نے بیت المقدس کی عمارت بنوائی۔

بنو اسمٰعیل۔ حضرت اسمٰعیل کے بارہ بیٹے تھے نبایوت یا نبایوط۔ قیدار۔ ادبائیل۔ مبسام۔ مشماع۔ دوماہ۔ مسا۔ حدد۔ تیما۔ یطور۔ نافیش۔ قیدماہ۔ یہ وہ بارہ رئیس تھے جن کے متعلق خدا نے حضرت ابراہیم کو یہ

بشارت دی تھی" اور اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سنی دیکھ میں اسے برکت دونگا اور اسے برومند کرونگا اور بہت بڑھاؤنگا اور اس سے بارہ رئیس پیدا ہونگے اور میں اوسے بڑی قوم بناؤنگا" (۲۰) (کتاب پیدایش ۱۷) اس بشارت کے موافق حضرت اسمٰعیل کے یہ بارہ بیٹے پھلے پھولے برومند ہوئے اور ہر ایک بیٹے سے ایک بڑی قوم بنی جو حجاز سے نکل کر شام عراق اور یمن تک پھیل گئی۔ بنو اسمٰعیل نے ابتدا میں تجارت کا پیشہ اختیار کیا اور رفتہ رفتہ اس قدر دولت مند ہوگئے کہ اپنے اونٹوں کے گلے میں سونے کے قلادے (پٹے) ڈالنے لگے۔ بنو اسمٰعیل کے یہ بارھوں قبیلے عرب کے تمام دوسرے قبیلوں پر اکثر و بیشتر حکمراں رہے ہیں۔ قدیم یہودی مورخ یوسیفوس جو پہلی صدی عیسوی میں تھا اپنی کتاب انٹی کوئٹیز میں لکھتا ہے "بحر احمر کے ملک سے فرات کی نہر تک اسمٰعیل کے بارہ بیٹوں کے قبضے میں ہے"

بنو قطورہ ۔ حضرت ابراہیم کی ایک اور بیوی تھیں جن کا نام قطورہ تھا۔ کتاب پیدایش میں ہے "اور ابراہیم نے ایک اور جورو کی جس کا نام قطورہ تھا اور اس سے زمران اور یقسان اور مدان اور مدیان اور اسباق اور سوخ پیدا ہوئے اور یقسان سے صبا اور ددان پیدا ہوئے اور ددان کے فرزند اسوری اور لطوسی اور لومی تھے اور مدیان کے فرزند عیفا اور عفر اور حنوک اور ابیداع اور الدعا تھے یہ سب بنی قطورہ تھے" (۱) (۲۵ ب) حضرت ابراہیم نے ان سب کو عرب کے اس حصے میں بسایا جو حدودِ حجاز سے خلیج فارس تک منتہی ہوتا ہے۔ بنو قطورہ میں مدیان شہرت اور ناموری میں اپنے تمام بھائیوں سے زیادہ ممتاز تھے۔ یہ اپنے بھائی اسمٰعیل کے پڑوس میں حجاز کے شمال مغربی جانب بحر احمر کے کنارے آباد ہوئے تھے۔ اس خاندان اور اس حصۂ ملک کا نام "مدین" پڑ گیا۔ حضرت شعیب اسی مدین کے خاندان سے تھے۔ قرآن میں آیا ہے:-

مدین (والوں) کی طرف ان کے بھائی شعیب (کو ہم نے بھیجا) (۱) ۱۱ع اعراف ۳۶-	اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا (۱)

اور توراۃ میں ہے "تب موسیٰ نے مدیانی رعوایل کے بیٹے حوباب (شعیب) کو جو موسیٰ کے سسرے تھے کہا" (۲۹) (گنتی ۱۰ب)

ادوم ۔ حضرت اسحٰق کے دو توام بیٹے تھے ایک یعقوب یا اسرائیل جو بنی اسرائیل کے مورثِ اعلیٰ ہیں اور دوسرے عیسو یا ادوم جو ادومی خاندان اور ادومی حکومت کے بانی تھے۔ عیسو کا مستقل مسکن عرب کا وہ حصہ تھا جو کوہِ سعیر کے قریب واقع ہے۔ جب بنو ادوم نے وہاں اپنی سکونت قایم کرلی تو اس ملک کا نام ادوم یا ادومیا قرار پایا۔

بنی اسرائیل ۔ اب ہم بنی اسرائیل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو حضرت ابراہیم کے دوسرے بیٹے حضرت اسحٰق کی اولاد ہیں۔ حضرت اسحٰق کے دوسرے بیٹے یعقوب یا اسرائیل نے اپنے ماموں لابن ارامی کی دونوں بیٹیوں لیاہ اور راخل سے شادی کی تھی۔ راخل سے حضرت یوسف اور بنیمین پیدا ہوئے اور لیاہ سے چھ بیٹے اور ایک بیٹی۔ راخل کی لونڈی

سے دو لڑکے اور نیاہ کی باندی سے دو لڑکے اس طرح حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ یہ اور ان کی آل و اولاد بنی اسرائیل ہے۔ جب حضرت یوسفؑ شاہ مصر فرعون کے نائب بن گئے تو حضرت یعقوب اپنے تمام بیٹوں، بیٹیوں اور ان کی اولاد کو لیکر جن کی تعداد ستر تھی مصر چلے گئے۔ مصری عبرانیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ کتاب پیدائش (باب ۴۳ : ۳۲) میں ہے کہ مصری عبرانیوں کے ساتھ کھانا کھانا مکروہ سمجھتے تھے۔ مگر حضرت یوسفؑ کی وجہ سے ان کے باپ، بھائی وغیرہ مصر میں آرام سے رہے۔ حضرت یوسفؑ کی وفات کے بعد مصریوں نے بنی اسرائیل یعنی اولادِ یعقوب کو اپنا غلام بنالیا جو دو سو برس تک مصریوں کی غلامی میں مصیبت کی زندگی بسر کرتے رہے۔ ان کو سخت سخت تکلیفیں دی جاتی تھیں۔ وہ ذلیل سے ذلیل کاموں پر لگائے جاتے تھے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ ان کی نسل برباد کرنے کی ظالمانہ کوششیں بھی کی جاتی تھیں، اور یہ سب کچھ حکومت کی طرف سے ہوتا تھا۔ جب حضرت موسیٰؑ ایک مصری کو قتل کر کے بھاگ کر مدین چلے گئے (خروج ب۲ : ۱۲ و ۱۵) اور وہاں رعوایل (یعنے حضرت شعیبؑ) کی بیٹی صفورہ سے شادی کر کے رہنے لگے تو ایک دن عرب کی سرزمین میں حورب کے پہاڑ کے دامن میں ان کو نبوت عطا ہوئی اور حکم ہوا کہ وہ مصر جاکر بنی اسرائیل کو فرعونیوں کی غلامی سے نجات دیں۔ بنی اسرائیل دو سو برس سے غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے، ان کی حالت غلاموں سے بھی بدتر ہو گئی تھی۔ ان کی تمام قومی خصوصیتیں مٹ گئی تھیں۔ انسانیت کے امتیازی اوصاف غیرت، شجاعت، تحمل وغیرہ کا ان میں نام و نشان تک باقی نہیں رہا تھا۔ جب حضرت موسیٰؑ ان کو عرب کے صحرا میں لے آئے تو باوجود اس کے وہ اب بالکل آزاد تھے اور اس کے بھی باوجود کہ ان کی تعداد کثیر تھی یعنے ان میں فقط بیس برس سے زیادہ عمر کے مرد چھیالیس ہزار پانچ سو تھے، ۴۶۵۰۰ مگر پھر بھی وہ چھوٹی سی چھوٹی قوم کے مقابلے سے بھی بد کتے تھے۔ ان کی طبیعتوں میں محتاجی اور غلامی اس قدر سرایت کر گئی تھی کہ اگر کبھی اتفاق سے جنگل میں کھانا، پانی نہیں ملتا تو وہ حضرت موسیٰؑ کو سخت سخت صلواتیں سناتے تھے کہ وہ انھیں مصر سے کیوں نکال لائے، اس آزادی سے مصریوں کی ظالمانہ غلامی بہتر تھی کہ وہاں کھانا تو ملتا تھا۔ حضرت موسیٰ کی خروج کی کتاب بنی اسرائیل کی پست ہمتی کے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ طبیعت میں استقلال تو تھا ہی نہیں، خدا کی اطاعت کا مضبوط سے مضبوط اقرار کر کے پھر جاتے تھے۔ خدا نے کئی جگہ اس کی شکایت کی ہے۔ ایک جگہ ہے "تب خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ کب تک تم میری شریعتوں کا انکار کروگے ۲۸ (خروج ب۱۶)۔ دوسری جگہ ہے "تب خدا نے موسیٰ کو کہا کہ اتر جا کیونکہ تمھارے لوگ جنھیں تم مصر کے ملک سے چھڑا لائے خراب ہو گئے ہیں اور اس راہ سے جو میں نے انھیں بتائی جلد پھر گئے ہیں۔ انھوں نے اپنے لئے ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا اور اسے پوجا اور اس کے لئے قربانی ذبح کر کے کہا کہ اے اسرائیل یہ تمھارا معبود ہے جو تمھیں مصر کے ملک سے چھڑا لایا۔ پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا میں اس قوم کو دیکھتا ہوں کہ ایک گردن کش قوم ہے۔ اب تم مجھ کو چھوڑ دو کہ میرا غضب ان پر بھڑکے اور میں انھیں بھسم کروں (خروج ب۳۲ : ۷)۔

بشارت دی تھی" اور اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سنی دیکھ میں اسے برکت دونگا اور اسے برومند کرونگا اور بہت بڑھاؤنگا اور اس سے بارہ رئیس پیدا ہونگے اور میں اوسے بڑی قوم بناؤنگا" (۲۰) (کتاب پیدائش ۱۷ب) اس بشارت کے موافق حضرت اسمٰعیل کے یہ بارہ بیٹے پھلے پھولے برومند ہوئے اور ہر ایک بیٹے سے ایک بڑی قوم بنی جو حجاز سے نکل کر شام، عراق اور یمن تک پھیل گئی۔ بنو اسمٰعیل نے ابتدا میں تجارت کا پیشہ اختیار کیا اور رفتہ رفتہ اس قدر دولت مند ہوگئے کہ اپنے اونٹوں کے گلے میں سونے کے قلادے (پٹے) ڈالنے لگے۔ بنو اسمٰعیل کے یہ بارھوں قبیلے عرب کے تمام دوسرے قبیلوں پر اکثر و بیشتر حکمراں رہے ہیں۔ قدیم یہودی مورخ یوسیفوس جو پہلی صدی عیسوی میں تھا اپنی کتاب انٹی کوئٹیز میں لکھتا ہے "بحر احمر کے ملک سے فرات کی نہر تک اسمٰعیل کے بارہ بیٹوں کے قبضے میں ہے"۔

بنو قطورہ - حضرت ابراہیم کی ایک اور بیوی تھیں جن کا نام قطورہ تھا۔ کتاب پیدائش میں ہے" اور ابراہیم نے ایک اور جورو کی جس کا نام قطورہ تھا اور اس سے زمران اور یقسان اور مدان اور مدیان اور اسباق اور سوخ پیدا ہوئے، اور یقسان سے صبا اور ددان پیدا ہوئے، اور ددان کے فرزند اسوری اور لطوسی اور لومی تھے اور مدیان کے فرزند عیفا اور عفر اور حنوک اور ابیداع اور الدعا تھے یہ سب بنی قطورہ تھے" (۱) (۲۵ب) حضرت ابراہیم نے ان سب کو عرب کے اس حصے میں بسایا جو حدودِ حجاز سے خلیج فارس تک منتہی ہوتا ہے۔ بنو قطورہ میں مدیان شہرت اور ناموری میں اپنے تمام بھائیوں سے زیادہ ممتاز تھے۔ یہ اپنے بھائی اسمٰعیل کے پڑوس میں حجاز کے شمال مغربی بحر احمر کے کنارے آباد ہوئے تھے۔ اس خاندان اور اس حصۂ ملک کا نام" مدین" پڑ گیا۔ حضرت شعیبؑ اسی مدین کے خاندان سے تھے۔ قرآن میں آیا ہے:۔

اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ۚ (۱) — مدین (والوں) کی طرف ان کے بھائی شعیب (کو ہم نے بھیجا) (۱) ۱۱ع اعراف ۲۷۔

اور توراۃ میں ہے" تب موسیٰ نے مدیانی رعوایل کے بیٹے حوباب (شعیب) کو جو موسیٰ کے سسرے تھے کہا" (۲۹) (گنتی ۱۰ب)

ادوم - حضرت اسحٰق کے دو توام بیٹے تھے ایک یعقوب یا اسرائیل جو بنی اسرائیل کے مورثِ اعلیٰ ہیں اور دوسرے عیسو یا ادوم جو ادومی خاندان اور ادومی حکومت کے بانی تھے۔ عیسو کا مستقل مسکن عرب کا وہ حصہ تھا جو کوہ سعیر کے قریب واقع ہے۔ جب بنو ادوم نے وہاں اپنی سکونت قایم کرلی تو اس ملک کا نام ادوم یا ادومیا قرار پایا۔

بنی اسرائیل - اب ہم بنی اسرائیل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو حضرت ابراہیم کے دوسرے بیٹے حضرت اسحٰق کی اولاد ہیں۔ حضرت اسحٰق کے دوسرے بیٹے یعقوبؑ یا اسرائیل نے اپنے ماموں لابن ارامی کی دونوں بیٹیوں لیاہ اور راخل سے شادی کی تھی۔ راخل سے حضرت یوسفؑ اور بنیمین پیدا ہوئے اور لیاہ سے چھے بیٹے اور ایک بیٹی۔ راخل کی لونڈی

سے دو لڑکے اور نیاہ کی باندی سے دو لڑکے اس طرح حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ یہ اور ان کی آل و اولاد بنی اسرائیل ہے۔ جب حضرت یوسفؑ شاہ مصر فرعون کے نائب بن گئے تو حضرت یعقوب اپنے تمام بیٹوں، بیٹیوں اور ان کی اولاد کو لیکر جن کی تعداد ستر تھی مصر چلے گئے۔ مصری عبرانیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ کتاب پیدائش (باب ۴۳ ۳۲) میں ہے کہ مصری عبرانیوں کے ساتھ کھانا کھانا مکروہ سمجھتے تھے۔ مگر حضرت یوسفؑ کی وجہ سے ان کے باپ، بھائی وغیرہ مصر میں آرام سے رہے۔ حضرت یوسفؑ کی وفات کے بعد مصریوں نے بنی اسرائیل یعنے اولادِ یعقوب کو اپنا غلام بنالیا جو دو سو برس تک مصریوں کی غلامی میں مصیبت کی زندگی بسر کرتے رہے۔ ان کو سخت سخت تکلیفیں دی جاتی تھیں۔ وہ ذلیل سے ذلیل کاموں پر لگائے جاتے تھے، اسی پر بس نہیں بلکہ ان کی نسل برباد کرنے کی ظالمانہ کوششیں بھی کی جاتی تھیں، اور یہ سب کچھ حکومت کی طرف سے ہوتا تھا۔ جب حضرت موسیٰؑ ایک مصری کو قتل کرکے بھاگ کر مدین چلے گئے (خروج ب ۲ ۱۲ و ۱۵) اور وہاں رعوایل (یعنے حضرت شعیبؑ) کی بیٹی صفورہ سے شادی کرکے رہنے لگے تو ایک دن عرب کی سرزمین میں حریب کے پہاڑ کے دامن میں ان کو نبوت عطا ہوئی اور حکم ہوا کہ وہ مصر جاکر بنی اسرائیل کو فرعونیوں کی غلامی سے نجات دیں۔ بنی اسرائیل دو سو برس سے غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے، ان کی حالت غلاموں سے بھی بدتر ہوگئی تھی۔ ان کی تمام قومی خصوصیتیں مٹ گئی تھیں۔ انسانیت کے امتیازی اوصاف غیرت، شجاعت، تحمل وغیرہ کا ان میں نام و نشان تک باقی نہیں رہا تھا۔ جب حضرت موسیٰؑ ان کو عرب کے صحرا میں لے آئے تو باوجود اس کے وہ اب بالکل آزاد تھے اور اس کے بھی باوجود کہ ان کی تعداد کثیر تھی یعنے ان میں فقط بیس برس سے زیادہ عمر کے مرد چھیالیس ہزار پانچ سو تھے (۴۶۵۰۰)، مگر پھر بھی وہ چھوٹی سی چھوٹی قوم کے مقابلے سے بھی بدکتے تھے۔ ان کی طبیعتوں میں محتاجی اور غلامی اس قدر سرایت کر گئی تھی کہ اگر کبھی اتفاق سے جنگل میں کھانا، پانی نہیں ملتا تو وہ حضرت موسیٰ کو سخت سخت صلواتیں سناتے تھے کہ وہ انھیں مصر سے کیوں نکال لائے، اس آزادی سے مصریوں کی ظالمانہ غلامی بہتر تھی کہ وہاں کھانا تو ملتا تھا۔ حضرت موسیٰ کی خروج کی کتاب بنی اسرائیل کی پست ہمتی کے واقعات سے جبری ہوی ہے۔ طبیعت میں استقلال تو تھا ہی نہیں، خدا کی اطاعت کا مضبوط سے مضبوط اقرار کرکے پھر جاتے تھے۔ خدا نے کئی جگہ اس کی شکایت کی ہے۔ ایک جگہ ہے "تب خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ کب تک تم میری شریعتوں کا انکار کروگے (۲۸) (خروج ب ۱۶)۔ دوسری جگہ ہے "تب خدا نے موسیٰ کو کہا کہ اتر جا کیونکہ تمھارے لوگ جنھیں تم مصر کے ملک سے چھڑا لائے خراب ہوگئے ہیں اور اس راہ سے جو میں نے انھیں بتائی جلد پھر گئے ہیں انھوں نے اپنے لئے ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا اور اسے پوجا اور اس کے لئے قربانی ذبح کرکے کہا کہ اے اسرائیل یہ تمھارا معبود ہے جو تمھیں مصر کے ملک سے چھڑا لایا۔ پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا میں اس قوم کو دیکھتا ہوں کہ ایک گردن کش قوم ہے اب تم مجھکو چھوڑ دو کہ میرا غضب ان پر بھڑکے اور میں انھیں بھسم کروں (خروج ب ۳۲)۔

ادوم اور موآب کے بیابانوں میں بھٹک بھٹک کر جب بنی اسرائیل اس ملک کے قریب پہنچے جس کے متعلق خدا نے حضرت ابراہیم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ملک ان کی اولاد کو دیا جائیگا تو حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل سے کہا :-

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۳﴾

اے میری قوم! اس مقدس ملک میں جسے خدا نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے داخل ہو اور (دشمن کے مقابلے میں) پیٹھ نہ پھیرو (ورنہ) پھر تم الٹے گھاٹے میں آ جاؤ گے ﴿۲﴾ وہ کہنے لگے کہ اے موسیٰ اس ملک میں تو بڑی زبردست قوم ہے اور جب تک وہ وہاں سے نہ نکل جائیں ہم تو اس ملک میں قدم رکھتے ہی نہیں ہاں اگر وہ لوگ اس میں سے نکل جائیں تو ہم ضرور (جا) داخل ہونگے ﴿۳﴾

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ﴿۷﴾

وہ بولے کہ موسیٰ جب تک اس میں وہ لوگ ہیں ہم تو کبھی اس میں قدم نہیں رکھینگے (اگر لڑنا ہی ہے) تو تم اور تمہارا خدا (دونوں) جاؤ اور لڑو۔ ہم تو یہیں بیٹھے رہینگے ﴿۵﴾ (خدا نے) فرمایا (اچھا) تو وہ ملک چالیس برس تک ان کو نصیب نہ ہوگا زمین پر بھٹکتے بھٹکتے پھرینگے ﴿۷﴾

سورۃ مائدہ ۲۱-۲۶

حضرت موسیٰ کے انتقال (۵۵۰ ابراہیمی) کے بعد ان کے جانشین حضرت یشوع کی سرکردگی میں کنعان فتح ہوا۔ کنعان میں داخل ہو کر بنی اسرائیل اپنی خاص زندگی کا آغاز کرتے ہیں کیونکہ اس سے پہلے دو سو برس تک تو وہ خزانۂ مصر کے غلام رہے اور پھر اس کے بعد چالیس برس تک بیابانوں میں خانہ بدوش پھرتے رہے۔ اب شہری زندگی اور زمینداری نصیب ہوئی اور حکومت وغیرہ کرنے کا موقع ملا۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے کنعان کے مختلف حصوں میں آباد ہو گئے۔ ہر جماعت کا سردار قاضی کہلاتا تھا اور اپنی جماعت کے سیاہ و سفید کا مالک ہوتا تھا۔ ساڑھے تین سو برس تک اسی طرح قاضیوں کی حکومت کا دستور رہا۔ اس کے بعد ایک بادشاہ مقرر ہوا جس کا نام طالوت یا ساؤل تھا۔ طالوت کے بعد ۹۵۲ ابراہیمی میں حضرت داؤد بادشاہ ہوئے۔ آپ نے کنعان کی تمام چھوٹی چھوٹی سرداریوں کو فتح کر کے ایک بڑی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ پھر حضرت سلیمان (تاج پوشی ۹۸۵ ابراہیمی) نے سلطنت کو اور بھی زیادہ شاندار بنا دیا اور خدائے واحد کی پرستش کے لئے بیت المقدس تعمیر کیا جو کعبہ کے بعد دوسرا بیت اللہ ہے۔

حضرت سلیمان کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے رجبعام سے بنی اسرائیل کے دس قبیلے باغی ہو گئے۔ ان باغی قبیلوں نے یربعام کو جو حضرت سلیمان کے عہد میں یروسلم سے فرار ہو کر مصر چلا گیا تھا بلوا کر اپنا حاکم بنا لیا۔ یربعام نے یہودیوں کی حکومت قایم کر کے بت پرستی کو رواج دیا۔ اس کے انتقال کے بعد مصر کے بادشاہ سیسق نے یروسلم پر حملہ کر کے شاہی محل اور خدا کے گھر کو لوٹ لیا۔ اس طرح یروسلم کی تمام دولت مصر چلی گئی۔ اس کے بعد رجبعام کا بھی انتقال ہو گیا۔ غرضکہ حضرت داؤد نے جس شاہنشاہانہ حکومت کی بنیاد قائم کی تھی سو سال کے اندر ماندر ہی اس کا شیرازہ درہم برہم ہو گیا اور ایک زبردست متحدہ سلطنت کے بجائے کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہو گئیں جو ہمیشہ آپس میں لڑتی جھگڑتی رہیں یہاں تک کہ "بخت نصر شاہ بابل نے یروسلم پر چڑھائی کی اور شہر کا محاصرہ کیا۔ [۱۱-۱۰] اور اپنے سنہ جلوس کے آٹھویں برس (سنہ ۱۴۰۱ ابراہیمی) میں اس کو فتح کیا اور یہوداہ کے بادشاہ یہویکین کو اس کے امیروں، سرداروں، خواجہ سراؤں، خواصوں سمیت گرفتار کر لیا (۱۲) اور خدا کے گھر کا اور شاہی محل کا سارا اسباب اور خزانہ جو شاہ سلیمان نے تیار اور فراہم کیا تھا لوٹ لے گیا (۱۳) اور یروسلم کے سب امیروں اور سب جنگی بہادروں کو جو دس ہزار نفر تھے اور سب پیشے والوں اور لہاروں کو قید کر کے بابل لے گیا کہ سوا غربا کے ملک میں کوئی باقی نہ رہا (۱۴) بخت نصر نے اپنے چچا صدقیاہ کو یروسلم کا بادشاہ مقرر کیا (۱۷) صدقیاہ نے بعد میں بغاوت کی (۲۰) ب ۲۴۔ تو بخت نصر نے دوبارہ یروسلم پر چڑھائی کی اور اس کا محاصرہ کیا اور اٹھارہ مہینے کے محاصرہ کے بعد شہر فتح ہوا [۴-۱] اس کے کچھ عرصے کے بعد بخت نصر کا ایک فوجی سردار یروسلم آیا اور اس نے خدا کے گھر کو بادشاہ کے قصر کو اور ہر ایک رئیس کے گھر کو جلا کر خاک کر دیا اور شہر پناہ کو ڈھا دیا [۱۰-۸] اور ان لوگوں کو جو شہر میں باقی رہ گئے تھے گرفتار کر کے بابل لے گیا (۱۲)

کتاب سلاطین (۲) ب ۲۴

جو لوگ قید ہو کر یروسلم سے بابل گئے تھے ان میں حضرت ذوالکفلؑ بھی تھے۔ آپ کی نبوت کا آغاز سنہ ۱۴۰۳ ابراہیمی میں ہوا۔ حضرت ذوالکفلؑ کے بعد حضرت عزیرؑ مبعوث ہوئے۔ آپ کے زمانے (سنہ ۱۴۶۴ ابراہیمی) میں ایران کے بادشاہ خورس نے جب بابل کو فتح کیا تو بنی اسرائیل کو بابلیوں کی غلامی کی قید سے رہائی ملی اور وہ سب جن کی تعداد بیالیس ہزار بیان کی جاتی ہے اپنے وطن یروسلم کو واپس چلے گئے۔ بادشاہ خورس بنی اسرائیل پر بہت مہربان تھا بنی اسرائیل بھی اس کو اپنا سرپرست سمجھتے اور یہ خیال کرتے تھے کہ خدا نے خورس کو تمام ممالک کی بادشاہت اسی غرض سے دی ہے کہ وہ یہودیوں کو بابل کی غلامی سے آزادی دلا کر ان کو ان کی سرزمین یروسلم میں بسائے اور ان کے تباہ شدہ معبد کی تعمیر کرے۔ بادشاہ خورس نے سنہ ۱۴۶۳ ابراہیمی میں بیت اللہ کی تعمیر کا حکم دیا اور یہ عمارت شاہ دارا کے عہد حکومت (سنہ ۱۴۸۴ ابراہیمی) میں تکمیل کو پہنچی۔ حضرت عزیر نے حضرت موسیٰ کی شریعت کو از سر نو زندہ کیا۔ آپ کی ہدایت و کوشش سے بنی اسرائیل بت پرستی کے ظلمات سے نکل کر خدائے واحد کی عبادت کی روشنی میں آ گئے۔ حضرت عزیرؑ

کا ۱۵۴۳ھ ابراہیمی میں انتقال ہوا۔

بنی اسرائیل کے ہم عصر عرب ۔ مذکورہ بیان بنی اسرائیل کے ایک ہزار برس (۵۰۰ھ سے ۱۵۴۳ھ ابراہیمی تک) کی تاریخ کا خلاصہ ہے۔ اس دوران میں عربی قبایل بھی تاریخانہ حیثیت سے گمنام نہیں رہے۔ ان میں اور بنی اسرائیل میں کبھی تو مخاصمانہ اور کبھی دوستانہ تعلقات برابر جاری رہے ہیں۔ اس کی شہادت یہودیوں کی کتابیں قدیم تاریخیں اور آثار قدیمہ والواح منقوشہ دے رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ اپنی قوم بنی اسرائیل کو لے کر جب مصر سے عرب کے بیابانوں میں داخل ہوئے تو جس قوم سے انھیں پہلے پہل سابقہ پڑا وہ مدین کے عرب تھے "اور اونھوں نے مدیانیوں سے لڑائی کی جیسا کہ خداوند نے موسیٰ کو فرمایا تھا اور سارے مردوں کو قتل کیا اور بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں اور اون کے بچوں کو اسیر کیا اور ان کی مویشی اور بھیڑ بکری اور مال واسباب سب کچھ لوٹ لیا اور ان کے سارے شہروں کو جن میں وہ رہتے تھے اور ان کے سب قلعوں کو پھونک دیا" (گنتی ۳۱ب ۷) اس کے بعد بنو مدین ایک مدت تک مدین میں حکومت کرتے رہے مگر اس حکومت میں نہ تو پہلی سی آن بان تھی اور نہ اگلی سی طاقت۔ جب بنو مدین کی اجتماعی بنیادیں بالکل کھوکھلی ہو گئیں تو ادومی جو حضرت اسحٰق کے بیٹے ادوم کی اولاد تھے مدین پر قابض ہو گئے اور بنو مدین کا خاتمہ ہو گیا۔ حضرت ایوب پیغمبر وفات ۱۴۸۰ھ ابراہیمی) اسی ادومی خاندان سے تھے۔ حضرت داؤد نے ادوم کو فتح کر لیا تو بادشاہِ وقت کا کم سن لڑکا ہدد کئی ادومیوں کے ساتھ بھاگ کر مدین آیا پھر مدین سے فاران گیا۔ یہاں کچھ اور لوگوں نے بھی اس کا ساتھ دیا اور یہ سب کے سب مصر گئے اور حضرت داؤد کی وفات تک مصر ہی میں رہے۔ جب حضرت داؤد کا انتقال ہو گیا تو ہدد فرعون کی مدد سے پھر ادوم پر قابض ہو گیا۔ اس کے بعد شاہ یہوداہ امصیاہ کے حملے تک بنو ادوم کبھی تو خود مختار حکمراں کی طرح اور کبھی یہوداہ کی باجگذار ریاست کی طرح ادوم پر حکمراں نظر آتے ہیں۔ امصیاہ نے ادوم پر چڑھائی کر کے وادیٔ شور میں ادومیوں کو ایسی فاش شکست دی کہ پھر وہ سنبھل نہ سکے دس ہزار آدمی مارے گئے اور دس ہزار گرفتار کئے جا کر پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گرا دئے گئے اُن کے پائے تخت سلع پر قبضہ کر لیا گیا اور اس کا نام یقتیل رکھا گیا یہ تمام حالات سلاطین اور تواریخ کی پہلی اور دوسری کتابوں کے متفرق ابواب میں مذکور ہیں۔ اس کے بعد شاہِ بابل بنوکد نصر (بخت نصر) نے یہوداہ کے ملک پر چڑھائی کر کے اس کے بہت سارے مقبوضات چھین لئے جن میں ادوم بھی تھا جب مادہ یعنے میدیا والوں کے ہاتوں بابل والے تباہ ہو گئے تو حضرت اسمٰعیل کے بیٹے بنایوط کی اولاد ادوم اور مدین وغیرہ پر قابض ہو گئی اور بنو ادوم کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

جس وقت حضرت سلیمان فلسطین اور شام پر بڑے تزک واحتشام کے ساتھ شہنشاہانہ حکومت کر رہے تھے اس وقت جنوبی عرب کے شاداب اور زرخیز صوبہ یمن میں سبا کی ایک ملکہ تخت نشین تھی جس کی حکومت شان وشوکت میں حضرت سلیمان کی حکومت سے کسی طرح کم نہ تھی۔ یمن کے اس حکمران قبیلے کا نام سبا تھا جو قحطان کے پوتے عبدالشمس کا لقب تھا۔ سبا کا ملک یمن اور حضرموت کے صوبوں پر مشتمل تھا۔ ایک زمانے میں جب سبا نے بے حد ترقی کی تھی حبشہ کا

ایک ضلع اذینہ بھی اسی مملکت میں داخل تھا۔ سبا کی حکومت ان تجارتی راستوں پر بھی قابض تھی جو یمن اور حجاز سے شام کو جاتے ہیں۔ ان راستوں کے دونو جانب ان کی نو آبادیوں کا ایک دراز سلسلہ تھا۔ قرآن میں ہے :۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتَانِ عَن يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۖ كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ ﴿٦﴾

البتہ سبا (کے لوگوں) کے لئے ان کے گھروں میں (قدرت الٰہی کی) نشانی تھی، دو باغ تھے ایک داہنی جانب اور (ایک) بائیں (جانب) اپنے رب کی روزی کھاؤ اور اس کا شکر کرو۔ تمہارا شہر عمدہ اور (تمہارا) رب بخشنے والا ہے ﴿٦﴾

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ ۖ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ ﴿٩﴾

ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دے رکھی تھی بہت سی بستیاں (آباد کر) رکھی تھیں جو (پاس پاس) دکھائی دیتی تھیں اور ان میں منزلیں مقرر کر دی تھیں کہ ان میں رات دن امن سے چلو پھرو ﴿٩﴾

پ سبا ۲۲ ع ۵

سبا کی مملکت میں بہت سی بڑی بڑی عمارتیں، شاندار محلات اور عالیشان قلعے تھے جن کی نظیر حضرت سلیمانؑ کے پائے تخت یروشلم میں بھی نہ تھی۔

سبا کا دارالحکومت شہر مآرب تھا۔ یہاں بادشاہوں نے بارش کا پانی روکنے کے لئے بڑی صنعت کے ساتھ مضبوط بند بنوائے تھے۔ بارش کے بعد یہ بند بڑے بڑے تالاب بن جاتے تھے جن کا پانی کھیتوں اور باغوں کو سیراب کرتا تھا۔ مآرب کے سب سے بڑے بند کی دیوار کا طول ۱۵۰ فٹ اور عرض ۵۰۰ فیٹ تھا۔ یہی وہ بند ہے جو سدِ مارب کے نام سے مشہور ہے۔ اسی کی وجہ سے بند کے دونوں جوانب سیکڑوں میل تک گویا

جَنَّتَانِ عَن يَمِينٍ وَشِمَالٍ ﴿٦﴾ دو باغ تھے، ایک داہنی جانب اور (ایک) بائیں جانب" ﴿٦﴾

پ سبا ع ۲۲

سبا کی مملکت میں کثرت سے سونے چاندی اور جواہر کی کانیں تھیں، اور اس کے سواحل قیمتی اور نادر موتی اگلتے تھے۔ حضرت داؤد تمنا کرتے تھے کہ "سبا اور سیبا کے بادشاہ (ان کے بیٹے کو) نذریں دینگے ۔۔۔۔۔۔ اور سبا کا سونا اسے دیا جائیگا" ﴿۱۵﴾ زبور ۷۲۔

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سبا کی حکومت اپنی شان و شوکت، دولت و ثروت، حرفت و تجارت، پیداوار و زراعت، تعمیرات و صنائع کی بدولت اس زمانے میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔ حضرت سلیمانؑ پہلے تو

س حکومت کے وجود سے واقف ہی نہ تھے۔ جب ہدہد کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ

اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ ⑨

میں نے ایک عورت کو ان پر (یعنے سبا کے لوگوں پر) بادشاہی کرتے پایا اور ہر طرح کے ساز و سامان اس کو میسر ہیں اور اس کے ہاں بڑا تخت ہے ⑨

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا یَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ⑩

اور میں نے ملکہ اور اس کے لوگوں کو دیکھا کہ خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں ⑩

تو حضرت سلیمان نے اس ملکہ کے پاس خط بھیجا

اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ⑭

کہ مجھ سے سرکشی نہ کرو اور مسلمان (یعنے فرمان بردار) بن کر میرے پاس چلی آؤ ⑭ ع نمل ۲۷-۴

قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیْۤ اَمْرِیْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ①

ملکہ بولی کہ اے سردار و امیرے (اس) معاملے میں مجھے اپنی رائے بیان کرو تاوقتیکہ تم شہادت نہ دو میں کسی امر میں قطعی فیصلہ نہیں کیا کرتی ①

قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِیْدٍ وَّالْاَمْرُ اِلَیْكِ فَانْظُرِیْ مَاذَا تَاْمُرِیْنَ ②

(سرداروں نے) عرض کیا کہ ہم طاقتور اور بڑے لڑنے والے ہیں اور حکم کرنا آپ کا کام ہے تو آپ ہی دیکھ بھال کر حکم دیجئے ②

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ ③

(وہ) بولی بادشاہ جب کسی شہر میں (فاتحانہ) داخل ہوا کرتے ہیں تو اس کو خراب اور وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں اور یہ بھی ایسا ہی کرینگے ③

وَاِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ④

اور میں ان کی طرف تحفے بھیج کر دیکھتی ہوں کہ ایلچی کیا جواب لاتے ہیں ④

فَلَمَّا جَآءَ سُلَیْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَاۤ اٰتٰىنِ َۧ اللّٰهُ خَیْرٌ مِّمَّاۤ اٰتٰىكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِیَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ⑤

پھر جب وہ (ایلچی) سلیمان کے حضور میں حاضر ہوئے تو (سلیمان نے) کہا کیا تم لوگ مال سے میری امداد کرنا چاہتے ہو۔ سو جو کچھ مجکو خدا نے دے رکھا ہے وہ اس سے جو تم کو دے رکھا ہے (کہیں) بہتر ہے سو تم ہی اپنے اس تحفے پر شاداں ہو۔ ⑤

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿٦﴾	تم ان کے پاس لوٹ جاؤ پھر ہم لشکر کے ساتھ وہاں آئینگے اور ان سے لشکر کا مقابلہ نہ ہو سکیگا اور ہم ان کو وہاں سے ذلیل کرکے نکال باہر کرینگے اور وہ بہت رسوا ہونگے ﴿٦﴾

سورۂ نمل ۲۷-

معلوم ہوتا ہے کہ ملکۂ سبا بلقیس نہایت سمجھدار اور صلح پسند ملکہ تھی۔ حضرت سلیمان کے خط کے جواب میں سب امرا اور دوسرے سردار جنگ و جدال کے لئے ہر طرح آمادہ تھے مگر وہ نہیں چاہتی تھی کہ حضرت سلیمان کو اپنے ملک پر حملہ کرنے کا موقع دے۔ "وہ مشکل سوالوں سے اسے (یعنی سلیمانؑ کو) آزمانے آئی اور بہت فوج اور تزک اور احتشام کے ساتھ یروشلم میں داخل ہوئی اس کے ساتھ بہت سے اونٹ تھے جن پر خوشبو کی چیزیں بہت سا سونا اور بیش قیمت جواہر لدے تھے" (سلاطین کی پہلی کتاب ب۱۰ ۔ تواریخ کی دوسری کتاب ب۹ ۱)

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿٧﴾	(سلیمان نے) کہا کہ سردارو! کوئی تم میں ہے جو ملکہ کا تخت میرے پاس لے آئے پیشتر اس کے کہ یہ لوگ مطیع ہو کر میرے پاس آئیں ﴿٧﴾
قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿٨﴾	(اس پر) جنات میں سے ایک بول اٹھا کہ آپ کے اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے میں تخت کو حضور میں لا حاضر کروں اور میں (اس کام کی) طاقت رکھتا ہوں (اور) امانت دار ہوں ﴿٨﴾
قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ﴿٩﴾	ایک شخص نے جس کو کتاب میں علم تھا بولا کہ آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے میں تخت کو آپ پاس لے آؤں۔ تو جب (سلیمانؑ) اس (تخت) کو اپنے پاس موجود دیا یا تو بول اٹھے کہ یہی میرے پروردگار کا فضل ہے "تاکہ مجھکو آزمائے کہ میں اس کا شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں ﴿٩﴾
قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿١٠﴾	(سلیمان نے) حکم دیا کہ ملکہ (کو آزمانے) کے لئے اس تخت کا روپ بدل دو تاکہ ہم دیکھیں کہ وہ کچھ سوجھ بوجھ رکھتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہے جو ہدایت نہیں پاتے ﴿١٠﴾
فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ	پھر جب (وہ) آئی تو اس سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کا تخت

قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ⑪ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ⑫

ایسا ہی ہے۔ وہ بولی یہ تو گویا وہی ہے، اور ہم کو تو پہلے سے علم حاصل ہوچکا تھا اور ہم مسلمان ہوچکے تھے ⑪ اور وہ جو خدا کے سوا پوجتی تھی اس نے اس کو (مسلمان ہونے سے) روک رکھا تھا، تحقیق وہ کافر قوم میں سے تھی ⑫ ع نمل ۲۷۔

بلقیس اگرچہ سبا کے مشہور عالیشان محلوں کی رہنے والی تھی اور یروسلم کے شاہی محلات اس کی آنکھوں میں کوئی وقعت نہیں رکھتے تھے، مگر حضرت سلیمان کے محل کے بلوریں فرش نے اسے ایسا چکمہ دیا کہ وہ اپنی نادیدگی کا اظہار کر بیٹھی اور پھر اصل حقیقت کا علم ہونے کے بعد اس کو اپنی عاجزی کا اقرار کرنا پڑا۔

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ڛ قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑬

اس سے کہا گیا کہ آپ محل میں تشریف لے چلئے۔ اس نے دیکھا تو فرش کو پانی سمجھا اور (اس میں سے گذرنے کے لئے اس طرح پائنچے اٹھائے کہ) اپنی پنڈلیاں کھول دیں۔ (سلیمان نے) کہا کہ تو محل ہے جس میں شیشے بچھے ہیں۔ (ملکہ نے) کہا کہ اے میرے پروردگار میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اور اب سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کے لئے اسلام لائی ⑬ ع نمل ۲۷۔

عالمگیر حکومتیں۔ پندرھویں صدی ابراہیمی یعنے حضرت مسیحؑ سے پانچ سو برس قبل تک دنیا میں ہر جگہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں۔ کوئی طاقتور رئیس دو تین پڑوسی ریاستوں پر قابض ہوجاتا تھا تو بس اسی کا نام شہنشاہیت تھا اور یہی رئیس شہنشاہ کہلاتا تھا۔ کبھی بابل نے اسور، سیریا اور فلسطین لے لیا، تو کبھی اسور نے بابل پر قبضہ کرکے اس کو اپنی سلطنت کا صوبہ بنالیا۔ حضرت سلیمانؑ کی شہنشاہیت بھی شام اور فلسطین کی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں پر مشتمل تھی۔ دارا (تاج پوشی ۱۴۶۲ ابراہیمی) پہلا شہنشاہ تھا جس نے ایک عالمگیر حکومت کی بنیاد ڈالی۔ وہ مادیوں کی نسل سے تھا۔ اس کی بادشاہت اولاً فقط مادہ اور فارس پر مشتمل تھی، لیکن رفتہ رفتہ بقول جوئیش انسیکلوپیڈیا "دارا نے فارس کی حکومت کو بہت وسعت دی اور اس کے حدود آرمینیا، کوہ قاف، وسط ایشیا میں توران اور ہند تک پہونچا دیئے"۔ ہماری تحقیق ہے کہ یہی دارا بن اخسویرس ذوالقرنین تھا جس کا قصہ قرآن میں بیان ہوا ہے۔ دارا کے بعد اس کے جانشین خورس نے حکومت فارس کی مغربی سرحد کو بحر متوسط کے ساحلوں تک وسعت دے دی تھی۔

اس کے دو سو برس کے بعد یونان سے سکندر اعظم (متوفی ۱۶۷۷ھ ابراہیمی) اٹھکر مصر، شام، اسور، بابل، فارس پر قبضہ کرتا ہوا ہندوستان میں داخل ہوتا ہے جو ابتک بیرونی مداخلت سے بالکل آزاد تھا۔ یہودی ایک زمانے سے محکوم بن کر رہنے کے عادی تھے، بابل کی غلامی اور فارس کی محکومی کے بعد انھوں نے یونان کے بادشاہ کا خیر مقدم کیا۔ جب سکندر اعظم نے ۱۶۶۸ھ ابراہیمی میں غازا کا محاصرہ کیا تو یروشلم کے یہودیوں کا ایک وفد اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہود قوم کی طرف سے اظہار اطاعت اور وفاداری کا تحفہ لایا۔ سکندر کے اچھے سلوک اور برتاؤ نے ان یہودیوں کو اس کا ایسا گرویدہ بنایا کہ ان کی بہت بڑی تعداد سکندر کی یونانی فوج میں برضا و رغبت داخل ہوگئی۔ مصر پر سکندر کی جو فوج حملہ آور ہوئی تھی اس میں یہ وفادار یہودی بھی تھے۔ جب سکندر نے اپنی یادگار میں اسکندریہ کا شہر بنوا کر اس کو مصر کا دارالسلطنت قرار دیا تو بنی اسرائیل جوق جوق آ کر اس میں آباد ہوگئے، شہر کا غالب حصہ انہی سے آباد تھا۔

یونان کے بعد روم کی عالمگیر حکومت شروع ہوتی ہے۔ قیصر تراجن کے عہد (۲۰۹۸ھ ابراہیمی م ۹۸ء) میں اس حکومت کا دائرہ اس قدر وسیع ہوگیا تھا کہ یورپ میں اطالیہ کے علاوہ اسپین، فرانس، برطانیہ، وسطی یورپ، تھریس اور یونان اسی حکومت کے صوبے تھے۔ سارا شمالی آفریقہ اور مصر بھی اسی کے ماتحت تھا۔ اس عالمگیر حکومت کی شمالی حد ایشیا میں بحر اسود کے ساحل سے شروع ہو کر کوہ قاف کو قطع کرکے بحر کیاسپین کے ساحل پر ختم ہوتی تھی۔ یہی سرحد بحر کیاسپین سے جنوب کی سمت آکر خلیج فارس اور دریائے فرات کو طے کرکے شام، فلسطین اور جزیرہ نمائے سینا کو رومی حدود میں شامل کرتی ہوئی مصر کے حدود پر ختم ہوتی تھی۔ فقط جزیرہ نمائے عرب اس عالمگیر رومی اقتدار اور تسلط سے بالکل آزاد تھا۔

قسطنطین اعظم (۳۱۲ تا ۳۳۲ عیسوی) نے روم کے بجائے اپنی حکومت کا پایہ تخت تھریس کے اس مقام کو قرار دیا جہاں بعد میں اس نے اپنے نام سے ایک شہر کی بنیاد ڈالی۔ اس کے بعد مشرقی رومی حکومت نے بڑی ترقی کی اور مغربی حکومت پر رفتہ رفتہ زوال آگیا۔ مشرقی حکومت اگرچہ بظاہر رومی حکومت تھی مگر حقیقت میں نظام حکومت کی باگ یونانیوں کے ہاتھ میں تھی۔ آبادی، قومیت اور زبان کے لحاظ سے بھی یونانی عنصر غالب تھا۔

قسطنطین پہلا بادشاہ تھا جس نے عیسائی مذہب کو اختیار کر لیا تھا۔ اس سے پہلے حضرت عیسیٰ کے جو تھوڑے بہت پیرو تھے وہ ادھر ادھر جان چھپائے پھرتے تھے، کہیں تو وہ "اصحاب کہف" ہو کر پہاڑوں میں روپوش تھے، کہیں جنگلوں میں پناہ گزیں اور جو اور بھی بدقسمت تھے وہ رومی حاکموں کے مظالم کا تختہ مشق بنے ہوئے تھے۔ قسطنطین کے عیسائی بن جانے سے حکومت کا مذہب بھی عیسائیت ہوگیا اور مشرقی یورپ نے بہت جلد اصطباغ لے لیا۔ یہاں کا مروجہ مذہب وہ مذہب نہیں تھا جس کی حضرت عیسیٰ نے تبلیغ کی تھی۔ قسطنطین کے وقت تین عیسائی مذہب مروج تھے۔ ایرین یعنے ایریئس کے پیرو، ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت مسیح کا درجہ خدا سے

کہتے "سبیلین" - یہ تین مساوی خداؤں یعنے باپ، بیٹا اور روح القدس کے قائل تھے "تثلیثی" ان کا یہ خیال تھا کہ باپ، بیٹا اور روح القدس جدا جدا نہیں ہیں بلکہ تینوں ایک ہیں۔ ۳۲۵ عیسوی میں قسطنطین نے نسائی شہر میں جو قسطنطنیہ کے قریب واقع تھا کلیسہ کی ایک مجلس منعقد کی جس میں دور دور سے علماء بلائے گئے تھے۔ اس مجلس میں ایرین عقیدے کا بانی ایریئس بھی موجود تھا۔ کئی دنوں تک اس پر بحث ہوتی رہی کہ کونسا عقیدہ بہتر اور قابل قبول ہے۔ بالآخر کثرت رائے سے "تیسرا عقیدہ" یعنے تثلیثی مذہب منظور کیا گیا اور شہنشاہ قسطنطین کے حکم سے ہر طرف اعلان کر دیا گیا کہ سب لوگ یہی مذہب اختیار کریں۔ آج یورپ بلکہ تمام عیسائی دنیا میں یہی تثلیثی مذہب مروج ہے۔

چھیسویں صدی ابراہیمی یعنے چھٹی صدی عیسوی میں روم کی یہ عالمگیر سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی اطالیہ پر ایک وحشی قوم "اسٹروگاتھ" کا قبضہ تھا' فرانس اور اسپین پر ویسیگاتھ نامی وحشی قوم مسلط تھی' شمالی آفریقہ بھی انہی وحشی قوموں کے دست تصرف میں تھا' روم کا تخت خالی پڑا ہوا تھا اور اس کا نام نہاد شہنشاہ مشرقی حکومت کے صدر مقام قسطنطنیہ کے تخت کا برائے نام مالک تھا۔ رومی دولت یونانی اقتدار کے پردے میں بالکل چھپ گئی تھی' دربار کی زبان یونانی تھی اور حکومت کے نظم و نسق کے مالک بھی یونانی سردار ہی تھے۔

ایران جو سکندر اعظم کے حملوں سے بالکل کمزور ہو گیا تھا اب موقع پا کر اس نے اپنی قوت کو جنبش دی اور اس کے ساسانی بادشاہ روم کی مشرقی حکومت کا مقابلہ کرنے لگے۔ بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں جن میں طرفین کے ہزاروں آدمی کام آئے۔ کبھی ایران کی فتح ہوتی تھی اور کبھی روم کی۔ ۶۱۶ عیسوی میں خسرو دوم کی اولوالعزمیوں سے عراق سے لیکر دمشق، یروسلم اور مصر تک اس کے فتوحات کا جولانگاہ بن گیا تھا اور وہ سمندر پار ہو کر پایہ تخت روم پر حملہ کرنے کی دھمکی دینے لگا۔ مگر دس برس کے فتوحات کی بدمستیوں سے دفعتاً ہوا کا رخ بدل گیا اور ۶۲۷ عیسوی میں ایران کو شہر نینوا میں زبردست شکست ہوئی۔ اس شکست نے ایران کی شہنشاہیت کی بساط الٹ دی۔ فاتح رومی بھی اس طول طویل جنگ کے اثرات سے بچ نہ سکے۔ ان کے انجر پنجر بھی ڈھیلے پڑ گئے تھے' قیصر ہرقل نے شام اور ایشیائے کوچک میں پھر از سر نو اپنا سابقہ اقتدار بحال کرنے کی متعدد کوششیں کیں مگر سوائے ناکامی کے کچھ بھی ہاتھ نہ آیا اور نہ پھر کبھی وہاں اس کے اکھڑے ہوئے قدم جم سکے

بت پرستی اور عیسائیت کا مقابلہ - ایران اور روم کا مذکورہ مقابلہ محض دو حکومتوں کا مقابلہ نہ تھا۔ یہ مقابلہ مشرق اور مغرب' بت پرستی اور عیسائیت کا مقابلہ تھا۔ اس سے پہلے بادشاہ اور دیوتا برابری کا درجہ رکھتے تھے۔ ایران اور مصر کے بادشاہوں کی طرح رومن قیصر بھی اپنی رعایا سے اپنی پرستش کرواتے تھے۔ اسی لئے ہیں روم کے بادشاہ ترقی کرتے کرتے ڈیویو سینر یعنے "خدا قیصر" بن گئے تھے' قسطنطین کے عیسائی ہو جانے کے بعد فقط فارس کے حکمران ہی دیوتا بادشاہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ جب شہنشاہ جستینین (۵۲۵ء - ۵۳۲ء) نے اقتدار

کے مدرسے بند کروادیئے تو یونان کے تقریباً تمام بت پرست حکمارنے وہاں سے ہجرت کر کے خسرو کے دربار میں پناہ لی۔ جب شاہِ ایران نے یروشلم پر چڑھائی کی تو وہ بیت المقدس سے وہ صلیب اٹھالے گیا جس کی نسبت عیسائیوں میں یہ روایت تھی کہ حضرت عیسیٰ اسی صلیب پر چڑھائے گئے تھے۔ جب ہرقل کے مقابلے میں خسرو نے شکست فاش کھائی تو پھر یہ صلیب رومیوں کے قبضے میں آگئی۔

فارس نے گیارھویں صدی ابراہیمی میں زردشت کا مذہب اختیار کر لیا تھا۔ سولھویں صدی ابراہیمی میں دارا (ذوالقرنین) نے اس کو حکومت کا مذہب بنا کر چمکا دیا۔ کچھ عرصے کے بعد زردشت کی کتاب ژند پس پشت ڈال دی گئی اور متھراس دیوتا کی جو سورج کا تخیل تھا پرستش ہونے لگی اور زردشت کے مذہب کے بجائے متھراس کا مذہب قائم ہوگیا۔ ۲۱۶ء عیسوی میں حکومت مدیہ کے پرانے دار السلطنت اکبتنا میں مانی پیدا ہوا جس نے عراق کے صدر مقام نیسفون میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ایران کے مذہب کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا تھا۔ مانی نے ایرانی مذہب میں موسوی اور عیسوی مذہب کے بہت سے عقائد اور رسوم کو شامل کر کے اس کو ایک معجون مرکب بنا دیا۔ ایران کے اس مصلح دین نے ترکستان، ہندوستان اور چین کا سفر کر کے وہاں بھی اپنے مذہب کی اشاعت کی۔ عراق واپس آ کر مذہب کی تبلیغ کر رہا تھا کہ بادشاہِ وقت نے ۲۷۶ء عیسوی میں اس کو صلیب پر کھچوا دیا اور اس کے مذہب کا خاتمہ کر دیا۔

غرض کہ فارس اور روم کا مذکورہ مقابلہ بت پرستی اور عیسائیت کا مقابلہ تھا۔ حجاز کے عربوں کو جو فریقین کے ساتھ کوئی قومی ہمدردی نہیں رکھتے تھے اس زبردست مذہبی مقابلے سے گہری دلچسپی تھی۔ ان کو ایرانیوں کی فتح سے خوشی ہوتی تھی اور شکست سے ملال کیونکہ اس وقت یہ خود بھی زیادہ تر بت پرست تھے۔ جزیرہ نمائے عرب میں یمن کے لوگ حبشہ کی اطاعت قبول کر کے عیسائیت کا دم بھرنے لگے تھے مگر اب وہ بھی ایران کے زیر حکومت تھے ہر جگہ بت پرستی کا عام رواج تھا۔ خود خانہ کعبہ اس وقت دنیا بھر کے بتکدوں میں سب سے بڑا بت خانہ بنا ہوا تھا جس کے گرد تین سو ساٹھ ۳۶۰ بت نصب تھے۔

ایرانی اور رومی دونوں اپنی ساری طاقت ایک دوسرے کے مقابلے میں خرچ کر چکے تھے۔ اب ان میں سے کسی میں بھی جہانبانی کی قدرت اور طاقت باقی نہیں رہی تھی۔ اگر ایک حکومت کسی قدر سنبھالا لینے کی بعد جان توڑ کوشش کر کے اپنے دشمن سے اپنی پچھلی شکست کا بدلہ لینے میں کامیاب بھی ہو جاتی تھی تو اس میں اتنی قوت باقی نہیں رہتی تھی کہ وہ اپنی اس کامیابی کو برقرار رکھ سکے۔

ساتویں صدی عیسوی کے یہ حالات اس کے متقاضی تھے کہ ایک اور تیسری طاقت پیدا ہو جو کثرت پرستوں اور تثلیث کے مدعیوں کو ٹھکانے لگا کر حقیقی امن و امان قایم کرے۔ حضرت ابراہیم نے نمرود کو دعوت توحید دی، لیکن بدبخت نے یہ سعادت قبول نہ کی تو حضرت ابراہیم کو اپنے گھر والوں کے ساتھ بابل سے ہجرت کرنی پڑی حضرت

موسیٰؑ نے فرعون اور اس کی قوم کو توحید پرستی کی طرف بلایا اس گروہ نے بھی انکار کر دیا تو حضرت موسیٰ کو اپنی قوم کے ساتھ مصر چھوڑنا پڑا۔ حضرت سلیمانؑ بادشاہ بھی تھے اور پیغمبر بھی۔ آپ نے موسوی مذہب کو مقبولِ عام تو بنا دیا مگر یہ قبولیت فقط بنی اسرائیل میں محدود تھی کسی اور قوم نے اس کو اختیار نہیں کیا۔ حکومت کے زوال کے ساتھ ہی موسوی مذہب بھی زوال آگیا۔ زردشت کے مذہب کو دارا کی سرپرستی نے حکومت کا مذہب بنا کر اس کی بنیادیں مضبوط کر دی تھیں، مگر انقلابِ حکومت نے اس عمارت کو ڈھا دیا۔ ہندوستان میں بدھ مذہب نے اس وقت ترقی کی جب ہندوستان کے پہلے شہنشاہ اسوکہ نے حکومت کے ذریعے اس کی تبلیغ کروائی۔ جب یہ حکومت مٹ گئی اور ہر طرف برہمنوں کا تصرف ہو گیا تو بدھ مذہب کو ہندوستان سے جبراً رخصت ہونا پڑا، اور یہ مذہب یہاں سے اس طرح غائب ہو گیا کہ گویا کبھی یہاں تھا ہی نہیں۔ اگر چین اور جاپان کی حکومتیں اس کو اپنے دامنِ اعتقاد میں پناہ نہ دیتیں تو وہ صفحۂ مذہب سے بالکل محو ہو جاتا۔ یہ شہنشاہ قسطنطین کا بہت بڑا احسان ہے کہ یورپ میں عیسائیت کا بول بالا ہوا ورنہ یہود نے تو ایشیا میں کبھی اس کے قدم جمنے ہی نہیں دئے تھے۔ غرضکہ مذاہب کی یہ بھول بھلیاں اور گمراہیوں کا یہ زور و شور ایک عظیم انقلاب کا خواہاں تھا۔ خدا کی سنتِ دیرینہ بھی اسی کی مقتضی تھی کہ ایک ایسا پیغمبر مبعوث کیا جائے جو بادشاہانِ وقت ہرقل اور خسرو کو توحیدِ الٰہی کی دعوت دے اور نہ ماننے کی صورت میں وہ اور اس کے پیروان گمراہ حکومتوں کی بساط الٹ دیں" یہاں تک کہ فتنہ ناپید ہو جائے اور دین خدا ہی کا ہو"

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ①	(اے پیغمبر) کفار سے کہدو کہ اگر وہ اپنے افعال سے باز آجائیں تو جو ہو چکا وہ انھیں معاف کر دیا جائیگا اور اگر پھر (وہی حرکات) کرنے لگیں تو اگلے لوگوں کا طریق جاری ہو چکا ہے (وہی ان کے حق میں بھی برتا جائیگا) ①
وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ ②	اور ان لوگوں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ (یعنے کفر کا فساد) ناپید ہو جائے اور دین سب خدا ہی کا ہو ②

پع انفال ۸۔

ملکِ عرب اور قومِ عرب کی موزونیت۔ اب سوال یہ ہے کہ اس مقصدِ عظیم کی تکمیل کے لئے ملکِ عرب اور قومِ عرب کے انتخاب میں کیا خصوصیت تھی؟

ہم نے اوپر یہ بیان کر دیا ہے کہ جغرافی حالات کے لحاظ سے عرب کا ملک دنیا کے ٹھیک ٹھیک وسط میں واقع ہوا ہے اور شہرِ مکہ نافِ عالم ہے۔ سیلابِ نوح کے بعد جب نئی دنیا آباد ہوئی تو تمام سامی قوموں کا اجتماعی مرکز جزیرۃ العرب ہی تھا۔ اور اسی سرزمین سے قومیں نکل نکل کر ادھر اُدھر پھیل گئیں۔ پہلے پہل دنیا کا ہی

خطہ تہذیب و تمدن کے آفتاب کا مطلع تھا اور پھر سارے عالم نے اسی سے کسبِ ضیا کر کے وحشیانہ زندگی کی تاریکی سے نجات پائی۔ حضرت نوحؑ کے بعد سب سے پہلے جو پیغمبر پیدا ہوئے وہ حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ تھے ان پیغمبروں کا مسکن اور دائرۂ تبلیغ اسی عرب کے صوبے تھے۔ خدائے واحد کی پرستش کے لئے پہلا بیت اللہ جو تعمیر کیا گیا، جہاں اس کے مقدس معمار حضرت ابراہیم نے توحید کی منادی کی اور جہاں تقریباً چار ہزار برس سے برابر ہر سال خدا کے پرستار لاکھوں کی تعداد میں جمع ہو کر اس مقدس معمار کی منادی کو لبیک کہتے ہیں وہ اسی نافِ زمین یعنی مکہ میں ہے۔

اس وقت جب جزیرۃ العرب کے تمام ممالک بیرونی تسلط میں تھے، شام اور فلسطین پر رومیوں کی حکومت تھی، عراق اور یمن ایرانیوں کے قبضے میں تھے تو فقط حجاز ہی ایک ایسا ملک تھا جو غیروں کے ناپاک پنجہ تسلط سے بالکل آزاد تھا۔ ان تمام حالات و واقعات کے لحاظ سے دنیا کے تمام ممالک میں حجاز سے بڑھکر اور دنیا کے تمام شہروں میں مکہ سے بہتر کوئی اور مقام ایسا نہ تھا جو ظہورِ قدسی کے لئے بالکل موزوں اور مناسب ہوتا۔

عرب کی قوم اگرچہ زیادہ تر بت پرست اور مشرک تھی، مگر وہ لوگ نیم وحشی یا ناتربیت یافتہ نہ تھے۔ خدا نے ان کو وہ سب جوہر عطا کئے تھے جو بہترین انسانوں کا خاصہ ہوا کرتے ہیں۔ ہمت، شجاعت، بردباری، غیرت اور حمیت میں وہ نمبر دست تھے تو وضعداری، خوش خلقی، صادق القولی، خوش معاملگی اور مہمان نوازی میں آپ اپنی نظیر تھے آزادی ان کے ریشے ریشے میں کوٹ کوٹ کر بھری گئی تھی۔ تمام دنیا میں ان کی آزادی ضرب المثل تھی اور تمام قومیں ان کی آزادی کا لوہا مانتی تھیں۔ ساری دنیا ان کی ہمت و شجاعت کی جولانگاہ تھی۔ بابل اور مصر میں انہوں نے ایک دراز عرصے تک حکومت کی تھی اور پھر جب ان ملکوں کے رئیسوں نے دوبارہ طاقت حاصل کر کے ان سے اپنے کھوئے ہوئے تخت واپس لے لئے تو عرب بجائے اس کے کہ وہاں پر محکوم ہو کر رہتے سب کے سب اپنے وطن کو واپس آ گئے۔ ان کے ملک پر کبھی کسی بیرونی بادشاہ نے حکومت نہیں کی۔ یمن نے جو کبھی ایک آدھ بار بہ مجبوری حبشہ یا ایران کی اطاعت قبول کر لی تھی تو یہ فقط چند روزہ اطاعت تھی اور پھر بہت جلد موقع پا کر وہ آزاد ہو گیا۔ غرض عربوں کی ہیبت کی شان ہی کچھ ایسی تھی کہ وہ کسی اجنبی کو اپنے پٹھے پر ہاتھ رکھنے ہی نہیں دیتے تھے۔

بابل، اسور، شام، فلسطین، مصر اور یونان والوں کی آزادانہ ہستی بالکل مٹ چکی تھی، صدیوں کی محکومیت نے ان لوگوں کے حوصلوں کو پست بلکہ پست تر بنا دیا تھا، ایران اور روم کی فوجوں نے تو ان کی رہی سہی آبرو کو اور بھی خاک میں ملا دیا تھا۔ اس وقت آنے والے انقلابِ عظیم میں کامل جرأت، شجاعت اور استقامت کے ساتھ اپنے دل و دماغ اور دست و بازو سے دنیا کی کایا پلٹ دینے کے قابل اگر کوئی قوم تھی تو وہ فقط عربوں کی قوم تھی جس میں ان

عظیم الشان مقصد کی تکمیل کی تمام صلاحیتیں موجود تھیں وہ آزاد تھی، طاقتور تھی، جری تھی اور بالکل تازہ دم تھی، فقط ایک تحریک اور اشتعال کی ضرورت تھی جو اس قوم کے فطری جذبات کو متحرک کر کے مشتعل کر دے ایک رہنما کی احتیاج تھی جو ان کو صحیح راستے پر لگا دے اور اس انقلاب عظیم میں بھٹکنے نہ دے۔

کلامِ الٰہی اور عربی زبان۔ مذہب، علم اور حکمت کی اشاعت کا آلہ زبان ہے۔ اگر کسی زبان میں ان چیزوں کے اظہار و اشاعت کی واقعی صلاحیت نہ ہو تو وہ کبھی علمی زبان بن نہیں سکتی۔ دنیا میں پانچ زبانیں ہیں جو امہات الالسنہ کہلاتی ہیں کیونکہ انہی سے آجکل کی بہت ساری مروجہ زبانیں پیدا ہوئی ہیں۔ آج کوئی نہیں جانتا کہ مصر اور بابل کی اصل پرانی زبانوں کی صورت کیا تھی اور ان کا لب و لہجہ کس قسم کا تھا۔ ایران کی اصلی ساتھ زبانیں بالکل مفقود ہوگئیں، ان ساتوں نے فقط ایک بیٹی چھوڑی تھی جو ژند، پاژند اور اُستا کے کاغذی پیرہن میں اپنی تباہی اور بربادی کا رونا رو رہی ہے، کیونکہ عربی زبان کے اختلاط اور اثر پذیری نے اس کی اس قدر قلب ماہیت کر دی ہے کہ آج وہ بڑی مشکل سے پہچانی جاتی ہے۔

حضرت سلیمانؑ کے زمانے کے بعد عبرانی زبان پر زوال آگیا۔ بابل کی قید میں بنی اسرائیل کی زبان عبرانی سے کالدی ہوگئی۔ حضرت عزیرؑ اور حضرت دانیالؑ کی کتابوں کے کئی حصے کالدی زبان ہی میں لکھے گئے تھے۔ بنی اسرائیل کے بابل سے واپس آنے کے بعد جب یہوداہ پر یونان کا تسلط ہوگیا تو وہاں یونانی زبان نے اپنا عمل دخل کر لیا۔ یہودی اگرچہ آپس میں یونانی کے علاوہ عبرانی زبان بھی بولتے تھے مگر وہ توراۃ کی عبرانی نہیں تھی بلکہ وہ عبرانی تھی جو ارامک زبان کے الفاظ کا ایک مخلوط مجموعہ تھی۔ ۲۸۵ قبل مسیح میں بمقام اسکندریہ یہودیوں کی تمام مقدس کتابیں یونانی زبان میں ترجمہ کر دی گئیں۔ یہ ترجمہ ستر عالموں کی باہمی مدد سے ہوا تھا اس لئے اس کو سپٹواجنٹ یعنی سبعونی کہتے ہیں۔ اسی ترجمے نے اصلی عبرانی کتابوں کی جگہ لے لی، اور اب بھی یہودیوں کے پاس یہی ترجمہ اصلی کتابوں کا قائم مقام ہے۔

حضرت عیسیٰؑ مسیح یہودی النسل تھے۔ آپ کی زبان آرامک تھی اور غالباً اسی زبان میں وعظ بھی فرمایا کرتے تھے۔ آپ عبرانی اور یونانی سے بھی اچھی طرح واقف تھے مگر اس کا پتہ نہیں چل سکتا کہ کس زبان میں آپ پر وحی نازل ہوا کرتی تھی۔ انجیل آپ کے زمانے میں مرتب نہیں ہوئی تھی، آپ کے تیس برس بعد موجودہ چار انجیلیں تصنیف ہوئیں تو وہ بھی غیر قوم کی زبان یعنی یونانی میں، ان کو حضرت عیسیٰؑ کی قومی یا مادری زبان کا لباس نصیب نہیں ہوا۔

ہند کی سنسکرت اور روم کی لاطینی یہ دونوں زبانیں اب فقط پرانی کتابوں ہی میں پائی جاتی ہیں، اب یہ زبانیں نہ بولی جاتی ہیں اور نہ ان میں کوئی کتاب لکھی جاتی ہے۔

گریک یعنی یونانی زبان اگرچہ زندہ ہے مگر اس کے عروج کا زمانہ پیغمبر آخر الزماں صلے اللہ علیہ وسلم سے پانچ سو برس قبل ختم ہو چکا تھا۔ یونان کے علم و حکمت کا وہ تمام ذخیرہ جس پر اسے بے حد ناز تھا اور بجا ناز تھا صدیوں

پٹیسر دفتر پارینہ بن چکا تھا۔ سنسکرت اور لاطن کی طرح کلاسیکل گریک بھی اب فقط مدارس میں صرف دماغی ورزش کے لئے سکھائی جاتی ہے۔ یہ کلاسیکل گریک موجودہ گریک سے بالکل مختلف ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔

ان پانچ امہات الالسنہ میں فقط ایک عربی زبان ہی ایسی زبان تھی جو اس وقت یعنے چھبیسویں صدی ابتک بھی میں محض اپنے بل بوتے پر "لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ" کا ڈنکہ بجا رہی تھی۔ اہل عرب کو جس طرح اپنی شجاعت پر فخر تھا اسی طرح وہ اپنی زبان پر بھی نازاں تھے۔ وہ فصاحت و بلاغت کو فضیلت اور امتیاز کا معیار سمجھتے تھے۔ اور جس شخص میں یہ جوہر نہیں ہوتا تھا اس کو وہ نہایت ہی حقارت کی نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے۔ ان کو اپنی زبان کی فصاحت و بلاغت پر اس قدر ناز تھا کہ وہ دوسروں کو اپنے مقابلے میں "عجم" یعنے گونگے بے زبان سمجھتے تھے۔ عربوں میں قریش کی (جس میں پیغمبر آخرالزماں صلعم پیدا ہوئے تھے) اور قبیلہ بنی سعد کی (جس میں آپ کی پرورش ہوئی تھی) زبان سب سے بہتر تھی۔ فنِ شاعری کو عرب کے ملک میں کمال[2] حاصل ہوا۔ عرب کا بچہ بچہ فصیح البیان شاعر تھا۔ عرب میں ہر سال کئی میلے لگتے تھے جہاں ملک کے گوشے گوشے سے لوگ آ آکر جمع ہوتے اور اپنی فصیح البیانی کے نمونے دکھاتے تھے۔ جس نظم کو قبولیت کا تمغہ عطا کیا جاتا تھا وہ تحدی اور چیلنج کے طور پر خانہ کعبہ کے دروازے پر لٹکا دی جاتی تھی۔ پیغمبر آخرالزماں صلعم کی بعثت کے وقت اس قسم کے سات قصیدے خانہ کعبہ پر لٹکے ہوئے تھے۔ "سبعۂ معلقہ" کی وجہ تسمیہ یہی ہے۔

غرضکہ اس وقت ہر لحاظ سے عربی زبان ہی ایک ایسی زبان تھی جو وحی الٰہی کی عام تبلیغ کا ذریعہ بننے کے لئے ہر طرح موزوں اور قابل تھی۔ عربی زبان اپنی دوسری بہنوں کی طرح مردہ نہیں ہوگئی۔ امہات الالسنہ میں فقط وہی ایک زبان ہے جو صحیح معنوں میں اب تک بالکل بھلی چنگی ہے۔ آج کل کی نئی روشنی میں بھی عربی اسی آب و تاب کے ساتھ ضوفشاں ہے اور شائد انگریزی کے سوائے باقی اور دوسری مروجہ زبانوں کے مقابلے میں عربی بولنے اور پڑھنے والوں ہی کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ اب تک عربی زبان کے ذریعے سے جس قدر علوم و فنون کی اشاعت ہوئی ہے۔ وہ کسی اور زبان کے ذریعے سے نہیں ہوئی۔ یونانی علوم کے مردہ اجسام کو عربی زبان ہی نے زندہ کیا تھا ورنہ آج دنیا ان سے بالکل محروم رہ جاتی۔ اس وقت جو یورپین زبانیں علوم و فنون سے مالا مال دکھائی دے رہی ہیں تو یہ ان کی کل پچھلے دو سو برس کی کمائی ہے۔ ورنہ اس سے پہلے ہر قسم کے علوم و فنون کا مخزن اور معدن فقط عربی زبان ہی تھی

قرآن تمام الہامی کتابوں کا جامع اور محافظ ہے

وہ مذہب جس کی حضرت ابراہیم جیسے مقدس معمار نے بنیاد ڈالی تھی جس پر توراۃ نے قانون اور شریعت

---

[1] "آج کس کی بادشاہت ہے" [2] شاعری دانی کہ می قوم کردند آنکہ بود او اول شاں امرء القیس آخر شاں بوفراس - انوری -

کی عمارت قائم کی تھی جس پر حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ نے سیاست اور عدالت کے نقش و نگار رنگ کے تھے اور جس کو حضرت مسیحؑ نے حکمت کے جوہر سے جلادی تھی اس مذہب، اس قانون، اس سیاست اور اس حکمت میں قرآن نے ابدی روح پھونکدی اور اس کو درجۂ تکمیل کو پہونچا دیا۔ قرآن تمام الہامی مذاہب کی الٰہی کتابوں اور ان کے سچے عقائد کی نہ صرف تصدیق کرتا ہے بلکہ ان کا محافظ بھی ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا ⑤

اور ہم نے تمہاری طرف کتاب حق کے ساتھ اتاری اُن (تمام کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے کی ہیں اور وہ اُن (تمام کتابوں) کی مہیمن (یعنے محافظ) ہے ⑤ ع مائدہ ۱۱۴۔

جو باتیں انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے ڈھائی ہزار برس تک تمام پیغمبروں پر درجہ بدرجہ اترتی رہیں وہ سب کی سب قرآن میں جمع اور محفوظ ہیں۔

آئینہ ما روئے ترا عکس پذیراست رنگے نہ نمایم کہ تو آنرا نہ نمائی

اس لئے قرآن تمام اگلی الہامی کتابوں کا تصدیق کرنے والا اور محافظ ہے۔ قرآن کے نازل ہونے کے بعد پھر کسی کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ کیونکہ قرآن نے انسان کی ہدایت اور رہنمائی کی ان تمام باتوں کو جو اگلی کتابوں میں ناتمام تھیں مکمل بنا کر دنیا کے سامنے ایک ایسا کامل اور آخری ضابطہ اور نظام پیش کردیا ہے جس میں قیامت تک کسی قسم کی کمی یا زیادتی ممکن نہیں یہی وجہ ہے کہ اس مکمل قانون کے آگے تمام اگلے ناتمام قاعدے معطل ہو گئے۔

فضائلِ قرآن

فضیلت کی پہلی اور سب سے بڑی وجہ قرآن کی حکمت ہے۔ قرآن میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے وہ تمام کتابوں سے چاہے وہ الہامی ہوں یا غیر الہامی، افضل ہے۔ فضیلت کی بڑی وجہ یہ ہے کہ قرآن حکمت یعنے عقل و دانش کی باتوں کا مخزن ہے۔ اسلام کی بنیاد ہی علم و حکمت پر رکھی گئی ہے قرآن میں ایک بات بھی ایسی نہیں ہے جو عقل کے خلاف ہو یا جس کے سمجھنے سے عقل انسانی قاصر رہے۔ قرآن حکیم بار بار لوگوں سے کہتا ہے کہ تم غور کرو، فکر کرو اور عقل سے کام لو چنانچہ ارشاد ہے :۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

اس طرح خدا تمہارے لئے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور (فکر) کرو ﴿۲۱﴾ ع بقرہ ۲۷۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝
اس طرح خدا اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو ⑦ ع بقرہ ۲۸۷۔

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝
ہم نے اپنی آیتیں صاف صاف بیان کردی ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو (تو سمجھو) ⑨ ع آل عمران ۸۹۔

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝
(اے محمد) تم (ان لوگوں سے) یہ حالات بیان کرو تاکہ وہ غور وفکر کریں ⑤ ع اعراف ۳۶۔

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝
غور کرنے والے لوگوں کے لئے ہم اسی طرح اپنی آیتوں کی تفصیل کیا کرتے ہیں ④ ع یونس ۹/۴۔

قرآن میں جہاں جہاں خدا نے اپنی قدرت کی نشانیاں بیان کرکے لوگوں کو عبرت دلائی ہے وہاں خدا کا کلام عموماً اس جملے پر ختم ہوا ہے :۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝
غور کرنے والے لوگوں کے لئے اس میں نشانیاں ہیں ④ ع رعد ۰۷ - ② ع اور ④ ع نحل ۶۷، ② ع روم ۸۴، ① ع زمر ۵، ② ع جاثیہ ۶۳۔

بعض بعض جگہ خدا کا اسی قسم کا کلام اس جملے پر ختم ہوا ہے :۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝
اس میں عقل سے کام لینے والے لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں ④ ع رعد ۷۰، ③ ع نحل ۰۶، ② ع نحل ۶۷۔

عام طور پر جہلا یہ کہا کرتے ہیں کہ مذہب کے معاملے میں عقل کو دخل نہیں ہر اس چیز کو جو دین سے متعلق ہو بلاچون وچرا مان لینا چاہئے۔ مگر اس کے برعکس قرآن بار بار اپنے مخاطبوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اس کے بیان پر غور وفکر کریں اور اس کے سمجھنے میں عقل سے کام لیں۔

قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۚ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝
(اے محمد ان لوگوں سے) کہو کہ میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی ہوتی ہے کہو کہ کیا (عقل کا) اندھا اور آنکھ والا (یعنے صاحب بصیرت) برابر ہوسکتے ہیں؟ تو پھر تم کیوں غور نہیں

(سورۃ) پ انعام ۳-۵-

قرآن کی یہ حکمت بھری تعلیم انہی لوگوں کے دلنشین ہوتی تھی جو عقل اور سمجھ رکھتے تھے۔ خدا نے ایسے لوں کی تعریف اس طرح بیان کی ہے :-

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ①	بیشک آسمان اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے آنے جانے میں عقل والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں
الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا ۚ ②	جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے خدا کو یاد کرتے اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے (اور کہتے ہیں) کہ اے ہمارے رب تونے اس کو بیکار نہیں پیدا کیا ②
رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا ③	اے ہمارے رب ہم نے ایک منادی کرنے والے کو سنا کہ لوگوں کو بآواز بلند ایمان کی طرف بلا رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لے آئے ③ پ آل عمران ۹-

قرآن کے نازل کئے جانے کی ایک غرض یہ بھی تھی کہ لوگوں میں اس کے ذریعے سے غور و فکر کا مادہ پیدا ہو جیسا کہ ارشاد ہے :-

وَکَذٰلِکَ اَنْزَلْنٰہُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا وَّصَرَّفْنَا فِیْہِ مِنَ الْوَعِیْدِ لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ اَوْ یُحْدِثُ لَھُمْ ذِکْرًا ④	ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن اتارا ہے اور اس میں طرح طرح پر ڈراوے سنائے ہیں تاکہ لوگ پرہیزگاری اختیار کریں یا اس کے ذریعے سے ان میں غور (کرنے کی عادت) پیدا ہو ④ پ طٰہٰ ۴۴-

تھوڑے ہی دنوں میں قرآن کی تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ ہر ایک گھر میں خدا کی آیتیں اور حکمت کی باتیں بیان کی جانے لگیں اور ہر جگہ اسی کا تذکرہ ہونے لگا۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے :-

وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ وَالْحِکْمَۃِ ⑤	تمھارے گھروں میں جو اللہ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں پڑھی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو ⑤ پ احزاب ۲۲-

خدا نے اپنی آیتوں پر جیسے وہ قرآن کے حکیمانہ جملے ہوں یا اس کی قدرت کی نشانیاں غور و فکر کرنے والوں کو اگر صاحب عقل و بصیرت کہا ہے تو کافروں کی بھی یہ تعریف بیان کی ہے کہ وہ

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ — بہرے ہیں گونگے ہیں، اندھے ہیں اسلئے عقل سے کام نہیں لے سکتے ﴿۴﴾ پ بقرہ ۸۰ -

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ — کچھ شک نہیں خدا کے نزدیک تمام جانداروں میں بدتر وہ بہرے گونگے ہیں جو عقل نہیں رکھتے ﴿۲۲﴾ پ انفال

فضیلت کی دوسری وجہ قرآن کی فصاحت و بلاغت ہے۔ نصیحت کی باتیں خواہ کیسی ہی اچھی اور پُرحکمت کیوں نہ ہوں مگر وہ اس وقت تک مقبول عام نہیں ہوسکتیں جب تک ان میں فصاحت و بلاغت کی ایسی دلچسپ چاشنی نہ ہو جس کی وجہ سے سامعین کے دل خود بخود ان باتوں کی طرف مائل ہو جائیں۔ یہ خوبی قرآن کی آیتوں میں اس غایت درجے کی ہے کہ دنیا کا اچھے سے اچھا فصیح و بلیغ کلام اس کو لگا نہیں کھا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی یہ خوبی اس کے اعجاز کا سبب بن گئی ہے۔ اس کا مفصل بیان اعجاز قرآن کی بحث میں آئیگا۔

فضیلت کے اور وجوہ۔ قرآن کی فضیلت کے اور دوسرے وجوہ حسب ذیل ہیں:-

قرآن حق ہے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ ﴿۱﴾ — یہ کتاب کی آیتیں ہیں اور تمھارے پروردگار کی طرف سے جو تم پر اترا ہے وہ حق ہے ﴿۱﴾ پ رعد ۷۰ -

" **بشارت اور ہدایت ہے۔**

تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۱﴾ — یہ قرآن اور عام فہم کتاب کی آیتیں ہیں[1]

هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ﴿۲﴾ — ایمان والوں کے لئے ہدایت اور بشارت ہے ﴿۲﴾ پ نمل ۴۷ -

" **نصیحت ہے۔**

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۸﴾ — ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کردیا ہے تو کوئی ہے کہ نصیحت حاصل کرے ﴿۱۸﴾ پ قمر ۳۴ -

" **بیان ہے۔**

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۹﴾ — یہ (قرآن) لوگوں کے لئے بیان ہے اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے ﴿۹﴾ پ آل عمران ۹۰

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ — اور ہم نے تم پر یہ کتاب نازل کی ہے (جس میں) ہر

ئٍ وَهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝٨٩

چیز کا بیان ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے ۝٨٩ پ ۱۴ نحل ۶۷-

مت، بصیرت اور شفا ہے۔

دًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝٣

نیکوکاروں کے لئے ہدایت و رحمت ہے ۝٣ پ ۲۱ لقمان ۵۵-

ذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى

رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝٢٠

یہ قرآن لوگوں کے لئے بصیرت ہے اور یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے ۝٢٠ پ ۲۵ جاثیہ ۱۳-

نَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ

رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝٨٢

اور ہم قرآن میں ایسی ایسی باتیں اتارتے ہیں جو ایمان والوں کے لئے علاج اور رحمت ہے ۝٨٢ پ ۱۵ بنی اسرائیل ۹-

ت ہے

هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ ۝٩٢

اور یہ کتاب جس کو ہم نے اتارا ہے برکت والی ہے ۝٩٢ پ ۷ انعام ۳-۵-

ل فیصل ہے۔

نَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝١٣

بیشک یہ قرآن ایک قول فیصل ہے ۝١٣

مَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۝١٤

اور یہ کوئی ہنسی کی بات نہیں ہے ۝١٤ طارق ۳۲-

تمام مذاہب کے اختلاف کو مٹاتا ہے۔

مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا

تُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ

هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝٦٤

اور (اے محمد) ہم نے تم پر (یہ) کتاب اسلئے اتاری ہے کہ جن باتوں میں (یہ لوگ) اختلاف کرتے ہیں وہ ان کو اچھی طرح سمجھا دو- اور (یہ قرآن) ایمان والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے ۝٦٤ پ ۱۴ نحل ۶۷-

نَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِىْٓ

سْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ

يَخْتَلِفُوْنَ ۝٧٦

بیشک یہ قرآن بنی اسرائیل کی اکثر باتوں کو جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں ان پر ظاہر کرتا ہے ۝٧٦

نَّ رَبَّكَ يَقْضِىْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ

هُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝٧٨

(اے محمد) کچھ شک نہیں کہ تمہارا رب اپنے حکم سے ان کے آپس کے جھگڑوں کا فیصلہ فرماتا ہے اور وہ زبردست (اور) جاننے والا ہے ۝٧٨ پ ۲۰ نمل ۷۴-

قرآن اعلانِ عام ہے۔

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ ⑪ — یہ قرآن لوگوں کے لئے اعلانِ عام ہے تاکہ اس کے ذریعے سے لوگوں کو ڈرایا جائے (یعنے خبردار کیا جائے) ⑪ ع ابراہیم ۱۶۔

" **فرقان** (یعنے حق و باطل میں فرق دکھانے والا) ہے۔

نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ ① — خدا نے اپنے بندے (محمد) پر فرقان اُتارا ① ع فرقان ۱۸۔

" **کریم اور مجید** (یعنے بڑی قدرومنزلت اور بزرگی والا) ہے۔

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ⑰ — بیشک یہ قرآن کریم ہے ⑰ سع واقعہ ۵۴۔

وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ① — اس قرآن کی قسم جو مجید ہے ① ع قٓ ۳۲۔

نور ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ② — اللہ کی طرف سے تمھارے پاس نور آچکا اور روشن کتاب ہے۔

يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ⑤ — جس کے ذریعے سے اللہ ان لوگوں کو سلامتی کے رستے دکھاتا ہے جو اس کی رضامندی کے طلب گار ہیں اور اپنے فضل سے ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اور ان کو راہِ راست دکھاتا ہے ⑤ ع مائدہ ۱۱۴۔

" **مبین** (یعنے ہر ایک بات صاف صاف بیان کرنے والا) ہے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ① — یہ قرآن اور کتاب مبین کی آیتیں ہیں ① ع نمل ۲۴۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ① — خدا نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر طرح کی مثالیں پھیر پھیر کر بیان فرمائی ہیں ① ع کہف ۲۲۔

اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ⑰ — بے شک یہ برحق (کلام الٰہی) ہے جس طرح تم کلام کرتے ہو ⑰ ع ذاریات۔

قرآن کامل ہدایت نامہ ہے۔ قرآن انسان کی حقیقی زندگی کے لئے ایک **کامل ہدایت نامہ** اور مکمل **دستور العمل** ہے اس میں کامل **دین** اور **شریعت** ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ — آج ہم نے تمھارے دین کو تم سب لوگوں کے لئے کامل

عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي ③ — کردیا اور ہم نے تم پر اپنی نعمت پوری کردی ③ ع مائدہ ۱۱۴

اس میں **علم و حکمت** ہے اس رب کریم کے طرف سے

الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ④ — جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا ④

عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ⑤ — اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اس کو معلوم نہ تھیں ⑤

علق ۱۔

اس میں ایسی اعلیٰ **اخلاقی تعلیم** ہے کہ جب ام المومنین عایشہ صدیقہؓ سے درخواست کی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بیان کیجئے تو آپ فرماتی ہیں اِنَّ خُلُقَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ الْقُرْاٰنَ یعنے آپ کا خلق ہمہ تن قرآن تھا (ابوداؤد باب الصلوٰۃ فی اللیل) قرآن ہی کی اخلاقی تعلیم کی بدولت عرب کی وحشی اجڈ قوم دنیا کی مہذب ترین قوم بن گئی تھی۔

اس میں **تمدن و معاشرت کی ترقی اور اصلاح** کی تدریجی تاریخ از آدم تا پیغمبر آخرالزماں موجود ہے۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ ① — (اے محمد) اسی طرح ہم گذشتہ واقعات کے حالات تم کو سناتے ہیں ⑩ ع طٰہٰ ۴۴۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ وَجَاءَكَ فِي هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِينَ ⑪ — اور (اے محمد) پیغمبروں کے جتنے قصے ہم تم سے بیان کرتے ہیں ان کے ذریعے سے ہم تمہارے دل کی ڈھارس بندھاتے ہیں۔ اور ان میں (جو) حق بات (ہوتی ہے وہ) تمہارے پاس پہنچتی ہے اور مسلمانوں کے لئے نصیحت اور یاددہانی ہے ⑪ ع ھود ۵۰۔

اس میں **سیاست، حکومت اور عدالت** کے وہ بنیادی اصول ہیں جن پر نظام عالم قایم ہے۔

قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ④ — اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور (ہدایت) اور روشن کتاب آچکی ہے ۔

يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ بِإِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ⑤ — جو لوگ خدا کی رضامندی کے طلب گار رہیں ان کو اللہ قرآن کے ذریعے سے سلامتی کے رستے دکھاتا ہے اور اپنے فضل سے ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اور ان کو راہ راست دکھاتا ہے ⑤ ع مائدہ ۱۱۴

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ — (اے محمد) ہم نے تم پر (جو) کتاب برحق نازل کی ہے تو

بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۝

اس لئے کہ جیسا تم کو خدا نے بتا دیا ہے اس کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کیا کرو اور دغا بازوں کے طرف دار نہ بنو ① پ۵ نساء ر۱۴-۹

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ ⑥

اور (ہم پھر تاکید کرتے ہیں کہ) جو کتاب خدا نے (تم پر) اتاری ہے اس کے مطابق لوگوں میں حکم دو اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو اور ان سے بچتے رہو کہ وہ کسی حکم سے جو اللہ نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تم کو بہکا نہ دیں ⑥

پ۶ مائدہ ر۱۱-۴

فضیلت قرآن کے متعلق حدیث - حارث الاعور کہتے ہیں کہ میں مسجد میں گیا تو لوگوں کو دیکھا کہ وہ باتیں بنا رہے ہیں (یعنے فضول باتوں میں مصروف ہیں)۔ میں حضرت علی کے پاس گیا اور ان سے اس واقعہ کو بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کیا واقعی وہ ایسا کر رہے ہیں میں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا دیکھو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آگاہ ہو جاؤ کہ بہت جلد فتنہ برپا ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس فتنے سے نکلنے کا کیا ذریعہ ہے؟ آپ نے فرمایا قرآن ہے جس میں اگلی اور پچھلی سب خبریں اور تمہارے موجودہ امور کے احکام مندرج ہیں۔ وہ قول فیصل ہے کوئی ہنسی دل لگی نہیں ہے۔ جو شخص تکبر سے اس کو ترک کردیگا خدائے تعالےٰ اس کو (یعنے اس کے تکبر کو) توڑ دیگا جو شخص قرآن کے سوا کسی اور کتاب میں ہدایت کا متلاشی ہوگا اللہ تعالےٰ اس کو گمراہ کردیگا۔ وہ اللہ کی مضبوط رسی (ذریعہ وسیلہ) ہے، وہی ذکر حکیم ہے، وہی سیدھا راستہ ہے اور وہ ایسی چیز ہے کہ اس میں نفسانی خواہشوں کی وجہ سے کوئی کجی نہیں پیدا ہو سکتی۔ اور زبانیں اس کے ساتھ ملتبس نہیں ہو سکتیں اور علماء اس سے کبھی سیر نہیں ہو سکتے۔ اور وہ درس و تدریس کی کثرت کے باوجود کبھی پرانا نہیں ہوتا اور اس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے۔ ترمذی۔

قرآن خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے

پیغمبروں کو معجزے جو دیئے گئے تھے تو اس سے یہ غرض تھی کہ وہ پیغمبر ان معجزوں کو اپنی صداقت کی نشانی کے طور پر پیش کرکے لوگوں کو اس بات کے یقین کرنے کا موقع دیں کہ وہ درحقیقت خدا کے پیغامبر ہیں اور وہ جو کچھ پیغام اور حکم لاتے ہیں وہ خدا ہی کا پیغام اور حکم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت و رسالت کی صداقت کے ثبوت میں جس چیز کو پیش فرمایا تھا وہ قرآن تھا۔ آپ سے پہلے جتنے پیغمبر مبعوث ہوئے تھے ان سب کی بعثت ایک معین مدت تک

ے ئے تھی اسلئے ان پیغمبروں کے معجزے ان کی زندگی تک کام دیتے تھے، بعد والوں کے لئے تو وہ ایک قصہ ور کہانی سے بڑھکر نہیں ہیں۔ پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین تھے۔ آپ کی نبوت کسی خاص نت تک محدود نہیں تھی۔ آپ کا لایا ہوا مذہب دنیا کے لئے آخری مذہب ہے جو دنیا کے خاتمے تک قائم رہیگا۔ پ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہوگیا اور انبیا کی آمد ختم ہوگئی۔ اسلئے آپ کی نبوت کی نشانی اور آپ کے لائے ہوئے ہب کی صداقت کی دلیل ایسی پختہ اور قوی ہونی چاہئے کہ وہ بےکم وکاست مذہب کے ساتھ ساتھ دنیا کے خاتمے ب باقی رہے اور ہر زمانے میں اس کا معجزہ بن اپنی اصلی آب وتاب کے ساتھ قائم رہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پیدا ہوئے اور نبوت کے آغاز یعنے چالیس برس کی عمر تک مکہ ہی میں رہے۔ آپ ، پیدائش، آپ کا بچپن، اور آپ کی جوانی یہ تینوں زمانے مکہ ہی میں گذرے تھے، اسلئے اہل مکہ آپ کی ہر ایک ادا سے بھی طرح واقف تھے۔ مکہ کا بچہ بچہ یہ جانتا تھا کہ آپ اُمّی یعنے ان پڑھ تھے۔ عرب میں شعر و شاعری کا چرچا عام تھا مگر پ اس سے بھی بالکل نابلد تھے۔ آپ نے خود بھی اس کا اعلان فرما دیا تھا کہ میں تم ہی جیسا ایک بشر ہوں، تمھاری ی طرح اُٹھتا بیٹھتا، چلتا پھرتا، اور کھاتا پیتا ہوں۔ مجھ میں اور تم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دنیا میں ایک دوسرے فضیلت اور امتیاز کے جو بہت سارے اسباب ہوتے ہیں میں ان میں سے کسی ایک سبب کا بھی مالک نہیں۔ نہ میرے س دھن دولت ہے اور نہ باغات اور محل میں اُمّی محض ہوں، نہ پڑھنا جانتا ہوں اور نہ لکھنا میں نے اب تک کوئی تحریر بھی نہیں کی تھی کوئی خطبہ بھی نہیں دیا تھا کہ میرا شمار بھی فصیح و بلیغ لوگوں میں ہوتا۔ میں شعر و شاعری سے بھی بالکل بلد ہوں میں نے آج تک کبھی ایک شعر بھی نہیں کہا۔ کاہن غیب دانی کا دعویٰ کرتے ہیں اور اسی دعوے کی وجہ سے وہ ام لوگوں سے ممتاز ہیں۔ میں غیب داں بھی نہیں میں دوسروں کا اگلا پچھلا حال کیا بتاؤنگا جب میں خود نہیں جانتا کل خود میرا کیا حال ہوگا۔ نہ میں کسی ایسی چیز کا مالک ہوں جس سے خود اپنی ذات کو کوئی فائدہ پہنچا سکوں یا کسی ر کو کوئی نفع۔ میرا اپنا ذاتی نفع و نقصان بھی میرے اختیار میں نہیں۔ جب اس کے ساتھ آپ نے اس کا بھی اعلان ر دیا کہ میں بھی موسیٰؑ و عیسیٰؑ کی طرح خدا کا پیغمبر ہوں تو آپ کے اس دعوے نے سب کو حیرت میں ڈال دیا۔ آپ ک کردار تھے، راستباز تھے اور امانت دار تھے۔ تمام لوگ آپ کو صادق اور امین کے لقب سے یاد کرتے تھے، مگر یہ یں کچھ نبوت کے لوازمات سے تو نہ تھیں کہ ان کی وجہ سے لوگ آپ کے دعوے کو تسلیم کر لیتے۔ آپ کو بالطبع بت تی سے نفرت تھی تو یہ بھی کوئی انوکھی بات نہ تھی، اس وقت مکہ میں ایسے بہت سے لوگ موجود تھے جو بت پرستی سے منہ موڑ کر حق کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ اگر آپ فقط قوم کی تمدنی معیشتی اور معاشرتی اصلاح کی آواز بلند کرتے تو البتہ کچھ زیادہ تعجب کی بات نہ ہوتی اور آپ آسانی کے ساتھ مصلح قوم بن جا سکتے تھے مگر آپ نے تو نبوت کا دعویٰ کر کے ن کے من ملنے مذاہب میں مداخلت کی اور ان کے نام نہاد معبودوں کی اہانت کی تو گویا عرب جیسی خوددار قوم سے

اس کی توقع ہو سکتی تھی کہ وہ چپکے سے اپنی اس مذہبی توہین کو گوارا کر لیتی۔ اور پھر آپ نے اپنے اس دعوے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کا بھی اعلان کر کے ان کو مقابلے کی دعوت بھی دی کہ مجھ پر بھی موسیٰؑ و عیسیٰؑ کی طرح خدا کا کلام نازل ہوتا ہے، اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ قرآن خدا کا کلام نہیں ہے بلکہ انسان کا کلام ہے تو تم بھی جو فصاحت و بلاغت کی کان ہو اور جو بہتر سے بہتر کلام بنا سکتے ہو اس جیسی دس سورتیں، دس نہ سہی ایک ہی سورت بنا لاؤ۔ میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ تم اور تم ہی کیا بلکہ ساری دنیا بھی قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورۃ جیسی سورۃ بھی کبھی نہیں بنا سکیگی۔ عرب کے سورما جن کی فصاحت، بلاغت اور شجاعت مشہور عالم تھی تیرہ برس تک آپ کو سخت سے سخت تکلیفیں اور ایذائیں دیتے رہے اور دس برس تک آپ کا پورا زور مقابلہ کرتے رہے مگر نتیجہ کیا نکلا؟ کچھ تو جان سے گئے اور کچھ وطن سے اور باقی سب عزت، آبرو، وقار، مال و دولت سب کچھ کھو کر اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ ان سورماؤں نے تئیس برس تک مخالفت کی، خصومت کے نئے نئے طریقے نکالے اور عجیب عجیب ڈھنگ سے مقابلہ کیا، مگر ان سے اتنا نہ ہو سکا کہ وہ قرآن کی ایک چھوٹی سی سورۃ جیسی سورۃ بنا کر پیش کر دیتے اور آپ کو آپ کے دعوے میں جھوٹا ثابت کر کے اس جھگڑے کا خاتمہ ہی کر دیتے۔ یہ قرآن کا معجزہ نہیں تو پھر کیا ہے کہ اس نے تمام سرکشوں کی گردنیں جھکا دیں۔ قرآن اپنے نزول کے وقت یعنے آج سے تقریباً چودہ سو برس پہلے جس طرح کفار مکہ کے لئے معجزہ تھا ویسا ہی آج بھی تمام دنیا کے لئے ہے۔ قرآن کی ایک ایک آیت قیامت تک تمام دنیا کو تحدی کرتے ہوئے پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ثابت کرتی رہیگی۔

قرآن کے معجزہ ہونے کے وجوہ۔ اب غور طلب یہ امر ہے کہ قرآن کے معجزہ ہونے کے وجوہ و اسباب کیا ہیں؟

پہلی وجہ یہ ہے کہ قرآن کو ایک ایسے شخص نے پیش کیا تھا جو امّی تھا یعنے بالکل ان پڑھ تھا اور جو موزوں کلام بنانے کی ادبی قابلیت نہیں رکھتا تھا۔ مسجّع، مقفّیٰ اور موزوں کلام بنانے کے لئے آدمی کا پڑھا لکھا ہونا ضروری نہیں ہے۔ مثل مشہور ہے شاعر پیدا ہوتے ہیں بنائے نہیں جاتے۔ بعض اشخاص کی طبیعت میں ایک خاص فطری ملکہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ بلا تکلف و بلا تصنع سہولت کے ساتھ فصیح و بلیغ کلام کہتے ہیں اور وہ کلام ایسا موزوں اور منظوم ہوتا ہے کہ سننے والوں کے دل میں گھر کر جاتا ہے اور لوگ سچائی کے ساتھ اس کی داد دیتے ہیں۔ یہ ملکہ جب انسان کی فطرت میں قدرت کی طرف سے ودیعت ہوتا ہے تو اس کے آثار چھپ نہیں سکتے۔ اس انسان کی سن طفولیت ہی میں یہ فطری ملکہ کوہ آتش فشاں کے مادے کی طرح پھٹ پڑتا ہے۔ بعض لوگوں میں یہ فطری ملکہ تو نہیں ہوتا مگر وہ لوگ کسب و اکتساب سے اس قسم کی قابلیت حاصل کر لیتے ہیں یعنے علم میں خاصی مہارت پیدا کر کے اور اچھا کلام بار بار پڑھ کر اس کی خصوصیات سے خوب واقف ہو جاتے ہیں اور پھر خود طبع آزمائی کرنے لگتے ہیں تو مشق اور ترقی سے اچھا کلام کہنے پر قادر ہو جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ تو یہ خاص فطری ملکہ تھا اور نہ تعلیم و مشق کے ذریعے سے آپ نے اس قسم کی قدرت حاصل کی تھی۔ اگر آپ میں اس قسم کا کوئی فطری ملکہ ہوتا تو کیا چالیس برس تک اس کا بالکل ظہور نہ ہوتا اور پھر یکایک چالیس برس

کی عمر کے بعد وہ اس طرح ظاہر ہوتا کہ اس کے مقابلے میں عرب کے تمام فطری اور تربیت یافتہ جادو بیانوں کی جادو بیانی آنِ واحد میں کافور ہو جاتی۔ اگر یہ معجزہ نہیں ہے تو دنیا اس قسم کی مثال پیش کرنے سے کیوں عاجز آگئی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن شریف میں اگلے قصوں کے علاوہ کتبِ سابقہ کی بہت سی ایسی باتیں بھی ہیں جن کو اس وقت کے اہلِ کتاب علماء ہی جان سکتے تھے۔ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مکہ میں ایک معمولی یہودی بھی نہ تھا کہ اس سے آپ کو یہ باتیں معلوم ہو جاتیں۔ البتہ مدینہ یہودیوں کا مرکز تھا مگر مدینہ نہ تو آپ کا مولد تھا اور نہ وہاں آپ نے پرورش پائی تھی۔ مدینے کو جب آپ نے ہجرت کی ہے تو اس وقت آپ کو نبی ہوئے تیرہ برس ہو چکے تھے اور یہ وہ وقت تھا جب تمام لوگ خواہ وہ یہودی ہوں یا عیسائی آپ کے دعوئے نبوت کی وجہ سے آپ کے دشمن بن گئے تھے۔

قریش کے وہ لوگ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی کو اپنا پیشہ بنائے ہوئے تھے جب کبھی مدینہ یا شام وغیرہ جہاں یہودیوں کا اجتماع تھا جایا کرتے تو تصدیق کے لئے یہودی علماء سے وہ تمام باتیں بیان کرتے تھے جو کتبِ سابقہ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نازل ہوتی تھیں۔ جب یہودی علماء دیکھتے کہ یہ تمام باتیں بالکل صحیح ہیں تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائش کے لئے قریش کے لوگوں کو ایسی ایسی باتیں سکھا پڑھا کر بھیجتے تھے جو عام یہودیوں کو بھی معلوم نہ تھیں۔ ذوالقرنین اور اصحابِ کہف کا حال جو سورۂ کہف میں ہے وہ یہودی علماء کے منویانہ سوالات کے جواب ہی میں نازل ہوا تھا۔

تیسری وجہ طرزِ کلام اور کتاب کی نوعیت کا انوکھا پن ہے۔ امام سیوطیؒ اتقان کی چونسٹھویں نوع میں اصفہانی کی تفسیر کے حوالے سے لکھتے ہیں "تالیفِ کلام کے پانچ مراتب ہیں پہلا بسیط حروف کو ایک دوسرے میں اس لئے شامل کر دینا کہ اس سے کلماتِ ثلاثہ یعنی اسم، فعل اور حرف حاصل ہوں۔ دوسرا ان کلمات کو ایک دوسرے کے ساتھ ملانا اور ترتیب دینا تاکہ ان سے مفید جملے حاصل ہو سکیں۔ یہی کلام کی وہ قسم ہے جس کو عموماً تمام لوگ اپنی عام گفتگو اور معاملات کی باتوں میں استعمال کرتے ہیں اور اس کو کلامِ منثور کہا جاتا ہے۔ تیسرا انہی مذکورہ کلماتِ ثلاثہ کو ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح ملانا کہ ان کی ترکیب میں مبدأ، مقطع، مداخل و مخارج بھی پائے جائیں اس قسم کے کلام کو کلامِ منظوم کہتے ہیں۔ چوتھا یہ کہ کلام کے آخری حصوں میں امورِ مذکورہ کے ساتھ سجع کا لحاظ بھی رکھا جائے اس کو کلامِ مسجع کہتے ہیں۔ پانچواں یہ ہے کہ مذکورہ بالا امور کے ساتھ کلام میں وزن بھی ملحوظ ہو۔ کلام کی اس قسم کو شعر کہا جاتا ہے۔ کلامِ منظوم یا تو تقریر و بیان ہوتا ہے اور اس کو خطبہ کہتے ہیں اور یا تحریر و مکاتبت ہوتا ہے اور اس کو رسالت کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ غرضکہ کلام کے انواع ان مراتب سے خارج نہیں ہوتے اور ان میں سے ہر ایک کا ایک خاص اسلوب ہوتا ہے اور قرآن ان سب خوبیوں کا جامع ہے مگر ایسے اسلوب کے ساتھ جو ان چیزوں میں سے کسی چیز کی مناسبت نہیں رکھتا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح قرآن کو کلام کہنا صحیح ہوتا ہے اسی طرح اسے رسالت، خطابت، سجع یا

شعر کہنا صحیح نہیں ہوتا۔ قرآن کی کیفیت یہ ہے کہ جب کوئی بلیغ شخص اسے سنتا ہے تو وہ فوراً اس کے اور ماسوا منظوم کلام کے مابین امتیاز اور فرق معلوم کر لیتا ہے۔ اسی وجہ سے خدائے تعالےٰ نے قرآن کی تعریف میں ارشاد فرمایا ہے۔ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌۙ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ (اور یہ (قرآن) تو بڑے پایہ کی کتاب ہے کہ اس پر جھوٹ کا دخل نہ تو اس کے آگے سے ہو سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے ⑨ پ فصلت ۵ ۹)۔ اس ارشاد سے اس کا تنبیہ کر دیا گیا ہے کہ قرآن کی تالیف ہرگز اس ہیئت پر نہیں ہوئی ہے جس ہیئت پر انسان اپنے کلام کی تالیف کرتا ہے اور زیادتی یا کمی کے ساتھ اس کا تغیر ہو سکتا ہے جیسا کہ قرآن کے سوا اور کتابوں کا حال ہے" انتہیٰ ملخصاً۔

چوتھی وجہ قرآن کے گوناگوں مضامین اور ان کا نظم ہے۔ اتقان کی اسی مذکورہ نوع میں خطابیؒ کا قول منقول ہے کہ "اکثر اہلِ نظر علماء کے خیال میں قرآن کا اعجاز بلاغت کی جہت سے ہے، مگر ان عالموں کو اس کی تفصیل بیان کرنے میں مشکل پیش آگئی اور آخر انھوں نے یہ کہہ کر بات اڑا دی کہ اس کا ادراک مذاقِ سخن پر موقوف ہے۔ پھر بھی امر تحقیق یہ ہے کہ کلام کے مختلف اجناس ہوتے ہیں اور بیان کے مدارج میں اس کے مراتب متفاوت ہوتے ہیں"۔ اس کے بعد اجناسِ کلام کی تفصیل کرتے ہوئے آگے چل کر لکھتے ہیں "اس میں شک نہیں کہ مذکورہ خوبیاں علحدہ علحدہ طور پر تمام تمام انواعِ کلام میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن مجموعی طور پر ان کا ایک ہی نوع میں پایا جانا سوائے کلامِ الٰہی کے اور کہیں پایا نہیں گیا ہے۔ غرضکہ اس مذکورہ بالا بیان سے یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ قرآن کے معجزہ ہونے کا سبب اس کا فصیح ترین الفاظ اور تالیف کے ایسے اعلیٰ نظموں پر حاوی ہونا ہے جو صحیح ترین معانی کو لئے ہوئے ہیں یعنے اللہ کی توحید، اس کی صفات، اس کی تنزیہ، اس کی طاعت و فرماں برداری کی دعوت اور اس کی عبادت کے طریقوں کا بیان، حلال، حرام، ممنوع اور مباح کی تشریح بذریعہ وعظ و نصیحت، اچھی باتوں کا حکم اور بری باتوں کی ممانعت، عمدہ عادتوں کی ترغیب اور بد عادتوں سے احتراز کرنے کی تاکید یہ تمام باتیں اس میں مذکور ہیں۔ ان کے علاوہ سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ہر چیز اپنے اپنے موقع اور محل میں رکھی گئی ہے، ایک شئے دوسری شئے سے اعلیٰ اور بہتر نظر نہیں آتی اور عقل اس شئے سے بڑھکر مناسب اور سزاوار شئے معلوم نہیں کر سکتی۔ اس میں ازمنۂ سابقہ کی خبریں اور گذری ہوئی قوموں پر خدا کے قہر و غضب کے نزول کا حال عبرت دلانے کے لئے درج ہے اور اس میں آثارِ قدرت کی قسم سے آئندہ زمانوں میں ہونے والی پیشین گوئیاں بھی موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے حجت اور محتج، دلیل اور مدلول کو بھی باہم جمع کر لیا ہے تاکہ یہ چیزیں اس کی دعوت میں مزید تاکید پیدا کریں اور اس کے اوامر و نواہی کی پابندی واجب ہونے پر مخلوق کو مطلع بنائے۔ جاننا چاہئے کہ ایسے امور کو ایک ساتھ لانا اور ان کے انتشار کو اس طرح جمع کر دینا کہ وہ باہم بالکل منظم اور باقاعدہ ہو جائیں ایک ایسا امر ہے جو قوتِ بشری سے خارج اور مخلوقات کی دسترس سے باہر ہے اسی واسطے مخلوق اس کا معارضہ کرنے سے عاجز رہی اور اس جیسا کلام پیش نہ کر سکی یا کم از کم اس کی شکل ہی میں کسی قسم کا نقص پیدا نہ کر سکی"۔

پانچویں وجہ - خدائے تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۞ اگر یہ (قرآن) خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے (۶) ع نساء ۹۴-

امام غزالیؒ سے مذکورہ آیت کے معنے دریافت کئے گئے تو آپ نے جواب دیا " لفظ اختلاف بہت سے معنوں پر مشتمل ہے - اس آیت میں اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ قرآن میں لوگوں کے اختلاف رکھنے کی نفی کی جائے بلکہ نفس قرآن سے اختلاف کی نفی کی گئی ہے " پھر اختلاف کے وجوہ بیان کرنے کے بعد آپ فرماتے ہیں " غرضکہ انسان کا کلام انہی قسم کے اختلافات سے بھرا ہوا پایا جائیگا کیونکہ جداگانہ حالتوں میں اغراض کا مختلف ہونا ہی ان باتوں کا منشا ہے - اور انسان کے احوال بدلا ہی کرتے ہیں اسی لئے مسرت اور فرحت کے وقت اس کی طبیعت میں موزونیت آجاتی ہے اور دل گرفتگی کی صورت میں اس کو کوئی مضمون ہی نہیں سوجھتا - اسی طرح اس کے اغراض بھی مختلف ہوا کرتے ہیں - کسی وقت وہ ایک چیز کی طرف راغب ہوتا ہے تو دوسرے وقت اسی چیز سے نفرت کرتا ہے - اس لئے ان باتوں سے لازمی طور پر اس کے کلام میں اختلاف پیدا ہوجاتا ہے - ایک انسان بھی ایسا نہیں مل سکتا کہ وہ تیئیس برس کی مدت میں جو نزول قرآن کا زمانہ ہے ایک ہی غرض اور ایک ہی اسلوب پر ایسی گفتگو کرتا ہے جس میں فصاحت و بلاغت طرز بیان وطرق استدلال اور منشائے کلام کا کچھ بھی فرق و امتیاز نہ پایا جائے "

چھٹی وجہ قرآن کا وہ غیر معمولی اثر ہے جو قاری اور سامع دونوں کے قلوب پر اپنی زبردست تاثیر کا سکہ بٹھا دیتا ہے - امام سیوطیؒ لکھتے ہیں :" میں نے اعجاز قرآن کی ایک اور وجہ بھی بیان کی ہے جو دوسروں کے خیال میں نہیں آسکی اور وہ وجہ یہ ہے کہ قرآن کا دلوں اور طبیعتوں پر نہایت گہرا اثر پڑتا ہے - تم اگر قرآن کے سوا کسی دوسرے منظوم یا منثور کلام کو سنوگے تو اس کے سننے سے یہ بات ہرگز محسوس نہ ہوگی کہ کبھی تو اس کی سماعت کے ساتھ ہی کان ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں اور دل میں ایک قسم کی حلاوت اور لذت محسوس ہونے لگتی ہے - اور کبھی دل پر ایک طرح کا رعب چھا جاتا اور ہیبت طاری ہوجاتی ہے چنانچہ خدائے تعالیٰ خود فرماتا ہے لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم اس (پہاڑ) کو دیکھتے کہ خدا کے ڈر سے دبا اور پھٹا جاتا ہے ۞ س ع حشر (۹) - اور دوسری جگہ اس طرح ارشاد فرمایا ہے اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ خدا نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں (یعنے) کتاب جو ایک سی (ہے اور) دہرائی جاتی (ہے) - جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے بدن کے (اس سے) رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں ۞ س ع زمر ۷ (۵) - اتقان نوع ۶۴-

اتقان (نوع ۶۴) میں کتاب الشفا کے حوالے سے قاضی عیاضؒ کے بیان میں منقول ہے " منجملہ دیگر وجوہ اعجاز کے ایک وجہ قرآن کا وہ

رعب ہے جو سامعین کے دلوں میں اس کی سماعت کے وقت واقع ہوتا ہے اور وہ ہیبت ہے جو پڑھنے کے وقت قاری اور سامع دونوں کے دلوں پر طاری ہوتی ہے۔ تحقیق ایک جماعت ایسے لوگوں کی گذری ہے جو کلام الٰہی کی آیتیں سن سن کر ایمان لائے جیسا کہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھتے سنا۔ وہ کہتے ہیں کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ ھُمُ الْخَالِقُوْنَ پر پہنچے اور "الْمُصَیْطِرُوْنَ" تک پڑھے یعنے اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ ھُمُ الْخَالِقُوْنَ ۝ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ ۝ اَمْ عِنْدَھُمْ خَزَآئِنُ رَبِّکَ اَمْ ھُمُ الْمُصَیْطِرُوْنَ ۝ (کیا یہ کسی کے پیدا کئے بغیر ہی پیدا ہوگئے یا یہی پیدا کرنے والے ہیں یا انھوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے (نہیں) بلکہ یہ یقین ہی نہیں رکھتے کیا ان کے پاس تمھارے پروردگار کے خزانے ہیں یا یہ (کہیں کے) داروغہ ہیں ۝ ع طور ۵ ۷) تو اس وقت میرے دل کی یہ حالت ہوگئی کہ گویا وہ اب سینے سے نکل پڑیگا۔ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ اسلام کی خوبی نے میرے دل پر اپنا سکہ بٹھا دیا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی انھی لوگوں میں ہیں جن کو قرآن کی معجزانہ تاثیر دربار نبوت میں کھینچ لائی تھی۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے سے مسلح ہو کر شمشیر بکف گھر سے روانہ ہوئے تو راستے میں نعیم بن عبداللہ سے یہ معلوم کرکے کہ آپ کے بہن اور بہنوئی ایمان لا چکے ہیں آپ مارے غصّے کے بیتاب ہوگئے اور آگے جا نہ سکے۔ وہاں سے سیدھے بہن کے گھر گئے۔ وہ اس وقت قرآن پڑھ رہی تھیں۔ آپ نے دروازہ کھٹکھٹایا تو انھوں نے قرآن کے اوراق کہیں چھپا دئے۔ مگر آپ تو آواز سن چکے تھے اور راہ میں نعیم بن عبداللہ سے ان کے اسلام لانے کا حال بھی معلوم ہو چکا تھا مکان میں داخل ہوتے ہی بہن سے پوچھا کہ یہ تم کیا پڑھ رہی تھیں میں نے سنا ہے کہ تم دونوں اپنے آبائی دین سے پھر گئے ہو۔ بہن نے ٹال مٹول کیا تو بہنوئی سے اُلجھ پڑے بہن بیچ میں آگئیں تو انھی کے سر ہوگئے اور خوب پیٹا یہاں تک کہ ان کا سر پھٹ گیا اور وہ خون میں نہا گئیں۔ لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ ان تکلیفوں سے اترنا تو کجا اور بھی زیادہ چڑھ جاتا تھا۔ بہن نے جوش میں آکر کہدیا کہ بیشک ہم مسلمان ہوگئے ہیں تم سے جو ہوسکے کرو مگر ہم تو اس دین کو نہیں چھوڑ سکتے۔ بہن کی یہ حالت دیکھکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غصہ کافور ہوگیا بولے تم جو پڑھ رہے تھے ذرا مجھکو بھی سناؤ کہ انھوں نے کیا بہن نے قرآن کے وہ اوراق لاکر ان کو دیدئے۔ آپ نے ان ورقوں کو پڑھنا شروع کیا۔ پڑھتے پڑھتے بے ساختہ زبان سے نکل گیا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں)

اتقان (نوع ۶۴) میں البرہان کے حوالے سے علامہ زرکشی کا یہ قول نقل کیا گیا ہے :۔

"محققین کے نزدیک اعجاز کا وقوع تمام مذکورہ سابقہ امور کی وجہ سے ہوتا ہے نہ کہ انفرادی طور پر ایک ایک وجہ کے ساتھ

کیونکہ قرآن نے ان تمام باتوں کو جمع کر لیا ہے۔ اس لئے اس کو ان میں سے فقط ایک ہی بات کی طرف منسوب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی حالانکہ وہ ان سب کا بلکہ ان کے علاوہ اور بھی بہت ساری خوبیوں کا جامع ہے جو اس سے پہلے بیان نہیں ہوئیں منجملہ ان کے ایک بات قرآن کا وہ رعب ہے جو اس کی سماعت سے سامعین کے دلوں میں واقع ہوتا ہے عام اس سے کہ وہ سامعین قرآن کے ماننے والے ہوں یا انکار کرنے والے۔ دوسری بات یہ کہ قرآن ہمیشہ سامعین کو دلچسپ اور پسندیدہ معلوم ہوتا رہا ہے اور آئندہ بھی اس کی یہی کیفیت رہیگی۔ اور ہر زمانے میں پڑھنے والوں کو اس کی قراءت سے ایک خاص قسم کا لطف اور ذوق حاصل ہوگا۔ تیسری بات قرآن میں اختصار اور شیرینی کی دو ایسی صفتیں اکٹھی ہوگئی ہیں جو باہم متضاد امور کی طرح ہیں اور غالباً انسان کے کلام میں جمع نہیں ہوا کرتی ہیں۔"

ابن سراقہ کہتے ہیں :۔" بعض اور لوگوں کا بیان ہے کہ قرآن کا ایک اور اعجاز یہ ہے کہ اس کی قراءت سے پڑھنے والے تھکتے نہیں اور اس کی سماعت سننے والوں کو ناگوار نہیں ہوتی اگرچہ کئی کئی بار ہی کیوں نہ سننا پڑے اور کتنے ہی مرتبہ ان کے روبرو تلاوت کی تکرار کی جائے۔" (اتقان نوع ۶۴)۔

قاضی عیاضؒ کے بیان میں ہے :۔" وجوہ اعجاز کے منجملہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن کا پڑھنے والا اس کی قراءت سے دلگیر نہیں ہوتا اور اس کا سننے والا اس کی سماعت سے اکتاتا نہیں بلکہ اس کی تلاوت کا انہماک اس کی حلاوت کو بڑھاتا اور اس کو بار بار پڑھنا اس کی محبت کو واجب کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تعریف میں فرمایا ہے۔ وَلَا يَخْلَقُ عَلٰى كَثْرَةِ الرَّدِّ" (جو کثرت درس و تدریس سے پرانا نہیں ہوتا ترمذی دارمی) (اتقان نوع ۶۴)۔

قرآن کے وقتاً فوقتاً اتارے جانے کی مصلحت

شبِ قدر ماہِ رمضان ۴۱ نبوی مطابق اگست ۶۱۰ عیسوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی۔ اس وقت سے آپ کی رحلت یعنی ربیع الاول ۲۳ نبوی یا ۱۱ ہجری مطابق جون ۶۳۲ عیسوی تک نزولِ وحی کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ کل چھ ہزار دو سو پچاسی ۶۲۸۵ آیتیں نازل ہوئیں۔ ان آیتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے ایک سو چودہ سورتوں میں ترتیب وار جمع کروا دیا تھا۔ ان میں سے چھیاسی ۸۶ سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں اور اٹھائیس ۲۸ سورتیں مدینہ میں۔ قرآن کے وقتاً فوقتاً اتارے جانے کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے :۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا ﴿۱﴾ (اے محمد) بیشک ہم ہی نے تم پر قرآن وقتاً فوقتاً اتارا ہے ① ع ۲ پ ۲۹۔

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾

اور ہم نے قرآن کو پارہ پارہ کرکے نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو ٹھیر ٹھیر کر پڑھ کر سناؤ۔ اور ہم نے اس کو رفتہ رفتہ اتارا ہے ﴿۱۰۶﴾ پ ع بنی اسرائیل ۱۲ ع ۷۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾

اور کافر کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) پر قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہیں اتارا گیا۔ یوں (آہستہ آہستہ اس لئے اتارا گیا) تاکہ اس سے تمہارے دل کو قائم رکھیں اور (اسی وجہ سے) ہم نے اس کو ٹھیر ٹھیر کر اتارا ہے ﴿۳۲﴾

پ ع فرقان ۱۹ ع ۳۔

کفار آپ کو جھٹلانے کی ہر طرح سے کوشش کرتے تھے، وہ آپ پر اور آپ کی رسالت پر طرح طرح کے حملے اور اعتراض کرتے تھے، اس کے جواب میں قرآن نازل ہوتا تھا۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾

اور (اے محمدؐ) یہ لوگ کیسی ہی (اعتراض کی) بات تمہارے پاس لائیں ہم بھی اس کا قرار واقعی جواب اور عمدہ توجیہ تم کو بتا دیتے ہیں ﴿۳۳﴾ پ ع فرقان ۱۹ ع ۳۔

آپ کو اور آپ کے صحابہ کو سخت سخت تکلیفیں اور ایذائیں دی جاتی تھیں تو خدائے تعالیٰ آپ کو اگلے پیغمبروں کے حالات سنا کر آپ کی ڈھارس بندھاتا تھا۔

ہر ضرورت اور نازک موقع پر خدا کے احکام نازل ہوتے تھے اور آپ ان کے موافق عمل فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں ہمہ قسم کی باتیں ہیں، قصے اور نصیحتیں بھی ہیں، اوامر و نواہی بھی ہے، معتقدات و عبادات کی آیات بھی ہیں، معاملات اور جہاد کے احکام بھی ہیں، اخلاقی اور تمدنی تعلیم بھی ہے، معیشتی اور معاشرتی درس بھی ہیں۔ اس میں پرہیزگاروں کے لئے وعدے ہیں اور نافرمانوں کے لئے وعید ہے۔ اس میں گذرے ہوئے واقعات ہیں اور آنے والے حالات کی پیشین گوئیاں ہیں۔ یہ تمام مختلف مضامین ایسے مربوط پیرائے میں بیان ہوئے ہیں کہ سلسلۂ کلام شروع سے آخر تک کہیں بھی ٹوٹنے نہیں پاتا اور اس کی یکسانیت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ دنیا کی کوئی کتاب خواہ وہ الہامی ہو یا غیر الہامی قرآن کے اس عجیب و غریب طرز کو لگا نہیں کھا سکتی۔ قرآن اس وقت جس طرح مصحف میں پایا جاتا ہے اسی طرح مسلسل نہیں اترا۔ وقتاً فوقتاً حسب ضرورت جلے جلے ہو کر نازل ہوا اور بلا لحاظ ترتیب نزول متفرق سورتوں میں حسب ارشاد نبوی رکھ دیا گیا۔ یہ قرآن ہی کی خصوصیت ہے کہ اس میں نزولی ترتیب کا لحاظ نہ ہونے پر بھی ان کی آیتوں میں شروع سے آخر تک ایسا ربط پیدا ہو گیا ہے کہ گویا یہ آیتیں اسی موجودہ ترتیب میں نازل ہوئی ہیں۔

قرآن کی زبان صاف اور شیریں ترین زبان ہے۔

وَھٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۳﴾	اور یہ صاف عربی زبان ہے ﴿۳﴾ ۱۴ع نحل ۷۷-
بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ ﴿۴﴾	صاف عربی زبان میں ﴿۴﴾ ۱۱ع شعرا ۲۶-
قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ ﴿۵﴾	عربی قرآن جو ٹیڑھا نہیں ﴿۵﴾ ۳ع زمر ۵-
کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ ﴿۲﴾	کتاب جس کی آیتیں واضح ہیں ﴿۲﴾ ۱ع فصّلت ۵۹-

زبان کی یہی سادگی اور شیرینی قرآن کی فصاحت و بلاغت کا بڑا سبب ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ قرآن متفرق طور پر حسبِ موقع و محل، مخاطبوں کے حسبِ حال و ضرورت، مختلف پیرایوں میں، کبھی قہر و غضب کے لہجے میں، کبھی رحمت و شفقت کی اداؤں میں، اور کبھی ناصحانہ و مشیرانہ صورت میں، ایک دراز عرصے تک نازل ہوتا رہا۔ اگرچہ کوئی نہ کوئی شخص یا مقام قرآن کی ہر ایک آیت کا شانِ نزول ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہم عصر لوگ ہی اس کے مخاطب ہیں تو بھی قرآن نے انسان کی فطرت، جبلت، طبیعت، خصلت، عادت اور اس کی نفسانی خواہشات، طبعی رجحانات، دلی خیالات، یہاں تک کہ اس کے وسوسوں اور امنگوں تک کا پورا پورا جائزہ لے کر ایسی ایسی دل کو لگتی ہوئی باتیں کہی ہیں کہ ہر ایک پڑھنے والا یہی سمجھتا ہے کہ خاص اسی سے خطاب کیا جا رہا ہے، اسی کا حال بیان ہو رہا ہے اور اسی کے زمانے کی تصویر کھینچی جا رہی ہے۔ اگر کوئی نبی کسی گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر الہامی تائید سے ایک ایسی کتاب لکھتا جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہوتی اور پھر اس کو دنیا کے سامنے پیش کرتا تو وہ کتاب شروع سے آخر تک ایسی کامل، ایسی موثر، ایسی فصیح و بلیغ اور ایسی قابلِ عمل نہ ہوتی جیسی کہ یہ کتابِ الٰہی ثابت ہوئی ہے۔

قرآن کی تعلیم میں ویسی ہی درجہ بندی ہے جیسی درجہ بندی کسی تعلیمی درس گاہ میں ہوتی ہے۔ مدرسے میں پہلے کم سن مبتدیوں کو حروف شناسی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کے بعد چھوٹے چھوٹے جملے پڑھائے جاتے ہیں۔ پھر طالب علم کی استعداد کی ترقی کے ساتھ ساتھ مضامین اور علوم کا دائرہ بھی وسیع ہوتا جاتا ہے۔ اسی طرح قرآن شریف کی ابتدائی سورتوں میں گمراہوں کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور ان کو ایسی ایسی باتیں سنائی گئی ہیں جن سے ان کو اپنی گمراہی اور کفر کے برے نتائج سے خوف پیدا ہو اور صراطِ مستقیم اور ایمان لانے کے فائدے معلوم ہوں۔ پھر جب کہ نا مسلمان ہو جاتے ہیں تو ان کو قرآن کے دوسرے حصے میں عبادات کے طریقے سکھائے جاتے ہیں جن سے [illegible] کی تعلیم دی جاتی ہے، پھر آگے چل کر ان کو مہذب اور شائستہ بنایا جاتا ہے اب [illegible] ان کو جن [illegible] کی تعلیم دی گئی تھی ان پر ان سے عمل کرایا جاتا ہے اور اس عمل سے خوشگوار نتائج ان کو اسی دنیا میں دکھا بھی دیئے جاتے ہیں۔ علم، صنعت، حرفت، تجارت، دولت، ثروت، حکومت، غرض دنیا بھر ترقی کے جس قدر بھی زینے ہیں وہ سب ان سے طے کرائے جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک جاہل، گندہ ناتراشیدہ، کافر قوم کو ہمہ داں، مہذب، شائستہ [illegible]

انسان بنا کر ان کو آنے والی نسلوں کے لئے قابل تقلید نمونہ بنا دیا جاتا ہے۔ اگر قرآن ایک ہی مرتبہ نازل ہو جاتا تو یہ ایک طرح کا ظلم ہوتا اور لوگ اس کو برداشت نہ کر سکتے۔ اس لئے لوگ جیسے جیسے اہل بنتے گئے قرآن کی تعلیم بھی درجہ بدرجہ بڑھتی گئی اور تیئیس ۲۳ برس کی مدت میں تکمیل انسانیت کا نصاب پورا ہو گیا جس کے ساتھ ہی دین کی تکمیل نعمت الٰہی کے اتمام اور خدائے تعالیٰ کی کامل خوشنودی کا اعلان کر دیا گیا۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴿۳﴾

آج ہم تمھارے دین کو تمھارے لئے کامل کر چکے اور ہم نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور ہم نے تمھارے لئے اسی دین اسلام کو پسند فرمایا ﴿۳﴾ ع مائدہ ۱۱۴

تلاوتِ قرآن

سورۂ کہف ۶۹ میں ہے :-

وَاتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۵﴾

اور (اے محمد) تمھارے پروردگار کی کتاب جو وحی کے ذریعہ تمھارے پاس بھیجی گئی ہے اس کو پڑھتے رہا کرو کوئی اس کی باتوں کو بدل نہیں سکتا اور اس کے سوا کہیں پناہ بھی نہ پاؤ گے ﴿۵﴾

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ﴿۴﴾

اور (اے محمد) کہدو کہ (یہ قرآن) برحق تمھارے پروردگار کی طرف سے ہے پس جو چاہے مانے اور جو چاہے نہ مانے ع

سورۂ عنکبوت ۲۰ میں ہے :-

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ ﴿۱﴾

(اے محمد) یہ کتاب جو تمھاری طرف وحی کی گئی ہے اس کو پڑھا کرو ﴿۱﴾ ع

سورۂ بنی اسرائیل ۴ میں ہے :-

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۵﴾

اور جب تم قرآن پڑھا کرتے ہو تو ہم تم میں اور ان لوگوں میں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک چھپا ہوا پردہ حائل کر دیتے ہیں ﴿۵﴾ ع

سورۂ صافات ۵ میں خدائے تعالیٰ نے ... طرح قسم کھائی ہے :-

فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۝ پھر (قسم ہے) ذکر (یعنی قرآن) پڑھنے والوں کی ۞

نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی بہترین عبادت ...کی قرأت ہے (اتقان نوع ۳۵)۔

عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں اچھا (دوسری روایت ...تم میں سب سے بزرگ) وہی ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے (بخاری باب خیرکم من تعلم القرآن)۔

...سیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس قرآن کا پورے طور پر خیال رکھو ...لئے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قرآن جلد نکل جاتا ہے (سینوں سے) بہ نسبت اونٹ ...بنی رسی سے (بخاری باب استذکار القرآن)۔

...ب تلاوت۔ سورہ نحل ع ۱۳ میں ارشاد ہے:۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ اور جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو ۞ ع ۱۳ ۔

...ہ اعراف ع ۲۴ میں فرمایا گیا ہے:۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنا کرو اور خاموش ہو جایا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ۞ ع ۲۴

...ہ مزمل میں ہے:۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۝ پس جتنا آسانی سے ہو سکے (اتنا) قرآن پڑھ لیا کرو ۞ ع ۲

بیہقی نے عبیدۃ الملیکی سے روایت کی ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اہل قرآن تم قرآن ...سرکے نیچے کا تکیہ نہ بناؤ (اس کی تلاوت رات دن اس طرح کرو جس طرح کہ تلاوت کرنے کا حق ہے اور اس کو ظاہر کرو ...کو خوش آوازی سے پڑھو اور اس میں جو کچھ ہے اس پر غور و خوض کرو شاید تم بہتری پاؤ" (مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن)

بعض صحابہ ایک رات اور دن میں قرآن کے آٹھ ختم کیا کرتے تھے اور بعض چار ختم کرتے تھے اور بعض دو اور ایک۔ صحاح کی کئی حدیثوں سے اس طرح سرعت کے ساتھ پڑھنے کی ممانعت ثابت ہے۔ عبداللہ بن عمرو رضی ...عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ایک مہینے میں قرآن ختم کیا کرو ...نے عرض کیا کہ میں اس سے بڑھ کر طاقت رکھتا ہوں (آپ مدت گھٹاتے گئے اور عبداللہ بن عمرو یہی کہتے گئے ...اس سے بڑھ کر طاقت رکھتا ہوں) یہاں تک کہ آپ نے فرمایا اچھا ایک ہفتے میں ختم کیا کرو اور اس پر زیادتی نہ ...(بخاری باب فی کم یقرا القرآن)۔ اسی لئے قرآن کے تیس پارے اور سات منزلیں مقرر کی گئیں۔ تاکہ تلاوت میں سہولت

اور آسانی ہو۔

قرآن کا بغیر سمجھے سرعت کے ساتھ پڑھنا اگرچہ ثواب سے خالی نہیں ہے مگر آدابِ تلاوت کے خلاف ہے۔ آیات کے معنے اور مطلب کو سمجھ کر پڑھنا زیادہ افضل ہے اور یہ فضیلت سرعت کے ساتھ پڑھنے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ ترمذی، ابوداؤد اور دارمی نے عبداللہ بن عمرو سے روایت کی ہے کہ "جو شخص تین دن سے کم میں پورا قرآن پڑھتا ہے وہ اس کو کبھی سمجھ نہیں سکتا۔" اتقان (نوع ۳۵) میں امام نووی کی کتاب الاذکار کے حوالے سے منقول ہے "قولِ مختار یہ ہے کہ ختمِ قرآن کی مدت مختلف لوگوں کے لئے الگ الگ ہے۔ پس جن لوگوں کو اچھی طرح غور و خوض کرنے سے نئی نئی باریکیاں اور علوم سجھائی دیتے ہیں ان کو چاہئے کہ وہ اسی قدر تلاوت کرنے پر اکتفا کریں کہ جس سے پڑھے جانے والے حصے کو پوری طرح سمجھ سکنا ممکن ہو اور اسی طرح جو لوگ علمِ دین کی اشاعت، مقدموں کے فیصلے یا اور کسی قسم کے ضروری دینی کاموں اور عام دنیاوی کاروبار میں مشغول رہتے ہیں ان کے لئے اسی قدر تلاوت کر لینا کافی ہے جو ان کے فرائضِ منصبی اور حوائجِ ضروری میں مخل نہ ہو۔ اور ان لوگوں کے علاوہ وہ لوگ جو فرصت رکھتے ہیں وہ جس قدر ان سے ممکن ہو اتنی تلاوت کریں مگر اس بات کا خیال رکھیں کہ تھک جانے اور قرأت میں زبان کے لڑکھڑانے کی حد تک نہ پہنچ جائیں۔" جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پڑھو قرآن کو جب تک کہ تمہارے دل اس پر خواہش کریں اور جس وقت تم اس سے اکتا جاؤ تو اس سے اٹھ کھڑے ہو جاؤ (یعنے اس کا پڑھنا موقوف کر دو) (بخاری باب اقرؤا القرآن ما ائتلفت قلوبکم)۔ مسلم اور ابوداؤد میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص رات کو نماز پڑھنے کی غرض سے بیدار ہو اور اس کی زبان قرآن پڑھتے وقت لڑکھڑانے لگے اور وہ یہ نہ سمجھتا ہو کہ کیا کہہ رہا ہے تو ایسے شخص کو سو جانا چاہئے۔"

ترتیل۔ سورۂ مزمل میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ﴿۴﴾ — اور قرآن کو خوب ٹھیر ٹھیر کر پڑھا کرو ﴿۴﴾ ع

سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے:۔

وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَىٰ مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا ﴿۶﴾ — اور ہم نے قرآن کو پارہ پارہ کر کے نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو ٹھیر ٹھیر کر پڑھ کے سناؤ ﴿۶﴾ ع

"ترتیل کا کمال یہ ہے کہ اس کے الفاظ پورے پورے ادا کئے جائیں۔ ایک حرف دوسرے حرف سے الگ کر کے پڑھا جائے اور کسی حرف کو دوسرے حرف میں مدغم نہ کیا جائے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ تو ترتیل کا ادنیٰ درجہ ہے اور اس کا مکمل درجہ یہ ہے کہ قرآن کی قرأت اس کے مقاماتِ نزول کے لحاظ سے کی جائے یعنے جس مقام پر دھمکی اور خوف دلایا گیا ہے وہاں اسی طرح کا زور آواز میں پیدا کیا جاتا ہے اور جہاں تعظیم کا موقع ہے وہاں

پڑھنے والے کے لب و لہجے سے عظمت و جلال کا اندازہ ظاہر ہونے لگے۔" (اتقان نوع ۳۵)

اتقان کی اسی نوع میں ہے: "علماء نے سرعت کے ساتھ قرآن پڑھنے کو بالاتفاق مکروہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ترتیل کے ساتھ ایک جزء کی تلاوت اتنی ہی دیر میں جلدی کرکے بلا ترتیل دو جزء پڑھ لینے سے زیادہ افضل ہے۔ علماء کا قول ہے کہ ترتیل کے مستحب ہونے کا سبب یہ ہے کہ قاری قرآن کے مطالب پر غور کرے۔ اس کے ماسوا ٹھیر ٹھیر کر پڑھنا عظمت اور توقیر سے زیادہ قریب ہے اور دل پر بھی خوب اثر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے غیر عربی شخص کے لئے بھی جو قرآن کے معنے نہیں سمجھتا ترتیل مستحب قرار دی گئی ہے۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "تم قرآن کی قراءت کو نہ کشتی کے بادبان کی طرح دراز کرو اور نہ شعر کی طرح مختصر کرو۔ تم اس کی عجیب باتوں کے پاس ٹھیر جاؤ اور اس کے ذریعے سے دلوں کو حرکت دو اور تم میں کوئی یہ فکر نہ کرے کہ جس طرح بھی ہو سورۃ کے آخر ہی تک پڑھ جائے" (اتقان نوع ۳۵)۔

قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے انس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ "آپ کی قراءت دراز ہوتی تھی۔ پھر انھوں نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی اور بسم اللہ پر مد کیا اور الرحمن پر مد کیا اور الرحیم پر مد کیا" (بخاری باب مد القراءۃ)۔

یعلی بن مملک سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کی بابت استفسار کیا تو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کی اس طرح تعریف کی کہ آپ فصاحت کے ساتھ ایک ایک حرف الگ الگ پڑھا کرتے تھے (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)۔

خوش آوازی۔ قرآن کی قراءت میں خوش آوازی کا ضروری ہونا متعدد صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ شخص ہمارے کامل طریقے پر نہیں ہے جو قرآن میں خوش آوازی نہ کرے" (بخاری باب قول اللہ تعالیٰ واسروا قولکم)۔ براء بن عازب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم اپنی آوازوں سے قرآن کو زینت دو" (ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی، دارمی)۔ دارمی نے براء بن عازب سے ایک اور روایت کی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "تم لوگ قرآن کو اپنی آوازوں سے خوش نما بناؤ کیونکہ اچھی آواز قرآن کا حسن دوبالا کردیتی ہے۔"

اتقان (نوع ۳۵) میں ہے "پس اگر کوئی شخص خوش آواز نہ ہو تو جہاں تک اس سے ہوسکے اپنی آواز کو سنبھالنے اور درست بنانے کی کوشش کرے مگر نہ اتنی کہ بہت زیادہ درازی کی حد تک پہنچ جائے" یعنے اگر مد اور حرکات کے اشباع میں اس قدر زیادتی کی جائے کہ فتحے سے الف، ضمے سے واؤ اور کسرے سے یے کی آواز پیدا ہو اور وہ راگ کی طرح ہوجائے تو جمہور علماء اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ زوائد الروضہ کے حوالے سے اتقان (نوع ۳۵) میں ہے

"اور صحیح یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت پر عمداً پڑھنا حرام ہے۔ قاری اور سامع دونوں اس کی وجہ گنہ گار ہو جاتے ہیں، کیونکہ یہ طریقہ قرات قرآن کے صحیح اور صحیح طریقے سے الگ ہو جانے کا سبب ہے" اور امام شافعی نے کراہت سے یہی مراد لی ہے۔"

رزین، طبرانی اور بیہقی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم قرآن کو عرب کی آواز اور لحن میں پڑھو اور اہل فسق اور اہل کتاب کے لحن سے بچتے رہو اور میرے بعد ایک ایسی قوم پیدا ہو گی جو قرآن کو اس طرح مکرر پڑھیں گی جس طرح کہ گانے والے اور نوحہ پڑھنے والے تکرار کیا کرتے ہیں۔ قرآن ان کے حلق کے نیچے نہ اتریگا ان کے دل دھوکے میں پڑے ہونگے اور ان کے دل بھی جن کو ایسا طریقہ پسند ہو گا۔"

خضوع و خشوع۔

خدائے تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ

اور ول میں عاجزی اور خوف سے اپنے رب کو یاد کرو اور بغیر زور کی آواز کے صبح و شام یاد کرتے رہو اور اس کی یاد سے غافل نہ ہو۔ ع ۲۴ پ ۹ اعراف ۲۰۶۔

إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهِ إِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا

جن لوگوں کو اس قرآن سے پہلے آسمانی کتابوں کا علم دیا گیا ہے جب یہ قرآن ان کے روبرو پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں۔

وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ﴿۱۰۹﴾

اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں روتے ہیں اور یہ (قرآن) ان کی عاجزی (خشوع) بڑھاتا ہے ﴿۱۰۹﴾ ع ۱۲ پ ۱۵ بنی اسرائیل ۱۰۹۔

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ

اور اے محمد عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری دو یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل لرز اٹھتے ہیں ﴿۳﴾ ع ۵ ج ۹۰۔

انسان پر خضوع و خشوع کی حالت اس وقت طاری ہو سکتی ہے جب وہ قرآن کو اچھی طرح سمجھ کر پڑھے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "تم مجھ کو قرآن پڑھکر سناؤ تو میں نے عرض کیا کہ میں آپ کو قرآن پڑھکر سناؤں حالانکہ قرآن آپ ہی پر نازل ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے غیر شخص سے سننا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ تو میں نے آپ کو سورۂ نساء پڑھکر سنانی شروع کی۔ جب میں اس آیت پر پہنچا فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا

مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا (یعنے کیا حال ہوگا جب ہم ہر ایک امت سے ایک حال بتانے والا لائینگے اور تم کو ان سب کے حال بتانے کی غرض سے بلائینگے ۵ ع ۴ ۹) تو آپ نے فرمایا اب بس کرو۔ میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے" (بخاری البکاء عند قراءۃ القرآن)۔ رزین نے اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا "گذشتہ لوگوں میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو قرآن کی تلاوت کے وقت بے ہوش ہو جاتا ہو اور چیختا چلاتا ہو البتہ وہ لوگ روتے تھے اور ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے پھر ان کے جسم اور دل نرم ہوکر ذکر الٰہی کی طرف (راغب) ہو جاتے تھے"۔

آیتوں کا جواب۔ قرآن کی قرات شروع کرنے سے پہلے "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ" (میں مردود شیطان سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں) پڑھنا چاہئے۔ سورہ نحل ۶، ۷ میں ہے:-

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ۹ — اور جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو ۹ ع ۱۳۔

ہر ایک سورۃ کا آغاز "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" سے (یعنے اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا مہربان ہے) ہونا چاہئے۔ اتقان (نوع ۳۵) میں فرّا کا قول منقول ہے "اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ" الآیہ (اس کی طرف قیامت کے علم کا حوالہ دیا جا سکتا ہے ۳ ع فصلت ۹ ۵) اور "وَهُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ" الآیہ (اور وہی ہے جس نے باغ پیدا کئے ۱ ع انعام ۳ ۵) اور اسی قسم کی دوسری آیتوں کی قرات کے وقت (یعنے ان آیتوں سے قرات آغاز کرتے وقت جن میں ضمیر ہو اور ضمیر کا مرجع ماقبل کی آیتوں میں ہو تو) اعوذ باللہ کے بعد بسم اللہ کا پڑھنا بھی ضروری ہے کیونکہ محض اعوذ باللہ کے بعد ان آیتوں کے پڑھنے میں یہ خرابی واقع ہوتی ہے کہ شیطان کی طرف ضمیر کے پھرنے کا وہم پیدا ہوتا ہے"۔ ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تم میں سے جو شخص سورہ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ پڑھے اور اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ (کیا اللہ سب حاکموں کا بڑا حاکم نہیں ہے) تک پہنچے تو اس کو اس کے بعد یہ ضرور کہنا چاہئے بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ (بیشک ہے اور میں اس کا شاہد ہوں)۔ اور جو شخص سورۃ لَاۤ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ پڑھے اور اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى (کیا خدا کو مردے کے زندہ کرنے کی قدرت نہیں ہے) تک پہنچے تو اس کو اس کے بعد یہ ضرور کہنا چاہئے بَلٰى وَعِزَّةِ رَبِّنَا (بیشک ہے قسم ہے ہمارے پروردگار کی عزت کی)۔ اور جو شخص سورہ وَالْمُرْسَلٰتِ پڑھے اور فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ (اب اس کے بعد کونسی بات ہے جس سے یہ لوگ ایمان لائینگے) تک پہنچے تو اس کو اس کے بعد یہ کہنا چاہئے "اٰمَنَّا بِاللّٰهِ تَعَالٰى" (ہم اللہ تعالےٰ پر ایمان لاتے ہیں)۔ ابوداؤد نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ "جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى

اپنے پروردگار عالیشان کے نام کی تسبیح کیا کرو) پڑھتے تو فرماتے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَىٰ" (پاک ہے میرا عالیشان پروردگار)
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب امام غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ پڑھے تو تم آمین کہو (یعنی اے پروردگار ہماری دعا کو قبول فرما)" (بخاری باب غیر المغضوب علیہم)
مسلم میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ "ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ نے سورۃ البقرہ شروع کرکے اسے تمام کیا پھر سورۃ النسا بھی آپ نے شروع سے آخر تک پڑھی اس کے بعد سورۂ آل عمران کو آغاز کرکے اس کو بھی ختم کیا۔ اور آپ ٹھیر ٹھیر کر پڑھتے تھے۔ جس وقت کسی ایسی آیت پر پہنچے جس میں خدائے تعالیٰ کی تسبیح ہوتی تو آپ سبحان اللہ کہتے۔ سوال کی آیت پڑھتے تو دعا مانگتے۔ تعوذ کی آیت پڑھتے تو پناہ طلب کرتے تھے"

سجدۂ تلاوت۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾　　تو ان لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ایمان نہیں لاتے[۲۰]

وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ﴿٢١﴾　　اور جب ان کے روبرو قرآن پڑھا جائے تو سجدہ نہیں کرتے ﴿٢١﴾ انشقاق ۸۴۔

جن آیتوں کو پڑھکر یا سن کر سجدہ کرنا ضروری ہے وہ حسب ذیل چودہ ہیں۔

(۱) سورۂ علق نمبر ۱ کی آخری آیت　　(۸) سورۂ نحل ۶۷ ع کی آخری آیت
(۲) 〃 نجم ۲۰ کی آخری آیت　　(۹) 〃 رعد ۷۰ ع کی آٹھویں آیت
(۳) 〃 فرقان ۴۱ ع کی آخری آیت　　(۱۰) 〃 سجدہ ۷۳ ع کی چوتھی آیت
(۴) 〃 اعراف ۳۶ کی آخری آیت　　(۱۱) 〃 بنی اسرائیل ۴۷ ع کی نویں آیت
(۵) 〃 مریم ۴۳ ع کی آٹھویں آیت　　(۱۲) 〃 انشقاق ۸۳ کی اکیسویں آیت
(۶) 〃 نمل ۴۷ ع کی گیارھویں آیت　　(۱۳) 〃 حج ۹۰ ع کی آٹھویں آیت
(۷) 〃 فصلت ۵۹ ع کی چوتھی آیت　　(۱۴) 〃 حج ۹۰ ع کی پانچویں آیت

مذکورہ آیتوں کے علاوہ سورہ ص ۳۵ ع کی گیارھویں آیت پر بھی سجدہ کرنا مستحب ہے۔

بے وضو تلاوت۔ اتقان (نوع ۳۵) میں ہے:۔ قرآن پڑھنے کے لئے وضو کرنا مستحب ہے کیونکہ وہ ذکروں میں افضل ترین ذکر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحالت ناپاکی خدا کا نام لینا برا خیال کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ امام الحرمین نے لکھا ہے کہ بے وضو شخص کے لئے قرآن پڑھنے میں کوئی برائی نہیں کیونکہ صحیح روایتوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بلا وضو بھی قرآن پڑھنا ثابت ہو چکا ہے۔ اور اگر حالت قرأت میں وضو ٹوٹ

والی چیز کے خروج کا احساس ہو تو قرأت روک دے یہاں تک کہ اس حالت سے فراغت مل جائے مگر جس آدمی (جس پر غسل واجب ہو) اور حائضہ عورت اُن پر قرآن کی قرأت حرام ہے۔ ہاں وہ مصحف کو دیکھکر دل میں اس کی آیتوں کو خیال کر سکتے ہیں۔ اور جس شخص کا موئنہ ناپاک ہو اس کے لئے قرأت مکروہ اور بقولِ بعضے اسی طرح حرام ہے جیسے بے طہارت ہاتھوں سے قرآن کو چھونا۔

قرآن میں غور وفکر

خدائے تعالےٰ فرماتا ہے :-

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

(یہ) برکت والی کتاب ہے جو ہم نے تمھاری طرف اتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہلِ عقل نصیحت پکڑیں ﴿۲۹﴾ ع ص ۲۵۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾

اور وہ لوگ کہ جب ان کو پروردگار کی آیتیں سنا کر نصیحت کی جاتی ہے تو ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ غور وفکر سے سنتے ہیں) ﴿۷۳﴾ ع فرقان ۱۴۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾

تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر یہ (قرآن) خدا کے سوا (کسی اور) کے پاس سے آیا ہوتا تو اس میں بہت سے اختلاف پاتے ﴿۸۲﴾ ع نساء م ۹۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰي قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾

تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں ﴿۲۴﴾ ع محمد ۱۰۰۔

جس طرح موجوداتِ عالم مظاہر قدرت ہیں اور ان پر غور وخوض کرنے سے انسان کے تجربے اور معلومات کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے اسی طرح قرآن کی آیات بھی خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں ان پر بھی غور وفکر کرنا علم وعقل کی زیادتی کا بہت بڑا سبب ہے۔

حٰمٓ ﴿۱﴾

حٰم ﴿۱﴾

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾

یہ کتاب اللہ غالب (اور) حکمت والے کی طرف سے اتری ہے ﴿۲﴾

اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾

بیشک آسمانوں اور زمین میں ایمان والوں کے لئے نشانیاں ہیں

(یعنے نشانیاں) ہیں ③

وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ④

اور تم لوگوں کے پیدا کرنے میں اور اس میں جو وہ جانور زمین پر سے پھیلاتا رہتا ہے ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو یقین رکھتے ہیں ④

وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ⑤

اور رات اور دن کے اختلاف میں اور اس میں جو اللہ بادل سے رزق اتارتا ہے پھر اس کے ذریعے سے زمین کو مرے پیچھے زندہ کر دیتا ہے اور ہواؤں کے ہیر پھیر میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں ⑤۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ⑥

(اے محمد یہ بھی حقیقت میں) اللہ کی نشانیاں (یعنے آیات) ہیں جو ہم تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں تو (اب) اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد کس بات پر (یہ لوگ) ایمان لائینگے ⑥ ع جاثیہ ۶۳۔

قرآن میں محکم آیات بھی ہیں اور متشابہ بھی۔ قرآن کے بعض الفاظ کو نص کہا جاتا ہے اور بعض کو ظاہر، بعض لفظ مجمل کہلاتے ہیں اور بعض مؤوّل۔ اس کے علاوہ قرآن میں چند ایسی آیتیں بھی ہیں جن کے متعلق خیال ہے کہ وہ دوسری آیتوں کو یا ان کے احکام کو منسوخ کر دیتی ہیں۔ اسلئے قرآن پر غور و فکر کرنے اور اس کے مطالب سے پوری طرح واقف ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ محکم، متشابہ، نص، ظاہر، مجمل، مؤوّل، ناسخ اور منسوخ کا علم حاصل کیا جائے۔ ان علوم پر علماء نے ہزاروں صفحے سیاہ کر ڈالے ہیں اور متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں قرآن کے مطالعے سے بجائے اس کے کہ تشفی اور اطمینان حاصل ہو اور زیادہ الجھن بڑھ جاتی ہے۔ ہم نے ان علوم پر بہت کچھ محنت اور غور و فکر کرنے کے بعد جو تشفی بخش باتیں حاصل کی ہیں وہ یہاں نقل کی جاتی ہیں۔ ان کو پڑھ کر ناظرین معلوم کرینگے کہ یہ باتیں درحقیقت ایسی پیچیدہ اور مشکل نہیں ہیں جیسی کہ وہ بادی النظر میں دکھائی دیتی ہیں۔

محکم و متشابہ

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ①

الٓرٰ۔ یہ کتاب ہے جس کی آیتیں محکم (یعنے مضبوط) بنائی گئی ہیں پھر مفصل (یعنے کھول کر) بیان کی گئی ہیں حکمت والے باخبر (خدا) کی طرف سے ہے ① ع ہود ۵۰۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲﴾

اللہ نے بہترین کلام (یعنے یہ) کتاب اتاری۔ (جس کی آیتیں ایک دوسرے سے) متشابہ (یعنے ملتی جلتی) ہیں (اور بار بار) دہرائی گئی ہیں، اس (کے سننے) سے ان لوگوں کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں پھر ان کے بدن اور ان کے دل اللہ کے ذکر کے لئے نرم ہو جاتے ہیں۔ یہ (قرآن) اللہ کی ہدایت ہے، وہ (یعنے اللہ) اس کے ساتھ جسے چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے۔ اور جسے اللہ گمراہ کرے تو پھر اس کے لئے کوئی بھی راہ نما نہیں ﴿۲﴾ ع زمر ۷-۵۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ڤ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ڤ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۷﴾

(اے محمد) وہی ہے جس نے تم پر یہ کتاب اتاری جس (میں) سے بعض آیتیں محکمات (یعنے مضبوط اور صاف صاف معنے والی) ہیں کہ وہی اصل کتاب ہیں اور دوسری (آیتیں) متشابہات (یعنے ملتی جلتی پہلو دار) ہیں۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس (قرآن) کے ان ہی متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تاکہ فتنہ پیدا کریں اور تاکہ اس کی تاویل کریں، حالانکہ اس کی تاویل کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور ان لوگوں کے (یا اور وہ لوگ) جو علم میں پکے ہیں، وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے (یہ) سب ہمارے رب کی طرف سے ہے، اور عقل والوں کے سوائے کوئی نصیحت قبول نہیں کرتا ﴿۷﴾

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾

(اور یہ لوگ دعا مانگتے ہیں کہ) اے ہمارے پروردگار جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ ہونے دے اور اپنے پاس سے ہم کو رحمت عطا فرما، کچھ شک نہیں کہ تو بڑا دینے والا ہے ﴿۸﴾ ع آل عمران ۹-۸۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا

اور (اے محمد) ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا اور نہ

نَبِيٍّ إِلَّآ إِذَا تَمَنّٰٓى أَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيٓ أُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾

کوئی نبی مگر جب اس نے کوئی تمنا کی شیطان نے اس کی تمنا میں (وسوسہ) ڈال دیا، پس اللہ اس کو مٹا دیتا ہے جو (وسوسہ) شیطان ڈالتا ہے، پھر اللہ اپنی آیتوں کو محکم (مضبوط) کر دیتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے ۵۲

لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَإِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾

تاکہ وہ اس (وسوسے) کو جو شیطان ڈالتا ہے ان لوگوں کے لئے ذریعۂ آزمائش بنائے جن کے دلوں میں مرض ہے اور جن کے دل سخت ہیں اور کچھ شک نہیں کہ (یہ) ظالم تو پرلے درجے کی مخالفت میں ہیں ۵۳

وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَإِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾

اور تاکہ وہ جنھیں علم دیا گیا ہے جان لیں کہ بے شک وہ (یعنی وحی) تمھارے پروردگار کی طرف سے حق ہے پس وہ اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل خدا کے آگے عاجزی کریں بیشک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے سیدھے رستے کی طرف ہدایت کرتا ہے ۵۴

ع حج ۹۰ -

محکم لغت میں مضبوط اور استوار کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں محکم کے معنے ممنوع کے ہیں یعنے محکم آیتوں میں ان کی ظاہری دلالت کے سوا اور دوسری تاویلات منع ہیں۔ محکمات سے مراد وہ آیات ہیں جن کے معنے واضح ہیں، جن کی دلالت ظاہر ہے اور جن کی عبارت مضبوط ہے۔ ان آیتوں میں ان کے واضح معنے اور ظاہری دلالت کے سوا اور دوسرے احتمالات و تاویلات کی گنجائش نہیں۔ یہی آیتیں ام الکتاب یعنے قرآن کی جڑ یا اصل الاصول ہیں۔

متشابہ مشتق ہے شُبہ سے اور شِبہ کے معنے مماثلت کے ہیں۔ اسلئے متشابہات وہ آیتیں ہیں جو ایک دوسرے کے مشابہ یعنے مانند ہیں۔ اصطلاح تفسیر میں متشابہات اُن آیات کو کہتے ہیں جو لفظ کی حیثیت سے یا معنے کے لحاظ سے کئی قسم کے مساوی احتمالات رکھتی ہیں۔

سورۂ ہود ۱ میں کِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ (کتاب جس کی آیتیں محکم بنائی گئی ہیں) سے یہ جو پایا جاتا ہے کہ پورا قرآن محکم ہے، سورہ زمر ۲۳ میں كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا (کتاب متشابہ) سے یہ جو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی تمام آیتیں متشابہ ہیں اور سورۂ آل عمران ۷ میں مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ (جس میں سے بعض آیتیں

محکمات ہیں کہ وہی اصل کتاب ہیں اور دوسری آیتیں متشابہات ہیں) سے قرآن کی بعض آیتوں کا محکم ہونا اور بعض کا متشابہ
ہونا ثابت ہے تو اس سے نہ تو ایک دوسرے کی نفی ہوتی ہے اور نہ مخالفت۔ کیونکہ سورۂ ہود ۵۰ اور سورۂ زمر ۵۷ میں
جو مکی سورتیں ہیں، محکم اور متشابہ سے مراد ان کے لغوی معنے ہیں۔ پہلی آیت (یعنے کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُهٗ) میں قرآن کے
محکم ہونے سے اس کا مضبوط اور اس بات کے ناقابل ہونا مراد ہے کہ اس میں کوئی تحریف یا اختلاف داخل ہوسکے۔ اور دوسری
آیت (یعنے کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا) میں قرآن کو متشابہ کہنے سے یہ مقصد ہے کہ قرآن کی آیتیں حق، صدق اور اعجاز میں ایک دوسرے
سے متشابہ یعنے ملتی جلتی ہیں" (اتقان نوع ۴۳)۔ تمام قرآن کا محکم اور متشابہ ہونا قرآن کی ایک بہت بڑی فضیلت
ہے کیونکہ اسی محکمی کی وجہ سے قرآن میں کمی زیادتی، تغیر اور تبدل کی ذرہ برابر بھی گنجایش نہیں ہے اور متشابہ کی وجہ سے
اس میں شروع سے لیکر آخر تک بالکل یکسانیت ہے اور کسی قسم کا فرق و اختلاف نہیں پایا جاتا۔ سورۂ آل عمران ۷ میں محکم
اور متشابہ سے ان کے اصطلاحی معنے مراد ہیں۔ یہ سورۃ مدنی ہے۔ مکہ میں عموماً جہلا سے مقابلہ تھا۔ مدینے میں علمائے اہل کتاب سے
سابقہ پڑا جو بات بات میں کھینچ تان نکالتے اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ عیسائی بی بی مریم کو خدا کی جورو اور حضرت
عیسیٰ کو خدا کا بیٹا اور [illegible] کہتے اور یہ دلیل لاتے تھے کہ آسمانی کتابوں میں ان کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے اور مسلمانوں کو یہ کہکر
برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ خود قرآن میں بھی حضرت مسیح کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ کہا گیا ہے تو خدائے تعالےٰ
نے اس سورۃ میں جس میں زیادہ تر عیسائیوں کو مخاطب کیا گیا ہے اور بی بی مریم اور حضرت عیسیٰ کا قصہ بیان ہوا ہے
اپنے دو اوصاف بیان کرتے ہوئے جن سے عیسائیوں کے ان خیالات اور حضرت عیسیٰ کی ابنیت و الوہیت کی تردید ہوتی
ہے یہ فرمایا ہے "(اے محمد) وہی ہے جس نے تم پر یہ کتاب اتاری جس میں سے بعض آیتیں محکمات ہیں کہ وہی اصل کتاب
ہیں اور دوسری (آیتیں) متشابہات ہیں۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس (قرآن) کے ان ہی متشابہات
کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تاکہ فتنہ پیدا کریں۔" اگلی کتابوں میں بھی متشابہات تھیں اور لوگ ان کی غلط سلط تاویل کرکے ان
سے اپنے حسب مطلب معنے نکال لیتے، من مانے عقاید گھڑ لیتے اور لوگوں کو گمراہ کردیتے تھے۔ ان لوگوں نے قرآن میں بھی
یہی بات پیدا کرنی چاہی تھی مگر خدا نے مذکورہ آیت سے مسلمانوں کو خبردار کردیا۔

قرآن میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو صاف اور واضح ہیں اور جو بلا کسی تاویل اور دقت کے آسانی کے
ساتھ سمجھ میں آجاتی ہیں، اور یہ اصولِ دین، احکامِ شریعت، فرایض، اوامر و نواہی، وعد و وعید، امورِ اخلاق اور اسی قسم
کی دوسری باتیں ہیں۔ اسی طرح قرآن میں بہت سی ایسی آیتیں بھی ہیں جن کے الفاظ کے معنے کئی کئی طور پر کئے جاسکتے ہیں۔
جب ایک ہی آیت کے دو یا زیادہ معنے ہوں تو یقیناً اشتباہ پیدا ہوسکتا ہے کہ آیا یہ معنے صحیح ہیں یا وہ معنے۔ اس صورت میں
جو لوگ سمجھدار ہیں اور جن کا مقصد صرف حق کی تلاش اور اس کی پیروی ہے وہ سیاقِ کلام اور دوسری "ملتی جلتی"
آیتوں پر غور کرکے ایک معنے ٹھیرا لیتے ہیں اور یہ دعا مانگتے ہیں کہ "اے ہمارے پروردگار جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس

کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ ہونے دے اور اپنے پاس سے ہم کو رحمت عطا فرما کچھ شک نہیں کہ تو بڑا دینے والا ہے" مگر جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ نہ تو سیاق کلام کو دیکھتے ہیں اور نہ دوسری ملتی جلتی آیتوں پر غور کرتے ہیں۔ وہ محکم آیات یعنی اصول کو نظر انداز کر جاتے ہیں اور فقط متشابہ آیات کے پیچھے پڑ جاتے اور من مانی تاویل کر کے فتنے پیدا کرتے ہیں بخاری نے (باب منہ آیاتٌ محکماتٌ میں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ کی اولوا الالباب تک تلاوت فرمائی۔ پھر حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر تم جب ان لوگوں کو دیکھو جو قرآن کے متشابہ کی اتباع کرتے ہیں تو یہ وہی لوگ ہیں جن کا نام اللہ نے (اس آیت میں) لیا ہے تم ان لوگوں سے پرہیز کرنا۔"

قرآن کی آیات کی تاویل کرنا کوئی ناجائز کام نہیں ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ دعا فرمائی تھی کہ "اے اللہ تو اس کو دین کی سمجھ دے اور تاویل سکھا۔" ہر چیز کی اچھائی اور برائی نیت پر موقوف ہے فتنہ پیدا کرنے کی نیت سے قرآن کی آیتوں کی تاویل کرنا بڑا ہی نالائق کام ہے جس کے مرتکب وہی ہوتے ہیں جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے۔ ہم کو جاننا چاہیے کہ اگرچہ ہر ایک شخص اپنی عقل اور سمجھ اور اپنے مبلغ علم کے مطابق اپنی جمعیت کے اطمینان کے لئے ہر متشابہ آیت کے کوئی معنے ٹھیرا لے سکتا ہے، مگر "متشابہ آیتوں کی (اصلی) تاویل کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور ان لوگوں کے (یا اور وہ لوگ) جو علم میں پکے ہیں (وہ) کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور عقل والوں کے سوا کوئی نصیحت قبول نہیں کرتا۔" آیت کے اس آخری حصے کی قرأت دو طرح سے کی گئی ہے ایک تو یہ کہ اِلَّا اللّٰهُ پر وقف نہ کیا جائے اور والراسخون کی واؤ عاطفہ لی جائے تو اس آیت کا یہ ترجمہ ہوگا "اس کی تاویل کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور ان لوگوں کے جو علم میں پکے ہیں۔" یعنے اللہ اور وہ لوگ جو علم میں پکے ہیں ان آیتوں کی تاویل جانتے ہیں۔ دوسری قرأت میں اِلَّا اللّٰهُ پر وقف کرتے ہیں" والراسخون سے دوسرا جملہ شروع کرتے یہ ترجمہ کرتے ہیں" ان کی تاویل سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا اور وہ لوگ جو علم میں پکے ہیں کہتے ہیں"۔ الخ

ضحاک کا یہ قول ہے کہ راسخون فی العلم (وہ لوگ جو علم میں پکے ہیں) متشابہ آیات کی تاویل جانتے ہیں۔ اگر ان لوگوں کو اس کی تاویل معلوم نہ ہوتی تو وہ قرآن کے ناسخ کو منسوخ سے، اس کے حلال کو حرام سے اور اس کے محکم کو متشابہ سے الگ نہ پہچان سکتے۔ نوویؒ نے اس قول کو بہت پسند کیا ہے۔ چنانچہ وہ مسلم کی شرح میں کہتے ہیں: "یہ بے شک صحیح ترین قول ہے کیونکہ یہ بات بالکل بعید از فہم ہے کہ خداوند کریم اپنے بندوں سے ایسی باتوں کے ساتھ خطاب فرماتا جن کو اس کی مخلوق میں سے کوئی جان نہ سکے (اتقان، نوع ۴۳)۔

امام جبیؒ کا قول ہے "خدا نے راسخون فی العلم جو ارشاد فرمایا ہے تو اس کی علت یہ ہے کہ رسوخ (استواری)

عام طور سے غور و تامل اور سخت کوشش کے بعد حاصل ہوا کرتا ہے۔ اس لئے جب قلب رہنمائی کے طریقوں پر ثابت قدم ہو جائیگا اور انسان کے قدم علم میں مضبوط ہو جائینگے تو ایسا شخص حق بات کے سوا زبان سے اور کچھ نہ نکالیگا۔ اور راسخین فی العلم کی دعا اس بات کی بہت کافی اور زبردست شہادت ہے کہ راسخون فی العلم ان لوگوں کے مقابلے میں آئے ہیں جن کی نسبت خدا کا قول ہے "وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے" (اتقان نوع ۴۳) عام لوگوں کو علم میں یہ دستگاہ حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ "قرآن اس واسطے ہرگز نازل نہیں ہوا ہے کہ اس میں سے بعض حصہ اس کے بعض حصے کی تکذیب کرے۔ لہٰذا جس قدر اس میں سے تمھاری سمجھ میں آجائے اس پر عمل رکھو اور جو متشابہ معلوم ہو اس پر ایمان لاؤ" (روایت ابن مردویہ۔ اتقان نوع ۴۴)۔

نص، ظاہر، مجمل، موؤل یہ چاروں کوئی علیحدہ علیحدہ مستقل عنوان نہیں ہیں بلکہ یہ درحقیقت محکم اور متشابہ کے اقسام ہیں۔ محکم کی دو قسمیں ہیں نص اور ظاہر۔ اسی طرح متشابہ کی بھی دو قسم ہیں مجمل اور موؤل۔ جو لفظ جس معنے کے لئے وضع کیا گیا ہو اس میں اس معنے کے سوا اور دوسرے معنے کا احتمال نہ ہو تو وہ نص ہے۔ اگر اس لفظ میں دوسرے معنے کا احتمال ہو اور ان دونوں معنوں میں سے ایک قوی اور دوسرا ضعیف ہو تو اس کو ظاہر کہتے ہیں۔ اگر یہ لفظ دوسرے معنے کے احتمال کے ساتھ دونوں معنوں پر مساوی طور سے دلالت کرے تو اس کا نام مجمل ہے۔ اور اگر وہ دونوں معنوں پر مساوی طور سے دلالت نہ کرے بلکہ اس کی دلالت ایک معنے پر کم اور دوسرے معنے پر زیادہ ہو تو یہ موؤل کہلاتا ہے۔ امام طیبیؒ لکھتے ہیں "جو لفظ نص اور ظاہر کے اوصاف میں شرکت رکھتا ہے وہ محکم ہے اور جو مجمل اور موؤل کے اوصاف میں شترک پایا جائے وہ متشابہ ہے (اتقان نوع ۴۳)۔

ناسخ ومنسوخ

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۲﴾	حٰمٓ ﴿۱﴾ اس کتاب کا اتارنا اللہ غالب (اور) دانا کی طرف سے ہے ﴿۲﴾
غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۖ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾	(جو) گناہ کا بخشنے والا اور توبہ کا قبول کرنے والا (اور) سخت سزا دینے والا (اور نیکوں پر) فضل کرنے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ﴿۳﴾
مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ﴿۴﴾	خدا کی آیتوں میں جھگڑا نہیں کرتے مگر وہی لوگ جو کافر ہیں۔ تو (اے محمدؐ) ان لوگوں کا شہروں میں چلنا پھرنا تم کو دھوکے میں نہ ڈالے ﴿۴﴾ ع مومن ۵۸۔

وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَكَانَ آيَةٍ ۙ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ①

اور جب ہم کوئی آیت کسی آیت کی جگہ بدل دیتے ہیں اور اللہ ہی اس (کی مصلحتوں) کو خوب جانتا ہے جو وہ نازل فرماتا ہے، تو (کافر تم سے) کہنے لگتے ہیں کہ بس تم تو ازخود گھڑ لیا کرتے ہو بلکہ (بات یہ ہے کہ) ان میں سے اکثر لوگ (ان باتوں کو) جانتے ہی نہیں ①

قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ②

(اے محمد ان لوگوں سے) کہہ دو کہ اس کو روح القدس (یعنے جبرئیل) تمہارے رب کے پاس سے حق (یعنے سچائی) کے ساتھ لایا ہے تاکہ جو لوگ ایمان لا چکے ہیں خدا ان کو ثابت قدم رکھے اور فرمانبرداروں کے حق میں ہدایت اور خوش خبری ہو ② سورۂ نحل ۶۷ -

مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ③

اہل کتاب میں سے جو لوگ کافر ہیں وہ پسند نہیں کرتے اور نہ ہی مشرک (پسند کرتے ہیں) کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی بھلائی نازل کی جائے اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑا فضل والا ہے ③

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ④

(اے محمد) ہم جو کسی آیت کو منسوخ کرتے یا اسے بھلا دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس جیسی لاتے (بھی) ہیں، کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ④ سورۂ بقرہ ۸۷

مندرجۂ بالا آیتوں میں ایک جگہ ہے "جب ہم کوئی آیت کسی آیت کی جگہ بدل دیتے ہیں" اور دوسری جگہ ہے:- "ہم جو کسی آیت کو منسوخ کرتے یا اسے بھلا دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس جیسی لاتے ہیں۔" قرآن میں صرف یہی دو مقام ہیں جہاں آیتوں کے بدلنے یا کسی آیت کو منسوخ کرنے یا اس کو بھلا دینے اور اس کی جگہ اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لانے کا ذکر ہوا ہے۔ آیت کے عام معنے ظاہر نشان کے ہیں۔ قرآن میں مظاہر قدرت، آثار قدرت، دلیل، معجزہ، پیغام، ہدایت اور قرآن کی عبارت کے فقرے کے لئے بھی آیت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اکثر مفسرین مندرجۂ بالا اقتباسات میں آیت کے لفظ سے قرآن کی آیت (یعنے فقرہ) مراد لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا نے قرآن کی کچھ آیتیں منسوخ کر دیں اور کچھ آیتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے ذہن سے اتار دیا اور ان کے عوض ان سے بہتر یا ان جیسی دوسری آیتیں نازل

فرمادیں۔

بعض مفسرین یہ بیان کرتے ہیں کہ یہاں آیت کے لفظ سے قرآن کا فقرہ یا جملہ مراد نہیں ہے بلکہ اس سے وہ پیغام مراد ہے جو اگلے پیغمبروں پر ان کی کتابوں میں نازل کیا گیا تھا۔ خدا نے انہی سابقہ پیغامات میں سے چند کو منسوخ کر دیا یا ان کو فراموش کرا دیا اور ان کے عوض ان سے بہتر یا ویسی ہی باتیں قرآن میں نازل فرمادیں۔

بعض دوسرے مفسرین آیت مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا میں آیت سے مراد آثار قدرت (یعنے قوموں کی بلندی و پستی) لیتے ہیں اور یہ تفسیر کرتے ہیں کہ یہ آیت ما قبل کی آیتوں سے متعلق ہے جن میں بنی اسرائیل کی بداعمالیوں اور گمراہیوں اور ان پر خدا کے غضب اور پھٹکار کا بیان ہوا ہے۔ جب خدا نے بنی اسرائیل سے ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے اپنی تمام دینی اور دنیوی نعمتیں چھین لیں اور ان کو ذلیل ترین قوم بنا دیا اور ان کے مقابلے میں بنی اسمٰعیل یعنے پیغمبر آخر الزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت اور حکومت عطا فرمائی تو بنی اسرائیل لگے مونہہ چڑانے اور اعتراض کرنے۔ کیونکہ وہ اپنے سوا کسی اور کو نبوت اور حکومت کا اہل نہیں سمجھتے تھے تو خدائے تعالےٰ جواباً فرماتا ہے "اہل کتاب میں سے جو لوگ کافر ہیں وہ پسند نہیں کرتے اور نہ ہی مشرک (پسند کرتے ہیں) کہ تمھارے رب کی طرف سے تم پر کوئی بھلائی نازل کی جائے اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑا فضل والا ہے (۳) (اے محمدؐ) ہم جو کسی آیت (یعنے اثر قدرت) کو مٹا ڈالتے یا نسیاً منسیاً کر دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس جیسی (قدرت کی نشانیاں بھی) لاتے ہیں کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے (۴) سورۂ بقرہ ۸۔

جو علماء قرآن میں ناسخ و منسوخ کے قائل ہیں وہ نسخ کی تین قسمیں قرار دیتے ہیں (۱) جس کی تلاوت منسوخ ہوئی مگر حکم منسوخ نہیں ہوا۔ (۲) جس کا حکم منسوخ ہو گیا مگر اس کی تلاوت باقی ہے (۳) جس کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہو گئے۔

منسوخ التلاوۃ اس قسم کے منسوخ کی مثال میں عموماً "آیت رجم" اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوهُمَا الْبَتَّةَ (یعنے جب بوڑھا اور بوڑھی زنا کریں تو ان کو ضرور سنگسار کرنا) پیش کی جاتی ہے۔ اس کے متعلق بخاری اور مسلم (کتاب الحدود) میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت عمرؓ کو خطبے میں یہ فرماتے ہوئے سنا "خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو برحق بھیجا اور ان پر کتاب نازل فرمائی سو ان چیزوں میں سے جو آپ پر اللہ نے اتاریں رجم کی آیت بھی تھی۔ ہم نے اس کو پڑھا یاد کیا سمجھا اور متعین کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم (سنگسار) کیا اور آپ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ مجھے اس بات کا خوف ہے کہ جب زیادہ زمانہ گذر جائے تو کوئی یہ نہ کہنے لگے کہ ہم رجم کی آیت کو خدا کی کتاب میں نہیں پاتے پھر وہ لوگ اس فرض کو ترک کر کے گمراہ ہونگے جس کو خدا نے نازل فرمایا ہے۔ اور رجم حق ہے خدا کی کتاب میں اس شخص پر جو محصن (یعنے شادی شدہ) ہو مردوں اور عورتوں میں سے جب (زنا کے ثبوت پر) دلیل قائم ہو جائے یا حمل رہ گیا ہو یا

خود ان کو اقرار ہو۔"

یہ بات مسلم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ فوراً کسی کاتبِ وحی کو بلوا کر لکھوا دیتے تھے۔ اس طرح تمام نازل شدہ وحی بے کم و کاست آپ کی زندگی ہی میں متفرق چیزوں پر لکھی جا چکی تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قرآن کے تمام متفرق اجزا اس طرح اکٹھے کرلئے گئے کہ ایک آیت تو کیا ایک حرف کی بھی فروگذاشت نہ ہوسکی۔ اگر رجم کی مذکورہ آیت واقعی قرآن کی آیت ہوتی تو یہ بھی نزول کے ساتھ ہی لکھوائی گئی ہوتی اور ان متفرق چیزوں پر لکھی ہوئی وحی میں ضرور پائی جاتی اور متعدد صحابہ یا کم از کم مشہور کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابت کو جنھوں نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ان کے حکم سے قرآن کو جمع کیا تھا اس کے قرآنی آیت ہونے کا علم ہوتا مگر حالت یہ ہے کہ سوائے حضرت عمرؓ کے کوئی ایک صحابی بھی اس سے واقف نہیں ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے حضرت زید بن ثابت نے قرآن کو جس احتیاط سے جمع کیا تھا اس کے متعلق اتقان (نوع ۱۸) میں ہے: "اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زید بن ثابت قرآن کو محض لکھا ہوا پانے ہی پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ اس کے متعلق ان لوگوں سے شہادت بھی بہم پہنچا لیتے تھے جنھوں نے اس آیت کو سنکر یاد کرلیا تھا اور اس کے علاوہ خود زیدؓ قرآن کے حافظ تھے۔ غرضکہ قرآن کو مکتوب پانے اور خود حافظ ہونے پر بھی ان کا دو شہادتوں کو بہم پہنچا کر اسے مصحف میں نقل کرنا حد درجے کی احتیاط تھی۔" ابن اشتہ نے اپنی کتاب المصاحف میں لیث بن سعد سے یہ روایت کی ہے کہ "سب سے پہلے قرآن کو ابوبکرؓ نے جمع کیا اور زید بن ثابت نے اسے لکھا۔ لوگ زیدؓ کے پاس قرآن کے اجزا لاتے تھے اور وہ دو معتبر شہادتوں کے لئے بغیر اسے لکھتے نہ تھے۔ سورۂ براءۃ کا خاتمہ فقط ابوخزیمہؓ انصاری کے پاس ملا تو ابوبکرؓ نے کہا اسکو لکھ لو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوخزیمہؓ کی شہادت دو گواہوں کے برابر بتائی ہے۔ چنانچہ زید نے اسے لکھ لیا۔ مگر عمرؓ نے آیتِ رجم پیش کی تو اسے نہیں لکھا کیونکہ اس بارے میں تنہا عمرؓ کے سوا اور کوئی شہادت نہیں ملی" (اتقان نوع ۱۸)۔ حضرت ابوبکرؓ کے اس کو رد کردینے اور حضرت زیدؓ کے ساکت رہجانے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ آیتِ رجم قرآن کی آیت نہ تھی ورنہ حضرت زیدؓ جو حافظِ قرآن تھے خود اس آیت کی تلاش کرتے یا اگر وہ بھول بھی گئے ہوتے تو وہ حضرت عمرؓ کی تائید کرنے سے تو باز نہ رہتے کیونکہ انہی حضرت زیدؓ کو مصاحفِ عثمانی کی کتابت کے دوران میں جب سورۂ احزاب کی ایک آیت نہیں ملی تھی تو انھوں نے تلاش کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا تھا۔ یہ آیت بھی ابوخزیمہؓ انصاری ہی کے پاس پائی گئی اور حضرت زید نے اس کو مصحف میں درج کردیا۔ بخاری (باب جمع القرآن) میں ہے ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھکو خارجہ بن زید بن ثابت نے خبر دی کہ انھوں نے زید بن ثابت سے سنا وہ کہتے تھے کہ "میں نے قرآن کی نقل کرتے وقت سورۂ احزاب کی ایک آیت نہیں پائی اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو پڑھتے سنا تھا۔ پس ہم نے اس کی جستجو کی تو خزیمہ بن ثابت انصاری کے پاس وہ آیت مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ

پس ہم نے اس کو اس کی سورۃ میں ملا دیا"

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کو صحیفوں سے مصحفوں میں نقل کروانا شروع کیا تو بعض ان صحابہ نے
ں نے قرآن کی بعض آیتوں کی نسبت یہ خیال کر لیا تھا کہ وہ منسوخ ہیں حضرت عثمان کو قرآن میں ان آیتوں کے درج
ے کی نسبت توجہ دلائی تو آپ نے صاف انکار کر دیا۔ بخاری (باب اذا طلقتم النساء) میں حضرت ابن زبیرؓ سے
ی ہے: وہ کہتے ہیں کہ میں نے عثمانؓ بن عفان سے کہا کہ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا اس آیت
دوسری آیت نے منسوخ کر دیا ہے پس آپ اس کو نہ لکھئے یا اس کو چھوڑ دیجئے تو عثمان نے فرمایا اے میرے بھتیجے میں
ن کی کسی چیز کو اس کی جگہ سے نہیں بدلونگا" اس سے صاف ظاہر ہے کہ رجم کی مذکورہ آیت قرآن کی آیت نہیں
ورنہ حضرت عثمان تو اس کو ضرور درج کروا دیتے۔ یہ مسلم ہے کہ یہ قرآن جو اس وقت ہمارے ہاتھوں میں موجود
ہے کم وکاست وہی قرآن ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا تھا اور اس میں وہ تمام وحی بغیر
ی کمی زیادتی کے اسی طرح موجود ہیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھیں۔ بخاری (باب
فان لم یترک النبی الا ما بین الدفتین) میں عبدالعزیز بن رفیع سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں اور شداد بن معقل حضرت
ن عباس کے پاس گئے۔ شداد نے ان سے کہا کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ چھوڑا تو ابن عباس نے کہا
نہیں چھوڑا مگر دو دفتیوں کے درمیان (یعنی دو دفتیوں کے درمیان جو قرآن ہے وہی آپ نے چھوڑا ہے) عبدالعزیز
رفیع کہتے ہیں "ہم محمد بن حنفیہ کے پاس گئے اور ان سے بھی سوال کیا تو انھوں نے بھی کہا نہیں چھوڑا مگر دو دفتیوں
درمیان"۔ قاضی ابوبکرؒ کتاب الانتصار میں لکھتے ہیں "ہم اس بات کا یقین کرتے ہیں کہ وہ تمام قرآن جس کو خدا
لے نے نازل فرمایا اور جس کے لکھے جانے کا حکم دیا، اس کو منسوخ نہیں کیا، اور نہ اس کے نزول کے بعد اس کی
وت کو رفع کیا، وہ یہی قرآن ہے جو ما بین الدفتین پایا جاتا ہے۔ اور جس کو مصحفِ عثمان حاوی ہے۔ اس قرآن میں
سی طرح کی کمی ہے اور نہ کوئی زیادتی" (اتقان نوع ۱۸) علامہ بغویؒ اپنی کتاب شرح السنۃ میں لکھتے ہیں "صحابہ
ضی اللہ عنہم اجمعین نے اسی قرآن کو بین الدفتین جمع کر دیا ہے۔ جس کو خدائے تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم
پر نازل کیا تھا اور صحابہ نے اس میں کوئی کمی یا زیادتی نہیں کی" (اتقان نوع ۱۸) اب اگر یہ کہا جائے کہ آیت
رجم قرآن کی آیت تھی اور قرآن سے خارج کر دی گئی ہے تو پھر یہ کہنا اور تسلیم کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ قرآن
جیسا نازل ہوا تھا بجنسہ ویسا ہی موجود ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ابتدا میں زنا کی سزا کے متعلق یہ حکم نازل ہوا تھا:۔

وَالّٰتِیْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ	اور تمھاری عورتوں سے جو فحش کام کریں تو اپنے میں سے
فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ	چار گواہ ان پر لاؤ۔ پس اگر وہ گواہی دیں تو ان (عورتوں)

فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ① — کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ ان کو موت لے جائے یا اللہ ان کے لئے کوئی راہ نکالے ① ع نساء ۴-۹۔

اس کے بعد سورۂ نور ۲۴-۱ میں خدا نے موعودہ سبیل بیان کر دی یعنے ان کی سزا کا حکم نازل فرما دیا :-

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ص وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ج ② وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ — زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد ہر ایک کو ان میں سے سو کوڑے لگاؤ اور اللہ کے دین کے معاملے میں ان سے تم کو مہربانی روک نہ رکھے اگر تم کو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان ہے اور چاہیئے کہ ان کی سزا کے وقت مومنوں کی ایک جماعت موجود رہے ②

زنا کے اس حکم کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سزا کی جو تفصیل بیان فرمائی تھی وہ مسلم، ابو داؤد اور ترمذی میں عبادہ بن صامت سے مروی ہے عبادہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "لو مجھ سے لو مجھ سے خدا نے ان کے لئے رستہ نکالا، بن بیاہا مرد بن بیاہی عورت کے ساتھ (زنا کرے تو دونوں کو) سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور بیاہا مرد بیاہی عورت کے ساتھ (زنا کرے تو دونوں کو) سو کوڑے اور سنگساری ہے۔" اس حدیث کے متعلق خطابیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے آیتِ مجملہ (یعنے جلد کی مجمل آیت) کی وضاحت ہو گئی۔ غالباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی بیان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رجم کے متعلق قرآن کی آیت ہونے کا اشتباہ ہو گیا ہوگا۔ غرض کہ رجم کا حکم کتاب اللہ سے کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا البتہ سنتِ رسول اللہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رجم کو سنتِ رسول اللہ سے تعبیر کیا ہے۔ بخاری (باب رجم المحصن) میں شعبی سے روایت ہے کہ "حضرت علیؓ نے جب ایک عورت کو رجم کیا تو پنجشنبے کے دن اس کو کوڑے مارے اور جمعے کے دن اس کو رجم کیا اور فرمایا کہ میں نے اس کو کوڑے تو کتاب اللہ کے مطابق مارے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق رجم کیا۔"

عربوں میں زنا کی کوئی باقاعدہ سزا کا رواج نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان امور میں جن کے متعلق کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا توراۃ اور اہلِ کتاب کی موافقت کو پسند فرماتے تھے۔ بخاری (باب صفت النبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک حدیث میں ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس چیز میں اہلِ کتاب کی موافقت کو پسند کرتے تھے جس میں آپ کو کچھ حکم نہ ہوتا۔" توراۃ میں زنا کی سزا رجم تھی مگر یہودیوں نے اس کو بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ صحاح کی ان روایتوں سے جو باب فی رجم الیہود میں بیان ہوئی ہیں یہ پتہ چلتا ہے کہ یہودیوں نے زنا کی سزا رجم کے بجائے [illegible]

تھا کہ مجرم کو سو کوڑے ماریں اور موضعِ ولادت کے گدھے پر اس طرح بٹھا کر منھ دم کی طرف ہو اس کی تشہیر کریں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو یہودی یہ خیال کرکے کہ آپ کم درجے کی سزا دینگے زنا کا ایک مقدمہ فیصلے کے لئے آپ کی خدمت میں لائے۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ توراۃ میں اس جرم کی کیا سزا ہے۔ یہودیوں نے رجم کی سزا کو چھپا کر رواجی سزا بیان کی۔ عبد اللہ بن سلام نے یہودیوں کو جھٹلایا اور کہا کہ توراۃ میں رجم موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توراۃ منگوا کر یہودیوں سے پڑھوائی تو انھوں نے رجم کی آیت پر ہاتھ رکھدیا اور آگے پیچھے کی آیتیں پڑھکر سنا دیں۔ عبد اللہ بن سلام نے اس آیت پر سے ان کا ہاتھ ہٹا دیا تو رجم کی آیت نکل آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَوَّلُ مَنْ اَحْیَا اَمْرَكَ اِذْ اَمَاتُوْهُ فَاَمَرَ بِهٖ فَرُجِمَ یعنے الٰہی میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جو تیرے اس حکم کو زندہ کرونگا جس کو ان لوگوں نے مردہ کر دیا تھا۔ پھر آپ نے وہی حکم دیا اور وہ رجم کر دئے گئے۔ اس طرح توراۃ کی مردہ سزا زندہ ہوئی۔ یہ [illegible] طور پر معلوم نہ ہو سکا کہ آپ نے اسلام میں رجم کی سزا کو کب رواج دیا ہے۔ علماء ہی نہیں بلکہ صحابہ بھی اس بارے میں مختلف الرائے ہیں۔ بخاری (باب رجم المحصن) میں شیبانی سے روایت ہے کہ انھوں نے عبد اللہ بن ابی اوفیٰ سے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کا حکم دیا ہے؟ انھوں نے کہا ہاں! تو میں نے کہا سورۂ نور کے اترنے سے قبل یا اس کے بعد تو انھوں نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں معتزلہ اور خوارج آج تک یہی کہتے ہیں کہ زنا کی سزا رجم نہیں ہے۔

منسوخ الحکم | یعنے وہ آیات جن کی تلاوت باقی ہے یعنے جو قرآن میں موجود ہیں مگر ان کے احکام منسوخ ہوگئے۔ اس قسم کی آیات کے متعلق دو قسم کا سخت اختلاف واقع ہوا ہے۔ ایک تو تعداد آیات کا اختلاف اور دوسرا راویوں کے بیان کا اختلاف۔ بعض علماء نے اس قسم کی منسوخ آیات کی تعداد پانسو بیان کی ہے۔ ابن عربیؒ اور امام سیوطیؒ نے بیس آیتوں کو منسوخ کہا ہے۔ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمہ فوز الکبیر میں فقط پانچ آیتوں کو منسوخ مانتے ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے ترجمان القرآن (تفسیر سورۂ بقر ع ۱۳) میں شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی بیان کردہ پانچ آیتوں کی نسبت لکھا ہے "لیکن ان پانچ میں بھی نظر ہے"۔ راویوں کے اختلافِ بیان کا بھی یہی حال ہے۔ اگر کوئی صحابی کسی آیت کو منسوخ مانتے ہیں تو دوسرے صحابی اسی آیت کو غیر منسوخ ثابت کرتے ہیں۔ بعض بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جن میں ایک ہی صحابی کے دو متضاد قول بیان ہوئے ہیں یعنے ایک صحابی نے اپنے ایک قول میں ایک آیت کو منسوخ کہا ہے تو وہی صحابی اپنے دوسرے بیان میں اسی آیت کو غیر منسوخ بھی کہتے ہیں۔ متاخرین علماء نے جن پانچ آیات کے احکام کو منسوخ کہا ہے ان کی حقیقت پر تھوڑی دیر غور کرلینا چاہئے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ فی الواقع ان آیات کو نسخ سے کس حد تک تعلق ہے۔

(۱) سورۂ بقرہ ۱۸۰ میں ہے :-

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝

تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت آ موجود ہو اگر وہ کچھ مال چھوڑے تو ماں باپ اور قرابت داروں کے لئے دستور کے موافق وصیت کر جائے، جو (خدا سے) ڈرتے ہیں ان پر اس کے رشتہ داروں کا یہ (ایک) حق ہے۔ (۱۸۰) ۲ع -

ایک گروہ اس آیت کے منسوخ الحکم ہونے کا قائل ہے اور دوسرا گروہ اس کو غیر منسوخ قرار دیتا ہے۔ جو لوگ اس کو منسوخ کہتے ہیں وہ اس کے ناسخ کے بارے میں مختلف الرائے ہیں۔ اتقان (نوع ۴۷) میں ہے "اس آیت کی نسبت کہا گیا ہے کہ آیت میراث (یعنی یوصیکم اللہ فی اولادکم الآیۃ ۲ع نساء ۴) اس کی ناسخ ہے اور دوسرا قول ہے کہ نہیں بلکہ حدیث لا وصیۃ لوارث اس کو منسوخ کرتی ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ حدیث اس آیت کو منسوخ نہیں کرتی کیونکہ حدیث سے آیات قرآنی کا نسخ نہیں ہو سکتا البتہ یہ حدیث "یوصیکم اللہ فی اولادکم الآیۃ" کو اس کا ناسخ کر دیتی ہے۔ تیسرا قول ہے :- لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ الآیۃ اس کی ناسخ ہے۔ قائلین نسخ کی زیادہ تعداد جس آیت کو ناسخ کہتی ہے اور مفسرین نے بھی جس پر زیادہ بحث کی ہے وہ آیت میراث ہے جو حسب ذیل ہے :-

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۚ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۝

اللہ تم کو تمہاری اولاد کے متعلق حکم دیتا ہے کہ لڑکے کے لئے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہے پھر اگر لڑکیاں (دو یا) دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے ترکے کی دو تہائی ہے اور اگر ایک لڑکی ہے تو اس کے لئے آدھا (ترکہ) ہے اور اس کے ماں باپ کے لئے دونوں میں سے ہر ایک کے لئے ترکے کا چھٹا حصہ ہے اگر اس (میت) کی کوئی اولاد بھی ہو، پھر اگر اس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کے لئے تیسرا حصہ ہے (اور باقی باپ کا) اور اگر اس کے لئے (اولاد نہ ہونے کی صورت میں) بھائی ہو تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے (یہ تقسیم میت کی) وصیت کے بعد جو اس نے کی ہو یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد ہے (۱۱) ۲ع نساء ۴-

م جاہلیت یعنے کفر کے زمانے میں عربوں میں وراثت کا یہ قاعدہ مروج تھا "لَا یَرِثُ اِلَّا مَنْ قَاتَلَ عَلٰی ظُهُوْرِ الْخَیْلِ" یعنے ڑے کی پیٹھ پر سوار ہو کر جنگ کرنے والے کے سوا اور کوئی شخص وارث نہیں ہو سکتا۔ اس رواج کی وجہ سے بوڑھے اور عورتیں محروم الارث تھیں۔ ظہورِ اسلام کے بعد بھی اسی رواج پر عمل ہوتا رہا یہاں تک کہ جب ہجرت کے بعد اسلام اچھی خاصی اشاعت ہو گئی اور مسلمانوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہو گیا تو عاجز بوڑھے، بےکس یتیم بچے اور لاچار عورتیں رگاہ نبوت میں حاضر ہو کر داد فریاد کرنے لگیں تو مذکورہ آیتِ وصیت کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ (الآیۃ) نازل ہوئی ن میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ مرتے وقت اپنے والدین وغیرہ کے لئے وصیت کر جائیں۔ پھر جب آیتِ میراث یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ الآیۃ کا نزول ہوا تو اس میں ماں، باپ، بیٹا، بیٹی، وغیرہ کے حصے مقرر ہو گئے۔ اب بحث یہ ہے کہ آیتِ یراث کے نزول کے بعد آیتِ وصیت کا حکم منسوخ ہو گیا یا نہیں۔ قائلینِ نسخ کے یہاں دو گروہ ہو گئے ہیں۔ بعض یہ کہتے ں کہ چونکہ آیتِ میراث میں وارثوں کے حصے مقرر ہو گئے ہیں اس لئے وصیت کا حکم منسوخ ہو گیا، اور بعض کا یہ خیال ہے آیتِ میراث میں جن رشتہ داروں کے حصے معین ہو گئے ہیں انہی کے حق میں وصیت کا حکم منسوخ ہو گیا اور ان رشتہ داروں لئے جو محروم الارث ہیں وصیت کا حکم اسی طرح باقی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ، علاء بن زیاد، مسروق، مسلم بن یسار، ضحاک اور ومسلم اصفہانی وغیرہ آیتِ وصیت کو منسوخ نہیں کہتے۔ خود قرآن اور احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ آیتِ صیت کا حکم کسی طرح بھی منسوخ نہیں ہوا۔ آیتِ میراث ہی میں جو آیتِ وصیت کی ناسخ سمجھی جاتی ہے مِنْ بَعْدِ وَصِیَّۃٍ یُّوْصِیْ بِهَآ (یعنے میت کے لئے ترکے کی تقسیم میت کی وصیت کے بعد ہو) موجود ہے۔ اس کے بعد کی آیت میں بھی حسب یل تین جگہ وصیت کا ذکر آیا ہے:-

فَاِنْ کَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَکُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَکْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِیَّۃٍ یُّوْصِیْنَ بِهَآ ④

اور اگر ان کی اولاد ہو تو تمہارے لئے اس کا چوتھا حصہ ہے جو انھوں نے چھوڑا ہے وصیت (کی ادائیگی) کے بعد جو انھوں نے کی ہو ④ پ۴ نساء ۹۴۔

فَاِنْ کَانَ لَکُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَکْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِیَّۃٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ ④

اور اگر تمھاری اولاد ہو تو ان کے لئے اس کا آٹھواں حصہ ہے جو تم نے چھوڑا ہے وصیت (کی ادائیگی) کے بعد جو تم نے کی ہو ④ پ۴ نساء ۹۴۔

فَاِنْ کَانُوْٓا اَکْثَرَ مِنْ ذٰلِکَ فَهُمْ شُرَکَآءُ فِی الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِیَّۃٍ یُّوْصٰی بِهَآ ④

اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ ایک تہائی میں شریک ہیں وصیت (کی ادائیگی) کے بعد جو کی گئی ہو ④ پ۴ نساء ۹۴۔

سورۂ مائدہ ۱۰ھ سب سے آخر میں نازل ہوئی تھی۔ اس سورۃ کے چودھویں رکوع کی آخری تین آیتوں میں وصیت کے

متعلق شہادت کی تفصیل اس طرح بیان ہوئی ہے :۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ × ⑥

مسلمانو جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آموجود ہو تو وصیت کرتے وقت تم میں (گواہی اس طرح ہونی چاہئے کہ) تم میں کے دو معتبر آدمیوں کی گواہی ہو یا اگر تم کہیں سفر کرو (اور حالت سفر میں) تم پر موت کی مصیبت آپڑے (اور مسلمان گواہ نہ ملیں) تو غیروں سے دو (کی گواہی ہو) ×× (۶)

(آخر رکوع تک) ع۱۴

مذکورہ آیت میں وصیت کا کوئی جداگانہ حکم بیان نہیں ہوا ہے بلکہ وصیت کے متعلق شہادت لینے کی تفصیل کی گئی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ کسی چیز کے متعلقات اس وقت تک بیان نہیں ہوسکتے جب تک وہ چیز موجود نہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سورۂ بقر کی آیت وصیت کے سوا اور کسی دوسری آیت میں وصیت کا حکم مذکور نہیں ہے۔ اس لئے اگر سورۂ بقر کی آیت وصیت کو منسوخ الحکم تسلیم کرلیا جائے تو سورۂ مائدہ میں وصیت کے متعلق گواہی لینے کے جو طریقے بیان ہوتے ہیں وہ بالکل بے تعلق رہجائینگے کیونکہ منسوخ الحکم آیت سے تو وہ متعلق نہیں کئے جاسکتے اور اس کے سوا وصیت کے متعلق قرآن میں کوئی دوسرا حکم بھی نہیں ہے۔ اسی مشکل سے بچنے کے لئے بعض قائلین نسخ نے سورۂ مائدہ کی اس آیت کی نسبت بھی یہ کہدیا کہ یہ آیت بھی آیت میراث سے منسوخ الحکم ہوگئی اور انھوں نے اس کا بالکل خیال نہیں کیا کہ ناسخ آیت منسوخ آیت سے پہلے نازل ہوچکی تھی کیونکہ ناسخ آیت سورۂ نساء نمبر ۹۲ میں ہے اور منسوخ آیت سورۂ مائدہ نمبر ۱۱۲ میں ہے جو سب سے آخر میں نازل ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ آیت میراث کے شان نزول کے متعلق صحیح قول یہ ہے کہ حضرت سعد بن الربیع کی بیوی کی فریاد پر یہ آیت نازل ہوئی تھی (دیکھو ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی، مسند احمدؒ، مستدرک حاکم) اور حضرت سعد بن الربیع ۳ھ ہجری میں احد کی لڑائی میں شہید ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء آیت میراث کے نزول کا زمانہ ۳ھ ہجری کو قرار دیتے ہیں۔ سورۂ مائدہ کی آیت شہادت تمیم داری اور عدی کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ بدیل بن ابی مریم سہمی جب سفر میں مرنے لگے تو انھوں نے اپنا مال تمیم اور عدی کے حوالہ کیا جو اس وقت نصرانی تھے اور یہ وصیت کی کہ میرا یہ مال میرے وارثوں کو دیدینا۔ اس میں چاندی یا سونے کا ایک کٹورہ بھی تھا۔ تمیم کا بیان ہے کہ جب وہ مرگئے تو ہم نے وہ کٹورہ ایک ہزار درہم کو فروخت کرکے آپس میں تقسیم کرلیا باقی مال ان کے وارثوں کو دیدیا۔ جب انھوں نے کٹورے کے متعلق دریافت کیا تو ہم نے کہا کہ جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اس کے سوا ہم کو اور کچھ نہیں دیا گیا۔ پھر تمیم کہتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف فرما ہونے کے بعد مسلمان ہوا تو اس حرکت کو گناہ سمجھکر بدیل کے گھر والوں کے پاس جاکر میں نے سارا حال کہدیا اور اپنے حصے کے پانسو درہم ان کو

دیدئے اور کہدیا کہ اسی قدر درہم میرے ساتھی کے بھی تھے اس پر ان لوگوں نے اصرار کیا کہ وہ بھی ہم کو دیدو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مدعی سے اس کے دین کے موافق حلف لی جائے۔ اس سے حلف لی گئی اس

پر یہ آیت اتری (ابن ابی حاتم، ترمذی اور ابن جریر اس کے راوی ہیں) تمیم کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ۹ھ ہجری

میں اسلام لائے تھے اس سے صاف ظاہر ہے کہ ناسخ آیت ۳ھ ہجری میں نازل ہوئی تھی اور منسوخ آیت ۹ھ

میں۔ صحابہ کے طرزِ عمل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ سورہ مائدہ کی آیتِ شہادت منسوخ الحکم نہیں ہے۔ شعبیؒ کہتے

ہیں کہ دقوقا میں ایک مسلمان کی وفات ہوئی وصیت کے لئے کوئی مسلمان شاہد نہ مل سکا تو مجبوراً اس نے دو اہل کتاب

کو گواہ مقرر کیا۔ وہ دونوں کوفے میں اس کا ترکہ لے آئے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو اطلاع دی گئی تو آپ نے

فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بعد سے اب تک ایسا واقعہ نہیں ہوا تھا۔ پھر آپ نے ان دونوں

گواہوں سے عصر کے بعد حلف لی (روایت میں حلف کے الفاظ بھی مروی ہیں) پھر ان کی شہادت نافذ کر دی دوسری

روایت میں ہے کہ آپ نے ان کی گواہی پر حکم دیدیا (ابن جریر)۔ اس کے علاوہ ایک گروہ کثیر نے اس آیت کے منسوخ الحکم

ہونے کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ یہ آیت محکم ہے جب یہ آیت منسوخ الحکم نہیں ہے اور اس پر عمل جاری ہے تو پھر

سورہ بقر کی آیتِ وصیت بھی منسوخ الحکم نہیں ہو سکتی۔ آیتِ میراث کے نزول کے بعد بھی وصیت برابر جاری رہی

جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ آیتِ میراث ۳ھ ہجری میں اتری تھی ۱۰ھ ہجری

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کیا۔ اسی حج میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سخت بیمار

ہو گئے تھے، انھوں نے عرض کی کہ میں اپنے سب مال کی وصیت کر دوں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ کہا نصف فرمایا نہیں

پھر کہا ایک تہائی تو آپ نے ایک تہائی کی اجازت دی اور فرمایا یہ بھی بہت ہے۔ اگر تم اپنے وارثوں کو غنی چھوڑو تو

اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو غریب چھوڑو کہ وہ بھیک مانگتے پھریں (بخاری جلد ۲ کتاب الوصایا) اس سے صاف

پتہ چلتا ہے کہ آیتِ میراث سے آیتِ وصیت منسوخ الحکم نہیں ہوئی تھی ورنہ آپ وصیت کی اجازت نہ دیتے۔ آیتِ

میراث میں رشتہ داروں کے حصے مقرر ہو چکے تھے اس لئے آپ نے اس خیال سے کہ ورثا محروم نہ ہو جائیں

وصیت کو ایک تہائی مال میں محدود فرما دیا۔ یہ ایک تہائی مال کی وصیت ان اقربا کے لئے بھی کی جا سکتی ہے

جن کے حصے آیتِ میراث میں مقرر ہو چکے ہیں جیسے اگر والدین وغیرہ اس قدر ضعیف ہوں کہ وہ کما کھانے کے قابل نہ ہوں اور

ان کے حصے کی رقم ان کے لئے ناکافی ہو تو ان کے لئے وصیت بھی کی جا سکتی ہے۔ یا اگر بیٹوں کی موجودگی میں یتیم

پوتے محروم الارث ہوں یا والدین وغیرہ کافر ہونے کی وجہ سے حصہ نہ پا سکتے ہوں تو ان کے لئے وصیت کر جانا مستحب

قرار دیا گیا ہے۔ غرضکہ قرآن، حدیث اور صحابہ کے طرزِ عمل سے اس کی پوری پوری تائید ہوتی ہے کہ آیتِ وصیت کا

حکم منسوخ نہیں ہوا۔

(۴) سورۂ بقرہ ۸ میں ہے :-

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْ أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۵﴾	اور جو تم میں سے مرجائیں اور بیبیاں چھوڑ جائیں تو (ان کو) اپنی بیبیوں کے حق میں ایک برس تک کے سلوک (یعنے نان و نفقہ) کی وصیت کرنی چاہئیے (گھر سے) باہر کئے بغیر۔ پھر اگر وہ عورتیں (گھر سے از خود) نکل کھڑی ہوں، تو تم پر اس بارے میں کہ وہ جو اپنے لئے دستور کے موافق کرلیں کچھ گناہ نہیں۔ اور اللہ زبردست (اور) حکمت والا ہے ﴿۵﴾-۱ع

اس آیت کے نسخ کے بارے میں بھی اختلافِ رائے ہے۔ جہاں ایک جماعت اس کے منسوخ الحکم ہونے کی قائل ہے تو وہیں دوسری جماعت اس کو غیر منسوخ ثابت کرتی ہے۔ خود بخاری (کتاب تفسیر القرآن) میں اس آیت کی نسبت دو مختلف قول بیان ہوئے ہیں۔ ایک حضرت ابن زبیرؓ کا قول ہے جس میں اس کو منسوخ الحکم کہا گیا ہے اور دوسرا قول حضرت مجاہدؒ کا ہے جو اس کو غیر منسوخ ثابت کرتا ہے۔ قائلینِ نسخ نے اس آیت کے حکم کو منسوخ کرنے کے لئے خلافِ قیاس تاویلات سے کام لیا ہے، اور پیچ در پیچ طریقے اختیار کئے ہیں۔ جب ان کو اس آیت کی تنسیخ کے لئے کوئی مستقل ناسخ آیت نہ مل سکی تو انھوں نے اس آیت کے تین حصے کئے (۱) ایک سال کی میعاد (۲) سال بھر کے نان و نفقے کی وصیت (۳) سال بھر کی سکونت کے لئے مکان۔ پھر ان کے تین ناسخ ڈھونڈھ نکالے۔ اتقان (نوع ۴۷) میں ہے وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ۔ تا قولہ تعالیٰ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ آیتِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا سے اور وصیت کا حکم آیتِ میراث سے منسوخ ہوگیا ہے، اور سکنیٰ (یعنے سال بھر کی سکونت کے لئے مکان) ایک گروہ کے نزدیک ثابت اور دوسری جماعت کی رائے میں منسوخ ہے۔ یہ لوگ حدیث لاسکنیٰ کو اس کا ناسخ قرار دیتے ہیں۔ دوسرے حصے یعنے سال بھر کے نان و نفقے کی نسبت ابن المسیب یہ کہتے ہیں کہ اس کا ناسخ آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ﴿۷﴾ ع (احزاب ۴۹) سے ہوا ہے۔ مقاتل اور قتادہ کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ اس کو آیتِ میراث نے منسوخ کیا ہے۔ عام قائلینِ نسخ بھی یہی کہتے ہیں۔ بخاری میں عطا کا جو قول منقول ہے اس سے پوری آیت منسوخ نہیں ہوتی فقط تیسرا حصہ یعنے سکنیٰ منسوخ ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ آیتِ میراث نے سکنیٰ کو منسوخ کر دیا اب وہ جہاں چاہے عدت بیٹھے۔ اس تیسرے حصے یعنے سکنیٰ کی نسبت عام قائلینِ نسخ کا بیان ہے کہ سکنیٰ نہ حدیثِ لاسکنیٰ سے منسوخ ہوا ہے اور نہ آیتِ میراث سے اس کو حدیثِ فریعہ بنت مالک نے منسوخ کیا ہے۔ بحث کی وضاحت کے لئے مذکورہ ناسخ اقوال کی ذیل میں کسی قدر تفصیل کی جاتی ہے۔

سورۂ بقرہ ۸ میں ہے:-

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾

اور جو تم میں سے مر جائیں اور بیبیاں چھوڑ جائیں تو وہ (یعنے بیوہ عورتیں) اپنے آپ کو چار مہینے دس دن روکے رہیں پھر جب اپنی مدت پوری کرلیں تو تم پر اس بارے میں کچھ گناہ نہیں جو کچھ وہ اپنے حق میں جائز طور پر کریں۔ اور جو تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے (۲۳۴) ع -

قائلین نسخ کا خیال ہے کہ مذکورہ آیت میں چار مہینے دس دن کی عدت بیان ہو چکی ہے اس لئے بیوہ کے لئے ایک سال کی جو میعاد تھی وہ منسوخ ہو گئی۔ یہ اس لئے صحیح نہیں ہے کہ مذکورہ ناسخ آیت پہلے نازل ہوئی ہے اور جس آیت کو منسوخ کہا گیا ہے اس کا نزول بعد میں ہوا ہے۔ بخاری (کتاب تفسیر القرآن) میں ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت کی ہے وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا (يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا) مجاہد کہتے ہیں یہ عدت (یعنے اس آیت میں چار مہینے دس دن کی جو عدت مذکور ہے) خاوند کے گھر والوں کے پاس بیٹھنا واجب تھا پھر اللہ نے یہ آیت نازل کی وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اللہ نے چار مہینے دس دن کے علاوہ سال کے بقیہ حصے سات مہینے بیس دن کو بطور وصیت کے قرار دیا ہے اگر بیوہ چاہے تو ایام وصیت میں رہے اور اگر چاہے تو چلی جائے اور یہی مطلب ہے خدا کے اس قول کا کہ نہ نکالدینا پھر اگر وہ خود بخود نکل گئیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں اور عدت (یعنے چار مہینے بیس دن) بدستور اس پر واجب ہے۔ اس روایت میں دو باتیں بیان ہوئی ہیں پہلی یہ کہ ناسخ آیت اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا پہلے نازل ہوئی اور منسوخ آیت مَتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ کا نزول اس کے بعد ہوا۔ اور دوسری یہ کہ آیت متاعًا الی الحول غیر منسوخ ہے اس طرح کہ ناسخ آیت اربعۃ اشہر وعشرا کے چار مہینے دس دن کی میعاد کے علاوہ سال کی بقیہ مدت سات مہینے بیس دن بطور وصیت کے ہیں اور عورت کو اختیار دیا گیا کہ وہ چاہے اس وصیت سے فائدہ اٹھائے چاہے نہ اٹھائے۔ بخاری کے اسی باب میں حضرت ابن عباس کی جو روایت ہے اس سے نہ صرف اسی کی تائید ہوتی ہے کہ آیت اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا پہلے نازل ہوئی اور آیت متاعًا الی الحول بعد میں بلکہ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آیت مَتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ جس کو منسوخ کہا گیا ہے درحقیقت منسوخ نہیں ہے بلکہ آیت اربعۃ اشہر وعشرا کی ناسخ ہے کیونکہ آیت اربعۃ اشہر وعشرا سے خاوند کے گھر میں عدت بیٹھنا واجب تھا اور آیت متاعًا الی الحول نے اس وجوب کو منسوخ کرکے بیوہ کو اختیار دیدیا ہے کہ اب وہ جہاں چاہے عدت بیٹھے۔ حضرت

ابن عباس کہتے ہیں "اس آیت (یعنے متاعاً الی الحول کی آیت) نے بیوہ کی اس عدت کو منسوخ کردیا ہے جو اس کو اس کے خاوند کے گھر والوں کے پاس بیٹھنا واجب تھا اب وہ جہاں چاہے عدت بیٹھے"۔ ابن عباس کی اس روایت کے راوی حضرت عطا ہیں۔ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ عطا کے پاس پوری آیت منسوخ نہیں ہے وہ فقط سکنیٰ کو آیت میراث سے منسوخ سمجھتے ہیں۔ عدت کی نسبت بخاری (کتاب تفسیر القرآن) میں عطا کا یہ قول منقول ہے "اگر چاہے تو خاوند کے گھر والوں کے پاس عدت بیٹھے اور اپنی وصیت میں ٹھیرے اور اگر چاہے نکل جائے"۔ عطا کے اس قول سے بھی یہی پایا جاتا ہے کہ آیتِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا کے نزول کے بعد آیتِ متاعاً الی الحول نازل ہوئی ہے کیونکہ خاوند کے گھر والوں کے پاس جو عدت واجب تھی وہ آیتِ اربعۃ اشہر وعشرا کی عدت تھی اور آیتِ مَتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ نے اس وجوب کو ساقط کرکے بیوہ کو اختیار دیدیا ہے کہ وہ جہاں چاہے عدت بیٹھے۔ مجاہد ابن عباس اور عطا کی مذکورہ روایتوں سے صاف ظاہر ہے کہ ناسخ آیت پہلے نازل ہوئی تھی اور منسوخ آیت بعد میں۔ یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ جب دو متناقض حکم ایک وقت میں نافذ ہوں تو حکم ثانی حکم اول کا ناسخ ہوگا ورنہ نسخ نہیں ہوسکتا۔ یہاں اس کے بالکل برخلاف تناقض کے نہ پائے جانے پر بھی حکم اول حکم ثانی کا ناسخ بنایا جا رہا ہے جس سے یہ غلط نتیجہ نکلتا ہے کہ منسوخ حکم کی عدم موجودگی کے باوجود بھی ناسخ حکم نازل ہو چکا تھا اس لئے آیتِ اربعۃ اشہر وعشرا سے آیتِ مَتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ کی تنسیخ کرنا ایک بالکل بے معنی بات ہے۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے اس سے قطع نظر بھی کرلیا جائے کہ کون آیت پہلے نازل ہوئی تھی اور کون آیت بعد میں تو بھی آیت اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا سے آیتِ متاعاً الی الحول کی تنسیخ نہیں ہوسکتی کیونکہ تنسیخ کے لئے دونوں میں تناقض کا ہونا ضروری ہے اور ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں میں نہ تو منطقی تناقض ہے اور نہ لغوی تناقض۔ کیونکہ آیت اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا میں ایک تو بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن بیان کی گئی ہے اور دوسرے اس مدت کے بعد اس کو نکاح وغیرہ کا اختیار دیدیا گیا ہے اور آیت مَتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ میں بیوہ کی بے کسی اور بے بسی پر نظر کرتے ہوئے ایک سال تک اس کے لئے نان ونفقے کی وصیت کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اس وصیت کی تعمیل بیوہ پر واجب نہیں ہے کیونکہ اس کو اختیار دیدیا گیا ہے کہ وہ چاہے اس وصیت سے فائدہ اٹھائے چاہے نہ اٹھائے یعنے بیوہ اگر چاہے تو عدت کے چار مہینے دس دن کے بعد باقی سات مہینے بیس دن بھی وصیت میں ٹھیرے اور نان ونفقہ حاصل کرے اور اگر نہ چاہے تو چلی جائے اور نکاح کرلے اس پر وصیت کی پابندی لازم نہیں۔ کیونکہ یہ سات مہینے بیس دن عدت کے نہیں ہیں بلکہ وصیت کے ہیں۔ اگر بیوہ پر وصیت کی پابندی واجب ہوتی اور سات مہینے بیس دن بھی عدت میں شمار ہوتے اور ان کے نکلنے تک اس کو نکاح کی اجازت نہ ہوتی تو بیشک ان دونوں آیتوں میں تناقض واقع ہوتا۔ کیونکہ اس صورت میں ایک آیت سے چار مہینے بیس دن کی اور دوسری آیت سے ایک سال کی عدت ثابت ہوتی۔ بخاری سے مجاہد کی جو روایت ہم نقل کرچکے ہیں اس سے بھی یہی ثابت ہے۔ مجاہد کہتے ہیں "اللہ نے چار مہینے دس دن کے علاوہ سال کے بقیہ حصے سات مہینے بیس دن کو بطور وصیت کے

قرار دیا ہے۔ "اگر بیوہ چاہے تو ایام وصیت میں رہے اور اگر چاہے تو چلی جائے اور یہی مطلب ہے خدا کے اس قول کا کہ غَیْرَ اِخْرَاجٍ فَاِنْ خَرَجْنَ یعنی اگر وہ بخود نکل گئیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں اور عدت (یعنے چار مہینے دس دن) بدستور اس پر واجب ہے"۔ عطا بھی یہی کہتے ہیں کہ "اگر چاہے تو خاوند کے گھر والوں کے پاس عدت بیٹھے اور وصیت میں (یعنے سات مہینے بیس دن) ٹھیرے اور اگر چاہے چلی جائے بسبب اللہ تعالے کے اس قول کے کہ تم پر ان کے افعال کا کچھ گناہ نہیں" (بخاری، کتاب تفسیر القرآن)۔ ابو مسلم اصفہانی کا بھی یہی قول ہے کہ جو شخص اپنی بیویوں کے لئے برس بھر کے نان و نفقے اور سکونت کی وصیت کر مرے اور عورت (بعد تکمیل عدت) برس سے پہلے نکل کر خلاف وصیت نکاح کرلے تو اس پر کچھ گناہ نہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ آیت اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا آیت مَتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ کی کسی طرح بھی ناسخ نہیں ہو سکتی۔

اب رہا دوسرا جزو یعنے سال بھر کے نان و نفقے کی وصیت تو اس کو حسب ذیل آیت میراث سے منسوخ کہا گیا ہے۔

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَاۤ

اور ان کے لئے (یعنے تمھاری بیبیوں کے لئے) چوتھائی حصہ ہے تمھارے ترکے میں سے اگر تمھاری کوئی اولاد نہ ہو، اگر تمھاری کوئی اولاد ہو تو ان کے لئے آٹھواں حصہ ہے تمھارے ترکے میں سے وصیت (کی ادائیگی) کے بعد جو تم نے کی ہو ⑫ پ ع نساء ۴ ۹-

کہا جاتا ہے کہ اس آیت میں بیوہ کا حصہ مقرر ہو چکا ہے۔ اس لئے نان و نفقے کی وصیت کا حکم منسوخ ہو گیا۔ آیت وصیت میں بہ تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے کہ آیت میراث سے وصیت کا حکم منسوخ نہیں ہوا۔ خود اس آیت میں بھی جو بطور ناسخ کے پیش کی جا رہی ہے مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَا سے وصیت بدستور باقی ہے۔ یعنے بیوہ کا چوتھا یا آٹھواں حصہ میت کی وصیت کی ادائیگی کے بعد ہے۔ مجاہد، ابن عباس اور عطا کے جو اقوال اوپر بیان کئے گئے ہیں ان سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ نان و نفقے کا حکم منسوخ نہیں ہوا کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ چاہے تو ایام وصیت میں خاوند کے گھر میں رہے اور اگر مرضی ہو تو چلی جائے۔ اس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ جب وہ خاوند کے گھر میں رہیگی تو حسب وصیت ضرور نان و نفقہ پائیگی۔ اگر ذرا غور و تامل سے کام لیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ نان و نفقے کو وراثت سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ وراثت بیوہ کا شرعی حصہ ہے اور نان و نفقہ بطور احسان کے ہے تاکہ بیوہ خاوند کے مرجانے سے اور زیادہ مصائب اور تکالیف میں مبتلا نہ ہو جائے۔ آیت مَتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ کے بعد کی آیت میں ہے:-

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۞

اور طلاق دی ہوئی عورتوں کو دستور کے موافق متاع دینا پرہیزگاروں پر لازم ہے ⑥ ۳ع بقرہ ۸۷-

ابن عباس کہتے ہیں مطلقہ کا متاع خادم ہے اس سے کم چاندی اور اس سے کم کپڑا۔ شریح پانسو درہم دیا کرتے تھے۔ ابن

ابنِ سیرینؒ خادم یا نفقہ یا کپڑے دیتے تھے۔ حضرت امام حسنؓ نے بیس ہزار درہم دئے تھے۔ اس لئے متاع یا نان و نفقہ ہے یا ضروری سامان یا روپیہ پیسہ۔ متاع ہر مطلقہ کے لئے ہے کیونکہ یہ آیت مطلق ہے اس میں ہر ایک مطلقہ داخل ہے۔ اس لئے جو مطلقہ مہر پانے کی مستحق ہے وہ متاع بھی پائیگی۔ اس کی مزید تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے :۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۞

اے پیغمبر اپنی بیبیوں سے کہدو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کے ساز و سامان کی طلبگار رہو تو آؤ میں تمھیں کچھ متاع دے کر خوش اسلوبی سے رخصت کر دوں ① ع احزاب ۲۲۔

اس آیت میں متاع کا جو ذکر ہے وہ مہر کے علاوہ ہے کیونکہ ازواجِ مطہرات کا مہر مقرر تھا۔ سعید بن جبیرؒ ابوالعالیہ حسن بصریؒ شافعیؒ اور ابن جریر بھی یہی کہتے ہیں۔ درالمختار میں ہے "مطلقہ رجعی اور بائین کے واسطے نفقہ سکنیٰ اور پوشاک واجب ہے"* (کتاب الطلاق باب النفقہ)۔ یہ نفقہ، سکنیٰ اور پوشاک جو مہر کے علاوہ ہے یہ بھی متاع ہے کیونکہ ابن سیرینؒ اور بعض دوسرے علما نے نان و نفقہ کو بھی متاع کہا ہے۔ اگر مطلقہ حاملہ ہے تو یہ حکم دیا گیا ہے :۔

وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۞

اور اگر حاملہ ہوں تو ان کے بچے جننے تک ان کا خرچ اٹھاتے رہو ⑥ ع طلاق ۱۰۲۔

مرد جب عورت سے سخت ناراض ہو جاتا ہے تو عموماً اس کا نتیجہ طلاق ہوا کرتا ہے۔ مرد کی ناراضمندی کے باوجود بھی مطلقہ عورت مہر کے علاوہ متاع کی مستحق قرار دی گئی ہے۔ بیوہ جو اپنے شوہر کا اس کے آخر دم تک ساتھ دیتی ہے نان و نفقہ کی وصیت سے اس لئے محروم کر دی جاتی ہے کہ اس کا شرعی حصہ مقرر ہو چکا ہے حالانکہ ترکے کو اس نان و نفقے کی وصیت سے کوئی تعلق نہیں ہے اور ترکے کی آیت میں وصیت کا نفاذ بھی موجود ہے۔ مہر اور متاع کی طرح ترکہ اور نفقہ بھی دو جداگانہ چیزیں ہیں اس لئے آیتِ میراث سے نفقے کی وصیت منسوخ نہیں ہو سکتی۔ اگر ترکے اور نفقے میں کوئی تعلق بھی ہوتا تو بھی آیتِ میراث سے نفقے کی وصیت منسوخ نہیں ہوتی۔ کیونکہ خود آیتِ میراث میں وصیت کا نفاذ موجود ہے۔ اب رہا ابن المسیبؒ یہ قول کہ سال بھر کے نان و نفقے کی وصیت کا حکم حسب ذیل آیت سے منسوخ ہو گیا ہے :۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۞

مسلمانو جب تم مسلمان عورتوں کو (اپنے) نکاح میں لاؤ پھر ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو عدت (میں بٹھلانے) کا تم کو ان پر کچھ اختیار نہیں کہ ان سے عدت کی گنتی پوری کراؤ تو (ایسی صورت میں) ان کو کچھ متاع دے کر خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کر دو ⑦ ع احزاب ۲۲۔

* "طلاق رجعی وہ کہ جس میں تجدید نکاح کی حاجت نہیں۔ عورت کی رضامندی رجوع میں ضرور نہیں اور اس کی عدت میں ترکِ زینت نہیں۔ ایک گھر میں زوج اور زوجہ کا عدت میں رہنا جایز ہے بخلاف طلاقِ بائن کے"۔ شرح درالمختار (غایۃ الاوطار) جلد ۲۔

تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ اس آیت سے بیوہ کے سال بھر کے نان ونفقہ کی وصیت کا حکم منسوخ نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ آیت مطلقہ غیر مدخولہ سے متعلق ہے اور سال بھر کے نان ونفقے کی وصیت والی آیت بیوہ سے تعلق رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود قائلین نسخ نے بھی ابن المسیب کے مذکورہ قول کی تردید کردی ہے۔

سکنیٰ یعنی سکونت کے لئے مکان اس کے متعلق تین قول نقل کئے جاچکے ہیں ایک عطا کا قول کہ "آیت میراث نے سکنیٰ کو منسوخ کردیا اب وہ جہاں چاہے عدت بیٹھے اس کے رہنے کے لئے مکان دینا لازم نہیں"۔ دوسرا امام سیوطی کا قول کہ "سکنیٰ ایک گروہ کے نزدیک ثابت اور دوسری جماعت کی رائے میں منسوخ ہے۔ یہ لوگ حدیث سکنیٰ کو اس کا ناسخ قرار دیتے ہیں"۔ اور تیسرا اعام قائلین نسخ کا قول کہ "حدیث فریعہ بنت مالک نے سکنیٰ کو منسوخ کردیا"۔ ہم عطا کے اس قول پر کہ آیت میراث نے سکنیٰ کو منسوخ کردیا زیادہ بحث کرنا نہیں چاہتے کیونکہ آیت میراث اور سال بھر کے نان ونفقے پر جو تنقید کی جاچکی ہے وہی اس کے لئے کافی ہے کہ جس طرح سال بھر کے نان ونفقہ کی وصیت آیت میراث سے منسوخ نہیں ہوسکتی اسی طرح آیت میراث سے سکنیٰ کی تنسیخ بھی نہیں ہوسکتی۔ البتہ عطا کا قول بحث طلب ہے کہ "اب وہ جہاں چاہے عدت بیٹھے اس کے رہنے کے لئے مکان نہیں"۔ عطا کے قول سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ وہ فقط سکنیٰ کو منسوخ کہتے ہیں اور باقی حکم کی نسبت ان کے دو قول ہیں ایک یہ کہ "اگر بیوہ چاہے تو خاوند کے گھر والوں کے پاس عدت بیٹھے اور اپنی وصیت میں ٹھیرے اور اگر چاہے نکل جائے"۔ اور دوسرا یہ کہ "پھر میراث نے سکنیٰ کو منسوخ کردیا اب وہ جہاں چاہے عدت بیٹھے اس کے رہنے کے لئے مکان دینا لازم نہیں" (بخاری کتاب تفسیر القرآن) ان دونوں کا ماحصل یہی ہوسکتا ہے کہ بیوہ کو اختیار ہے کہ وہ جہاں چاہے عدت بیٹھے کیونکہ مجاہد، ابن عباس اور خود عطا کے قول کے موافق آیت مَتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ کے نزول سے پہلے بیوہ پر واجب تھا کہ وہ فقط خاوند کے گھر والوں کے پاس عدت بیٹھے اور آیت مَتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ نے بیوہ کو اختیار دیدیا ہے کہ وہ اب جہاں چاہے عدت بیٹھ سکتی ہے۔ یہی مطلب ہے غَيْرَ اِخْرَاجٍ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ سے کہ نہ نکالدینا پھر اگر خود بخود نکل گئیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اب عطا کے اس قول کا کہ "میراث نے سکنیٰ کو منسوخ کردیا اب وہ جہاں چاہے عدت بیٹھے اس کے رہنے کے لئے مکان دینا لازم نہیں" اگر یہ مطلب ہے کہ بیوہ کو خاوند کے گھر والوں کے پاس یا جہاں کہیں وہ چاہے عدت بیٹھنے کا اختیار حاصل تو ہے مگر آیت میراث نے خاوند کے گھر والوں کے پاس سکنیٰ کو منسوخ کردیا ہے اس لئے اس کے رہنے کے لئے مکان دینا لازم نہیں تو یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے کیونکہ اس سے یہ لغو نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ ادھر تو قرآن نے غَيْرَ اِخْرَاجٍ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ کہکر بیوہ کو اختیار دیدیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو خاوند کے گھر والوں کے پاس بھی عدت بیٹھ سکتی ہے اور ادھر آیت میراث سے اس کے سکنیٰ کو منسوخ کرکے اس کے خاوند کے گھر والوں کو کہدیا کہ اس کے رہنے کے لئے مکان دینا لازم نہیں۔ اور اگر اس سے یہ مراد ہے کہ میراث نے خاوند کے گھر والوں کے پاس سکنیٰ کو منسوخ کردیا اب وہ اور جہاں کہیں چاہے عدت بیٹھے تو اس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ بیوہ کو خاوند کے گھر والوں کے پاس عدت بیٹھ سکنے کا جو اختیار حاصل تھا اس کو آیت میراث نے منسوخ کردیا اور یہ ظاہر ہے کہ آیت میراث کو اس اختیار سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے آیت میراث سے یہ اختیار

کسی طرح بھی منسوخ نہیں ہو سکتا۔

جب آیاتِ قرآنی اور احادیث کے مطالب میں تناقض واقع ہو تو احادیث سے آیاتِ قرآنی کی تنسیخ نہیں ہوگی بلکہ آیاتِ قرآنی سے احادیث منسوخ ہو جائینگی۔ اسلئے اگر حدیثِ لاسکنیٰ اور حدیثِ فریعہ بنت مالک سے آیتِ مَتَاعًا اِلَی الحَوْلِ کے حکم غیر اخراج کی مخالفت ہوتی ہے تو ان احادیث سے قرآن کا مذکورہ حکم منسوخ نہیں ہوگا بلکہ قرآنی حکم کے مقابلے میں یہ احادیث منسوخ ہو جائینگی۔ یہی حدیث لاسکنیٰ جب ایک دوسری آیت کے خلاف تھی تو حضرت عمرؓ نے اس کو مسترد کر دیا تھا۔ اس کی تفصیل آگے آئیگی۔ یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ مذکورہ احادیث حکم غیر اخراج کی کسی طرح بھی مخالف نہیں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ سکنیٰ ایک گروہ کثیر کے نزدیک ثابت ہے جیسا کہ خود امام سیوطی نے کہا ہے۔ عدم مخالفت کے باوجود بھی قائلین نسخ نے ان احادیث کو حکم غیر اخراج کا ناسخ بنا دیا۔ حدیث لاسکنیٰ حکم غیر اخراج کی مخالف اس لئے نہیں ہو سکتی کہ یہ حدیث اس مطلقہ کے متعلق ہے جس کو طلاق بائن دی گئی ہو اور حکم غیر اخراج بیوہ سے تعلق رکھتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ بیوہ اور مطلقہ میں بڑا فرق ہے۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ بیوہ اور مطلقہ کی حالات میں کچھ فرق نہیں ہے تو بھی حدیث لاسکنیٰ سے حکم غیر اخراج کی تنسیخ نہیں ہو سکتی کیونکہ اس حدیث کو صحابہ کی ایک کثیر جماعت نے مسترد کر دیا ہے۔ مسلم (کتاب الطلاق) میں فاطمہ بنت قیس سے مروی ہے کہ ان کو ان کے شوہر ابو عمرو بن حفص نے تین طلاقیں دیدی تھیں۔ وہ نفقے وغیرہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فریاد لیگئیں تو آپ نے ان کو نفقہ اور مکان نہیں دلوایا۔ جب فاطمہ نے یہ حدیث حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کی تو چونکہ یہ حدیث آیت

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ — انھیں اپنی مقدور کے موافق وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو (۶) ع طلاق ۱۰۲۔

کے خلاف تھی اس لئے حضرت عمرؓ نے اس حدیث کو یہ کہکر مسترد کر دیا کہ ہم خدا کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو ایک عورت کے بیان پر چھوڑ نہیں سکتے ممکن ہے کہ وہ بھول گئی ہو یا اس کو اشتباہ ہوا ہو۔ ابن ملک کہتے ہیں کہ یہ واقعہ صحابہ کے روبرو ہوا تھا۔ یعنے حضرت عمرؓ نے صحابہ کی ایک جماعت کے روبرو اس حدیث کو مسترد کر دیا تھا۔ حضرت عائشہؓ بھی فاطمہ کے اس قول "لاسکنیٰ ولا نفقۃ" کی اس طرح تردید فرماتی ہیں "فاطمہ کو کیا ہو گیا ہے کہ لاسکنیٰ ولا نفقہ کہتے ہوے اللہ سے ڈرتی نہیں" (بخاری باب قصۃ فاطمہ بنت قیس)۔ بخاری کے اسی باب میں حضرت عائشہؓ فاطمہ کے متعلق بیان فرماتی ہیں کہ فاطمہ بنت قیس ایک ویران مکان میں تھیں خوف تنہائی کے خیال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس مکان سے اٹھ آنے کی اجازت دی تھی۔ شرح السنۃ میں سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ فاطمہ اپنے خاوند کے رشتہ داروں پر زبان درازی کیا کرتی تھیں اس لئے ان کا نقل مکان ہوا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حدیث لاسکنیٰ قابل عمل نہیں ہے۔ صحابہ کی ایک جماعت کے روبرو مسترد کر دی جا چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب امام شعبی نے ایک مجلس میں فاطمہ کی مذکورہ روایت بیان کی تو اسود بن یزید نے ان کو کنکریاں ماریں اور پھر حضرت عمرؓ کا مذکورہ قول بیان کیا۔ حضرت عائشہؓ اور سعید بن المسیب کی مذکورہ روایتوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ حدیث لاسکنیٰ صحیح نہیں ہے کیونکہ فاطمہ پر سکنیٰ منع

نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ عذر کی وجہ سے ان کو نقلِ مکان کی اجازت دی گئی تھی۔ حدیثِ فریعہ بنتِ مالک سے بھی حکم غیر اخراج کی تنسیخ نہیں ہو سکتی کیونکہ اس حدیث میں یہ ہے کہ جب فریعہ کے شوہر کو ان کے غلاموں نے مار ڈالا تو فریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئیں کہ میرا خاوند مار ڈالا گیا جس مکان میں میں رہتی ہوں وہ اس کی ملک نہیں ہے اور نہ میرے خاوند نے نفقہ چھوڑا کیا مجھے اپنے کنبے میں جا رہنے کی اجازت ہے؟ فریعہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے کنبے میں جا رہنے کی اجازت دیدی اور میں پلٹ آئی جب میں صحن یا مسجد میں پہنچی تو آپ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ عدت کی مدت پوری ہونے تک اپنے گھر میں ہی (یعنی اب تو جس گھر میں ہے) ٹھیری رہ۔ فریعہ کہتی ہیں کہ میں اسی گھر میں چار مہینے دس دن تک عدت میں بیٹھی (ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، مسند مالک)۔ ہم حیران ہیں کہ حدیثِ فریعہ بنتِ مالک حکمِ غیر اخراج کی کس طرح مخالف ہو سکتی ہے جب کہ خود اس حدیث میں یہ موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فریعہ کو ان کے کنبے میں جا رہنے کی اجازت دینے کے بعد ہی پھر ان کو بلا کر اسی مکان میں رہنے کا حکم دیا جس میں وہ تھیں۔ اگر فریعہ کو اسی مکان میں رہنے کا حکم بھی نہ دیا جاتا تو بھی اس حدیث سے حکمِ غیر اخراج کی مخالفت نہیں ہوتی کیونکہ ان کو کنبے میں جا رہنے کی جو اجازت دی گئی تھی وہ اس عذر پر مبنی تھی کہ وہ مکان فریعہ کے شوہر کا نہ تھا اور فریعہ کے شوہر نے کچھ نفقہ بھی نہیں چھوڑا تھا۔ اب یہ امر قابلِ غور ہے کہ فریعہ کو اسی مکان میں ٹھیرنے کا جو حکم دیا گیا تھا وہ بطور امرِ استحباب کے ہے یا کنبے میں جا رہنے کی اجازت کا ناسخ ہے۔ علیؓ، ابن عباسؓ، عائشہؓ اور امام ابو حنیفہؒ کے پاس یہ حکم بطور امرِ استحباب کے ہے اس صورت میں بھی حدیثِ فریعہ سے سکنیٰ منسوخ نہیں ہوتا کیونکہ جب یہ حکم استحباب پر مبنی ہے تو اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ بیوہ کا اپنے خاوند کے گھر والوں کے پاس ٹھیرنا اور خاوند کے گھر والوں کا بیوہ کو سکنیٰ دینا دونوں مستحب ہیں۔ جب سکنیٰ کا حکم بطور استحباب کے موجود ہے تو پھر یہ کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ حدیثِ فریعہ نے سکنیٰ کو منسوخ کر دیا۔ حضرت عمرؓ، عثمانؓ، عبد اللہؓ بن مسعود، عبد اللہ بن عمرؓ، ام سلمہؓ، امام مالکؒ، سفیانؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فریعہ کو ان کے کنبے میں جا رہنے کی جو اجازت دی تھی وہ اجازت آپ کے اس حکم سے منسوخ ہو گئی کہ ایامِ عدت کے گذرنے تک اپنے گھر ہی میں ٹھیری رہ اس لئے بیوہ کو سکنیٰ یعنی رہنے کے لئے مکان دینا چاہئے۔

آیتِ متاعاً الی الحول کی بحثِ نسخ کی بنا فقط حضرت ابن زبیرؓ کا قول ہے جو بخاری میں ہے حالانکہ اسی بخاری میں مجاہد اور حضرت ابن عباسؓ کے اقوال سے اس آیت کا غیر منسوخ ہونا ثابت ہے۔ عطا کے قول سے جو بخاری ہی میں ہے یہ آیت ایک حد تک غیر منسوخ ثابت ہوتی ہے کیونکہ عطا فقط سکنیٰ کو منسوخ کہتے ہیں تو ایسی صورت میں فقط حضرت ابن زبیر کے قول کو ترجیح دینا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے اور وہ بھی ایسی حالت میں جب کہ اور دوسرے قرائن و شواہد اس کے بالکل خلاف ہوں اور جب کہ خود حضرت ابن زبیر کے قول سے اس آیت کے منسوخ الحکم ہونے کی قطعیت نہ پائی جاتی ہو۔ کیونکہ حضرت ابن زبیر کہتے ہیں کہ "میں نے عثمان بن عفان سے کہا کہ "وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا" اس آیت کو ایک دوسری آیت نے منسوخ کر دیا ہے۔ پس آپ اس کو نہ لکھئے یا اس کو (لکھنے سے) چھوڑ دیجئے تو عثمان نے فرمایا اے میرے بھتیجے میں قرآن کی کسی چیز کو اس کی جگہ سے نہیں بدلونگا (بخاری کتاب تفسیر القرآن)۔ اس قول میں اس احتمال کی بھی گنجائش ہے کہ غالباً حضرت ابن زبیر اس سے یہ مراد لیتے ہوں کہ وہ پہلے ان

آیت کو منسوخ سمجھتے تھے اور اسی لئے انھوں نے اس کو قرآن میں درج نہ کرنے کی رائے دی مگر حضرت عثمان نے ان کی رائے کو مسترد کر دیا اور اس کا عدم النسخ ظاہر فرمایا کیونکہ حضرت عثمان غَیْرَ اِخْرَاجٍ پر عامل تھے یعنے ان کے پاس بیوہ کے لئے سکنیٰ ہے۔ اب ناظرین خود اس کا اچھی طرح اندازہ کر سکتے ہیں کہ آیت مَتَاعًا اِلَی الْحَوْلِ کو فقط حضرت ابن زبیر کے قول کی بنا پر منسوخ الحکم کہدینا صحیح ہو سکتا ہے یا نہیں۔

(۳۳) سورۂ انفال ۸۸ میں ہے:۔

يَآيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ①

اے نبی مسلمانوں کو (کافروں کے ساتھ) جہاد کرنے کی ترغیب دلاؤ کہ اگر تم (مسلمانوں) میں سے بیس بھی ثابت قدم رہنے والے ہونگے تو دو سو (کافروں) پر غالب آئینگے اور اگر تم میں سے (ایسے ہی) سو ہونگے تو ہزار کافروں پر غالب آئینگے کیونکہ یہ کافر ایسے لوگ ہیں جو (دار آخرت اور ثواب) سمجھتے ہی نہیں ①

کہا جاتا ہے کہ یہ آیت اس کے بعد کی حسب ذیل آیت سے منسوخ ہوگئی ہے:۔

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ②

اب خدا نے تم پر تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ تم میں ضعف ہے پھر اگر تم میں سے سو ثابت قدم رہنے والے ہونگے تو دو سو (کافروں) پر غالب آئینگے اور جو تم میں سے (ایسے ہی) ہزار ہونگے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئینگے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ② ع انفال ۸۸۔

ہم کو یہ ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ قرآن میں کہیں نسخ ہو سکتا ہے تو وہ صرف امر و نہی، حظر و اطلاق و منع اباحت میں ہی ہو سکتا ہے نہ کہ اخبار میں۔ کوئی بات بطور دلیل یا مثال یا قصے کے بیان ہوئی ہو یا کوئی پیشین گوئی کی گئی ہو تو اس کا نسخ نہیں ہو سکتا۔ خود قائلین نسخ بھی اس مسلمہ اصول کو تسلیم کرتے ہیں۔ مذکورۂ بالا آیتوں میں احکام بیان نہیں ہوئے ہیں بلکہ دو مختلف حالات بطور خبر کے ذکر کئے گئے ہیں۔ پہلی آیت میں خدا فرماتا ہے کہ صبر اور استقلال سے کام لینے والے مسلمان اپنے سے دہ چند کافروں پر غالب آئینگے۔ اس غلبے کی وجہ بھی خدا نے بیان کر دی ہے اور وہ یہ ہے کہ "کافر ایسے لوگ ہیں جو سمجھ سے کام نہیں لیتے" وہ ایک ادنیٰ بات کے لئے جنگ کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور چونکہ ان کا مقصد جنگ سے کوئی اعلیٰ مدعا حاصل کرنا نہیں ہوتا ہے اس لئے وہ عزم اور استقلال سے ایک بڑی حد تک عاری ہوتے ہیں۔

یہ آئتیں جنگ بدر کے موقع پر نازل ہوئی تھیں۔ خدا آنحضرت صلعم سے خطاب کر کے کہتا ہے کہ "اے نبی مسلمانوں کو جہاد کرنے کی ترغیب دلاؤ" اور بطور ترغیب ان سے بیان کرو کہ چونکہ اس جنگ سے تمھارا مدعا بہت ہی اعلیٰ ہے اس لئے تمھارا صبر و

استقلال ضرور کامیابی کا باعث ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی دوسری آیت میں خدا کا ارشاد ہے کہ "خدا نے معلوم کر لیا ہے کہ تم (مسلمانو) میں (اس وقت) ضعف ہے" تم آلات جنگ سے پوری طرح مسلح نہیں ہو، تم نے باقاعدہ فوجی تیاری نہیں کی ہے تاہم اس کمزوری کی حالت میں بھی "اگر تم میں سے سو ثابت قدم رہنے والے ہونگے تو دو سو (کافروں) پر غالب آئینگے"۔

یہ دونوں بیان یعنے جب فریقین یکساں جنگی تیاری رکھتے ہوں تو "ثابت قدم" مسلمانوں کا دہ چند "بے سمجھ" کافروں پر غالب آنا اور جب مسلمان ضعیف ہوں تو اس حالتِ ضعف میں بھی ان کا دوچند کافروں پر غالب آنا اپنے اپنے موقع پر بالکل صحیح ہیں۔ ان میں ذرہ برابر بھی تضاد نہیں ہے اس لئے ان میں کسی طرح بھی نسخ واقع نہیں ہو سکتا۔ اس پر بھی بعض علما کا اصرار ہے کہ دوسری آیت پہلی آیت کی ناسخ ہے اور وہ اپنی بات رکھنے کے لئے یہ تاویل کرتے ہیں کہ ان آیات کا نظم اور سیاقِ کلام اگرچہ بظاہر بطور خبر کے ہے مگر درحقیقت اس سے مراد امر یا حکم ہے۔ چونکہ دونوں حکم باہم متناقض ہیں اسلئے پہلا حکم دوسرے حکم کے نزول سے منسوخ ہوگیا۔ اب دوچند کفار سے مقابلہ کرنے کا حکم باقی رہگیا ہے۔ اس خلافِ ظاہر تاویل نے ان آیات کے صاف اور صریح مفہوم کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ آیات میں ہے کہ "اے نبی مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دلاؤ کہ اگر تم میں سے بیس بھی ثابت قدم رہنے والے ہونگے تو دو سو کافروں پر غالب آئینگے" (آخر آیات تک) قائلینِ نسخ کی تاویل نے اس تحریض علی القتال یعنے ترغیب جہاد کو حکم کا درجہ دیدیا جس سے پہلی آیت کے معنے اس طرح ہوگئے کہ "اے نبی مسلمانوں کو جہاد کا حکم دو کہ اگر تم میں سے بیس بھی ثابت قدم رہنے والے ہوں تو ان کو چاہئے کہ وہ دو سو (کافروں) پر غالب آئیں اور اگر تم میں سے (ایسے ہی) سو ہوں تو ان کو ہزار کافروں پر غالب آنا چاہئے"۔ اور دوسری آیت کے معنے یہ ہوگئے کہ "اگر تم میں سے سو ثابت قدم رہنے والے ہوں تو ان کو دو سو پر غالب آنا چاہئے اور اگر تم میں سے (ایسے ہی) ایک ہزار ہوں تو ان کو چاہئے کہ وہ دو ہزار پر غالب آئیں"۔ یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ جب کسی کلام کے ظاہری معنے مراد ہو سکیں تو ان کو چھوڑ کر دوسرے معنے مراد لینا نادرست ہے۔ کسی کلام کے ظاہری معنے کی تاویل کرکے اس کو مجاز مرسل یا استعارہ یا کلام غیر مقصودی سے اس وقت تعبیر کر سکتے ہیں جب اس کے ظاہری معنے مطابق نہ ہو سکیں اور مجازی معنے کے لئے ایسا قرینہ بھی پایا جائے جو ظاہری معنی کے مخالف ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آیات مذکورہ کے ظاہری معنی تحریض علی القتال (ترغیب جہاد) کے مراد لئے جانے میں کوئی امر مانع نہیں ہے اور آیات کا نظم اور سیاقِ کلام بھی بطور خبر کے ہے تو پھر ایسی صورت میں تاویل کرکے ترغیب اور خبر کو امر یا حکم سے تعبیر کرنا عقل اور نقل کے بالکل خلاف ہے۔

(۴)۔ سورۂ احزاب ۹۲ میں ہے:۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ	(اے محمد اس کے بعد) تمھارے لئے (اور) عورتیں حلال
بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ	نہیں ہیں اور نہ یہ درست ہے کہ ان (موجودہ بیبیوں)
إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ	کو بدل کر دوسری بیبیاں کرلو، گو تم کو ان (دوسری

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿٥٢﴾ عورتوں) کا حسن اچھا معلوم ہو، مگر وہ جو تمھاری مملوکہ ہو اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے ﴿٥٢﴾ پ ع۔

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کی باہمی رقابت اور ان کے توسیع نفقے کے تقاضے سے ناراض ہو کر ایک مہینے تک ایک الگ مکان میں تنہا نشین ہو گئے تھے۔ اس ایک مہینے کے ایلاء کی مدت گذر چکی تو آیتِ تخیر نازل ہوئی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

اے پیغمبر اپنی بیبیوں کو کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کے زیب و زینت کی طلبگار ہو تو آؤ میں تم کو کچھ متاع دے کر خوش اسلوبی سے رخصت کردوں اور اگر تم خدا اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کی خواہاں ہو تو تم میں سے جو نیکوکار ہیں ان کے لئے خدا نے بڑا اجر تیار کر رکھے ہیں ﴿٢﴾ پ ع احزاب ۹۲

اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو خدا کا حکم پڑھ کر سنایا۔ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا میں اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کو چاہتی ہوں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "پھر باقی بیبیوں نے بھی یہی کیا جو میں نے کیا تھا" (بخاری کتاب تفسیر القرآن)۔ ازواج مطہرات کے اس ایثار اور نیکی یعنے دنیا اور دنیا کے زیب و زینت کو ترک کر کے اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کو اختیار کرنے کے بدلے میں خدا نے آیت نمبر ۲ یعنے لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ نازل فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور نکاح کرنے سے منع فرما دیا۔ یہ حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ، قتادہ اور ابن سیرینؒ کا قول ہے۔ جب ازواج مطہرات کے ایثار اور نیکی کے بدلے میں لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ کا حکم دیا گیا تھا تو اس کے یہ معنے ہوئے کہ یہ حکم بطور احسان یا معاوضے کے تھا۔ تو پھر اس حکم کو منسوخ کر دینا گویا اس کئے ہوئے احسان یا دئے ہوئے معاوضے کو واپس لے لینا ہے اور یہ خدا کی شان سے بہت بعید بات ہے۔

ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ ابوداؤد، ترمذی اور نسائی وغیرہ میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کا یہ قول مذکور ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت تک انتقال نہیں ہوا جب تک سب عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں ہو گئیں"۔ ہم اس کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ ام المومنینؓ کے مذکورہ قول سے لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ کی تنسیخ ہوتی ہے۔ مگر کیا ام المومنینؓ کے اس قول کی بنا پر متعدد جلیل القدر صحابہ کے اقوال نظر انداز کر دئے جا سکتے ہیں اور وہ بھی ایسی حالت میں جب کہ متعدد قرائن، شواہد اور دلائل انہی صحابہ کی تائید میں ہوں۔ محققین نے مندرجۂ ذیل وجوہ کی بنا پر آیت لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ کو منسوخ الحکم تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

(۱) اکثر صحابہ اور تابعین کے اقوال سے مذکورہ آیت غیر منسوخ الحکم ثابت ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اس آیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی موجودہ بیبیوں کے سوا اور عورتوں سے نکاح کرنا منع ہو گیا تھا (تفسیر ابن جریر)۔ حضرت مجاہدؒ، ضحاکؒ

تادہ اور ابن سیرین بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آخر عمر تک عورتیں حرام ہی
یں یعنے موجودہ بیبیوں کے سوا اور سے نکاح جایز نہ تھا جیسا کہ اللہ نے فرمایا لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ (جایزۃ الشعوذی
واب تفسیر القرآن) حضرت ابی بن کعب کہتے ہیں کہ آیت اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ میں جن عورتوں کا حلال ہونا مذکور ہے
ن کے سوا اور عورتیں حرام ہوگئیں (جایزۃ الشعوذی، ابواب تفسیر القرآن) حضرت عکرمہ، ضحاک اور ابو رزین بھی اسی کے موید ہیں۔
) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل سے بھی یہی پایا جاتا ہے کہ آیت لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ کا حکم منسوخ نہیں
اتھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ مجاہد قتادہ اور ابن سیرین وغیرہم کے اقوال سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ یہ آیت واقعۂ ایلاء اور تخییر
بعد نازل ہوئی تھی۔ بعض محدثین کی رائے ہے کہ ذوالحجہ ۵ھ ہجری میں واقعۂ ایلاء اور تخییر پیش آیا تھا۔ مگر اکثر محدثین اور سیرت نگار
ا، اس کو ۹ھ ہجری کا واقعہ قرار دیتے ہیں اور یہی صحیح ہے۔ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی اور محدث دمیاطی نے بدلایل اس کو
ت کردیا ہے کہ یہ ۹ھ ہجری کے اوایل کا واقعہ ہے (فتح الباری، جلد ۹ صفحہ ۲۵۰)۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اوایل ۹ھ ہجری
بعد جو اس آیت کے نزول کا زمانہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نکاح کیا تھا یا نہیں۔ اگر یہ معلوم ہوجائے کہ
۹ھ ہجری کے بعد آپ نے کوئی نکاح کیا تھا تو آیت مذکورہ کی تنسیخ میں کچھ بھی کلام نہیں۔ مگر اس کا ایک شخص بھی منکر نہیں ہے
سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ھ ہجری کے بعد کوئی نکاح نہیں کیا۔ یہی نہیں بلکہ یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ ۷ھ ہجری کے
سے وفات شریف تک آپ نے کوئی نکاح نہیں کیا۔ آیت لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ کے نزول کے وقت حسب ذیل
ات المومنین رضی اللہ عنہن موجود تھیں :۔

رت سودہ بنت زمعہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بنت ابی بکر، حضرت حفصہ بنت عمر، حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ، حضرت زینب بنت جحش
یہ، حضرت جویریہ بنت حارثہ مصطلقیہ، حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان، حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب، حضرت میمونہ بنت
رث ہلالیہ رضی اللہ عنہن ۔

رت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا بھی اس وقت حرم محترم نبوی میں موجود تھیں۔ کیونکہ آپ ۶ھ ہجری میں حرم نبوی میں داخل
ں تھیں۔ یہی دس امہات المومنین رضی اللہ عنہن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک موجود رہیں۔ ازواج مطہرات میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سب
آخری بیوی تھیں جو ۷ھ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری
ح تھا۔

، قائلین نسخ آیت لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ کی تنسیخ میں جن آیات کو بطور ناسخ آیات کے پیش کرتے ہیں، ان سے
س آیت کی تنسیخ نہیں ہوتی۔ قائلین نسخ کا زیادہ تر دارومدار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مذکورہ قول پر ہے۔ مگر چونکہ اس قول میں ناسخ
کور نہیں ہے اس لئے قائلین نسخ حکم ناسخ کے بارے میں مختلف الرائے ہیں۔ بعض ذیل کے آیت کو ناسخ قرار دیتے ہیں۔
یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ اے پیغمبر ہم نے تمھارے لئے تمھاری بیبیاں حلال کر دی

الّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَھُنَّ وَمَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلَیْکَ وَبَنٰتِ عَمِّکَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِکَ وَبَنٰتِ خَالِکَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِکَ الّٰتِیْ ھَاجَرْنَ مَعَکَ ز وَامْرَاَۃً مُّؤْمِنَۃً اِنْ وَّھَبَتْ نَفْسَھَا لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْکِحَھَا ق خَالِصَۃً لَّکَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ط

ہیں جن کے تم نے مہر دیئے ہیں اور وہ جو تمہاری مملوکہ ہیں جو اللہ نے تم کو (غنیمت میں) دلوا دی ہیں اور تمہارے چچا کی بیٹیاں اور تمہاری پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تمہارے ماموں کی بیٹیاں اور تمہاری خالاؤں کی بیٹیاں جو تمہارے ساتھ ہجرت کرکے آئی ہیں اور کوئی سی مسلمان عورت اگر (بلا عوض) اپنے کو پیغمبر کو دیدے بشرطیکہ پیغمبر اس کو نکاح میں لانا چاہیں (یہ سب) خاص تمہارے ہی لئے ہے اور مسلمانوں کے لئے نہیں ⑩ پ احزاب ۹۲۔

اور بعضوں نے کہا ہے کہ آیت ذیل ناسخ ہے :۔

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْھُنَّ وَتُؤْوِیْٓ اِلَیْکَ مَنْ تَشَآءُ ط وَمَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکَ ط

(اے پیغمبر تم کو اختیار ہے) کہ تم ان میں سے (یعنے اپنی بیبیوں میں سے) جس کو چاہو الگ رکھو اور جس کو چاہو اپنے پاس رکھو اور جس سے تم نے (ایک وقت خاص تک) علٰحدگی اختیار کی تھی ان میں سے پھر کسی کو طلب کر لو تو تم پر کچھ گناہ نہیں ⑪

پ احزاب ۹۲۔

آیت اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ سے آیت لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ کی تنسیخ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ آیت اِنَّآ اَحْلَلْنَا آیت لَا یَحِلُّ سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابی بن کعب کہتے ہیں کہ لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ سے یہ مراد ہے کہ آیت اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ میں جن عورتوں کا حلال ہونا مذکور ہے ان کے سوا اور عورتیں حرام ہو گئیں (جامع ترمذی ابواب تفسیر القرآن)۔ حضرت عکرمہ، ضحاک اور ابن زین بھی یہی کہتے ہیں۔

آیت تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ کے متعلق متعدد صحیح روایات سے یہ ثابت ہے کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شب باشی کے بارے میں نازل ہوئی تھی کہ آپ جس کے پاس چاہیں رات کو نہ رہیں اور جس کے پاس چاہیں رہیں" آپ پر شب باشی میں برابری رکھنا واجب نہ تھا۔ بخاری (کتاب تفسیر القرآن) میں حضرت عائشہؓ کے دو مختلف قول مروی ہیں (۱) حضرت عائشہؓ کا بیان ہے :۔ "میں ان عورتوں پر جو اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیتی تھیں عیب رکھتی تھی اور کہا کرتی تھی کہ کیا عورت اپنے آپ کو ہبہ کرتی ہے؟ پھر جب آیت تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ الآیۃ نازل ہوئی تو میں نے آنحضرتؐ سے کہا کہ اللہ آپ کی خاطر رکھنے میں بہت جلدی کرتا ہے"۔ (۲) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "آیت تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ایک بی بی کی باری میں دوسری بی بی کے پاس جانا چاہتے تو ہم سے اجازت لے لیتے تھے" حضرت عائشہ کے پہلے قول کی بنا پر

لکھتے ہیں کہ "یہ آیت نکاح کے لئے ہے کہ آپ جس سے چاہیں نکاح کریں اور جس سے چاہیں نہ کریں آپ کو نکاح کی عام اجازت
ی گئی ہے" مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کا مذکورہ قول ان عورتوں کے متعلق نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ
سے نکاح کرنا چاہتی تھیں بلکہ ان عورتوں کے بارے میں ہے جو اپنے آپ کو رسولؐ کو ہبہ کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کے مذکورہ قول
ادی ہشام کے والد ہیں۔ یہی قول ایک اور طریقے سے مروی ہے' اس کے راوی عروہ ہیں۔ عروہ کی روایت نے اس ہبہ کو
بھی زیادہ واضح کر دیا ہے۔ عروہ کی روایت میں ہے "حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ خولہ بنت حکیم ان عورتوں میں سے تھیں
جنہوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا تھا تو حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ عورت اس سے شرماتی نہیں کہ
اپنے آپ کو کسی مرد کو ہبہ کر دے۔ پھر جب آیت تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ الآیۃ نازل ہوئی تو میں نے آنحضرت سے کہا کہ اللہ آپ کی خاطر
میں بہت جلدی کرتا ہے"۔ قائلینِ نسخ کا کُل سرمایہ حسن کا مذکورہ قول ہے جو حضرت عائشہؓ کے پہلے قول سے مستفاد ہے۔
قول کی بناء پر قائلینِ نسخ جمہور کی رائے کے خلاف آیت تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ کو آیت لَا يَحِلُّ کا ناسخ قرار دیتے ہیں۔ شعبی کہتے
کہ یہ آیت طلاق کے بارے میں ہے کہ آپؐ ان عورتوں میں سے جسے چاہیں طلاق دیں اور جسے چاہیں اپنے پاس رہنے دیں۔
ت ابنِ عباس کے ایک قول سے بھی یہی پایا جاتا ہے۔ ابنِ زید کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ وا
سے متعلق ہے۔ آیت تخییر سے جس طرح ازواجِ مطہرات کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ چاہیں تو کچھ متاع لے کر رخصت ہو جائیں اور چاہیں
کی حالت میں نبی کے گھر میں بسر کریں اسی طرح نبی کو بھی آیت تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ سے اختیار دیا گیا تھا کہ آپ جسے چاہیں طلاق
اور جسے چاہیں اپنے پاس رہنے دیں۔ ان روایات سے بھی آیت لَا يَحِلُّ کی تنسیخ نہیں ہوتی کیونکہ ان میں سے کسی ایک روایت
بھی نکاح کی اجازت کا ذکر نہیں ہے۔ جمہور نے حضرت عائشہؓ کے دوسرے قول کو اختیار کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شب
کے بارے میں ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ کا پہلا قول اور شعبی وغیرہ کے اقوال آیت تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ کے ظاہری معنے کے خلاف
۔ بخاری (کتاب تفسیر القرآن) میں ہے "حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ تُرْجِي کے معنے تُؤَخِّرُ یعنے موخر کرنے یا پیچھے رکھنے کے
۔ ابن رزین کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہرات کے توسیعِ نفقے کے تقاضے سے ناراض ہو کر ایک مہینے
خانہ نشین ہو گئے تو آیتِ تخییر نازل ہوئی اور آپ نے سب بیبیوں کو کہدیا کہ اگر دارِ آخرت منظور رہے تو جس حال میں رکھا جائے
طرح رہنا منظور کرو اور جو دنیا مطلوب ہے تو آؤ تم کو کچھ متاع دے کر رخصت کر دوں تو سب بیبیوں نے دارِ آخرت کو منظور
، تو پھر باری سے رہنا بھی واجب نہ رہا یہ آیت اسی بارے میں ہے۔ غرضکہ آیت تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ سے آیت لَا يَحِلُّ لَكَ
النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ کا حکم کسی طرح بھی منسوخ نہیں ہوتا۔

اب ہم مزید تائید کے لئے ذیل میں بعض مشہور علماء ہند کے اقوال درج کرتے ہیں۔

مفسر قرآن مولانا عبد الحق صاحب مرحوم آیت تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ کے متعلق تفسیر حقانی (جلد ۶ صفحہ ۸۴) میں لکھتے ہیں: "اکثر
قول ہے کہ یہ آیت شب باشی کے متعلق ہے"۔ پھر آگے چل کر لکھتے ہیں "یہ ایک حکم خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھا

آپ پر شب باشی میں برابری رکھنا واجب نہ تھا بلکہ آپ کو اختیار دیا گیا تھا جس کے پاس چاہیں رات کو رہیں جس کے پاس چاہیں نہ رہیں۔"

مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "کسی مرد کو جو کئی عورتیں ہوں اس پر واجب ہے باری سے سب پاس رہنا برابر۔ حضرت پر یہ واجب نہ تھا (موضح القرآن سورۂ احزاب)۔

شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب مرحوم اپنے ترجمۂ قرآن میں آیت تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ کے متعلق حاشئے پر لکھتے ہیں "مطلب یہ کہ تم کو بیبیوں کے بارے میں اختیار دینے سے تمھاری بیبیاں سمجھ لیں گی کہ دوسروں کی بیبیوں کی طرح پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارے کچھ حقوق نہیں ہیں۔ اس پر بھی پیغمبر صاحب جتنا جن کے ساتھ التفات کریں ان کی ذاتی مہربانی ہے ہمارا کچھ دعویٰ نہیں"۔ حاشئے کے خاتمہ پر لکھتے ہیں " اس پر بھی باوجودیکہ پیغمبر صاحبؐ کو دوسرے لوگوں کی طرح خدا نے بیبیوں کے ساتھ برابری کا برتاؤ کرنے پر مجبور نہیں کیا تھا تاہم پیغمبر صاحبؐ نے از خود اپنے اوپر لازم کر رکھا تھا اور اس کو تا دمِ مرگ اس عمدگی اور خوبی سے نباہا کہ دوسرا نہیں کر سکتا"۔

آیت لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ کے متعلق مولانا عبدالحق صاحب مرحوم تفسیر حقانی (جلد ۶ صفحہ ۸۵) میں حضرت ابنِ عباس مجاہد، ضحاک، قتادہ، حسن اور ابنِ سیرین کا قول نقل کر کے لکھتے ہیں "حضرت کی وفات تک یہی (بیبیاں) موجود رہیں۔ ان کے بعد اور کی اجازت تو درکنار ان کی جگہ اور عورت کا قائم کرنا ممنوع تھا کہ ایک کو طلاق دے کر اس کی جگہ اور دوسری کو لاویں اور نو کے عدد کو پورا رکھیں کَمَا قَالَ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ"۔ پھر آگے چل کر لکھتے ہیں " یہ آیت (یعنے آیت لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ) محکمہ ہے۔ اسی پر اخیر تک رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل درآمد رہا"۔ پھر حضرت ابی بن کعب، عکرمہ اور ابنِ رزین کا قول نقل کر کے لکھتے ہیں "اس صورت میں آیت (لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ) کو منسوخ کہنے کی کچھ بھی ضرورت نہیں"۔

(۵)۔ سورۂ مجادلہ ۵۸۔ ایں ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ	مومنو! جب تم رسول سے سرگوشی کرو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ
فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً	صدقہ لاکر آگے رکھ دیا کرو، یہ تمھارے لئے بہتر اور زیادہ پاکیزگی
ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا	کی بات ہے، پھر اگر تم (صدقہ) نہ پاؤ تو اللہ مغفرت کرنے والا رحم
فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫	کرنے والا ہے ⑫ ع ۲

اس آیت میں بظاہر مومنوں سے مخاطبت ہے مگر دراصل اس کا روئے سخن مومن صورت منافقین کی طرف ہے جو محض شیخی جتانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ و نصایح میں خلل ڈالنے کے لئے بھری مجلس میں بار بار اُٹھ اُٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے کار اور بے فائدہ سرگوشی کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق ایسے نہ تھے

نہ آپ کسی کی دل آزاری فرماتے۔ اِدھر مسلمانوں پر منافقین کی یہ لغو حرکت بے حد شاق گذرتی تھی اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی تاکہ صدقے کے ڈر سے منافقین اس بیہودہ حرکت سے باز آجائیں۔

قائلینِ نسخ اس آیت کو بھی منسوخ الحکم آیات میں شمار کرتے ہیں۔ ان میں اس آیت کے بارے میں کئی قسم کا اختلاف رائے واقع ہوا ہے۔ ایک اختلاف تو حکم کی نوعیت سے متعلق ہے یعنے صدقے کا مذکورہ حکم واجب تھا یا مندوب۔ بعض کہتے ہیں واجب تھا اور بعض کہتے ہیں کہ جب اسی آیت میں فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یعنے پھر اگر تم (صدقہ) نہ پاؤ تو اللہ مغفرت کرنے والا رحم کرنے والا ہے" موجود ہے تو پھر صدقے کے حکم کو کس طرح واجب کہا جا سکتا ہے۔ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حکم مندوب تھا اور یہی صحیح ہے۔

دوسرا اختلاف حکم کی مدتِ عمل کے بارے میں ہے کہ یہ حکم کب تک قائم رہا۔ بعض کہتے ہیں کہ عمل کرنے سے پہلے ہی یہ حکم منسوخ ہو گیا (اتقان' نوع ۴۷) اور دلیل میں حضرت علیؓ کی اس روایت کو پیش کرتے ہیں جو اس آیت کے تحت ترمذی میں ہے یہ روایت تفصیل کے ساتھ آگے آئیگی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس آیت پر صرف حضرت علیؓ نے عمل کیا اس کے بعد یہ آیت منسوخ الحکم ہو گئی اور یہ حضرت علیؓ کی اس روایت سے استناد کرتے ہیں جس کے راوی رزین ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ حکم دس دن تک رہا اس کے بعد منسوخ کر دیا گیا۔ بعض یہ بیان کرتے ہیں کہ سترہ رات کے بعد منسوخ ہوا (مدارک التنزیل بر حاشیۂ اکلیل جلد ۷ صفحہ ۱۰۴) ایک اور قول سے یہ پایا جاتا ہے کہ صبح کی ایک گھڑی کے بعد اس کی تنسیخ ہوئی (مدارک بر اکلیل جلد ۷ صفحہ ۱۰۴)۔

تیسرا اختلاف حکم ناسخ سے تعلق رکھتا ہے۔ بعض قائلینِ نسخ کا یہ خیال ہے کہ آیتِ مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تخلیہ کرنے کے لئے کچھ صدقہ حاضر خدمت کرنے کا جو حکم ہے اس کو زکوٰۃ کے حکم نے منسوخ کر دیا۔ قائلینِ نسخ کی ایک کثیر جماعت مذکورہ قول کی صحت سے انکار کرتی ہے اور کہتی ہے کہ مذکورہ آیت کی ناسخ اس کے بعد کی حسبِ ذیل آیت ہے:۔

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

کیا تم ڈر گئے کہ کان میں بات کہنے سے پہلے کچھ خیرات لا کر آگے رکھ دیا کرو پھر جب تم (ایسا) نہ کرو اور اللہ نے تم کو معاف بھی کر دیا تو نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے ۝ ع مجادلہ ۱۰۵۔

کچھ اور قائلینِ نسخ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ منسوخ آیت فقط ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ تک نازل ہوئی تھی۔ اس کا باقی حصہ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اس کے بعد کی آیت کے ساتھ نازل ہوا تھا اس لئے ناسخ حکم منسوخ آیت کا آخری جملہ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور اس کے بعد کی آیت ہے۔

بعض قائلینِ نسخ نے کہا ہے کہ یہ آیت بلا بدل ہے یعنے اس کا ناسخ حکم نازل نہیں ہوا۔ اکلیل علیٰ مدارک التنزیل

(جلد ا صفحہ ۲۹۶) میں ہے "اور نسخ بلا بدل کی مثال سورہ مجادلہ کی آیت فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ہے ××× اس کی صراحت عضد الملۃ والدین نے کی ہے"۔

زکوٰۃ کے حکم سے آیت إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ کی تنسیخ نہیں ہو سکتی کیونکہ زکوٰۃ کے فرض ہونے سے پہلے صدقہ اور خیرات کے جو احکام نازل ہوئے تھے وہ زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد منسوخ نہیں ہوئے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ زکوٰۃ فتح مکہ کے بعد فرض ہوئی تھی۔ اور مکہ ۸ھ ہجری میں فتح ہوا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ ہجرت سے پہلے جو سورتیں اتری تھیں ان میں زکوٰۃ کا لفظ صراحتہً موجود ہے۔ مگر یہ حکم کی صورت میں نہیں ہے بلکہ ترغیب اور تحریص کے پیرائے میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام واقعہ نگار علماء نے زکوٰۃ کی فرضیت کا زمانہ ۸ھ ہجری کو قرار دیا ہے۔ یہ بھی سب جانتے ہیں کہ عید کے دن صدقۂ فطر دینا واجب ہے۔ صدقۂ فطر زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے واجب قرار پایا تھا۔ اس کے وجوب کا زمانہ ۲ھ ہجری ہے۔ (دیکھو طبری مطبوعہ یورپ صفحہ ۱۲۸۱)۔ اب ہم ان قائلین نسخ سے جو حکم زکوٰۃ کو آیت إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ کا ناسخ قرار دیتے ہیں یہ دریافت کرتے ہیں کہ ۸ھ ہجری میں زکوٰۃ کے فرض ہونے کے باوجود بھی صدقۂ فطر جس کا وجوب ۲ھ ہجری میں قرار پایا تھا کیوں منسوخ نہیں ہوا؟ جب زکوٰۃ کے حکم سے صدقۂ فطر کی تنسیخ نہیں ہو سکتی تو اس سے آیت إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ کے صدقے کی بھی تنسیخ نہیں ہو سکتی۔ امام سیوطی بھی اس کے قائل ہیں کہ صدقہ اور خیرات کے احکام حکم زکوٰۃ سے منسوخ نہیں ہوئے۔ وہ لکھتے ہیں "ان کے من جملہ ایک قسم ایسی ہے کہ وہ نہ تو نسخ میں شمار کئے جانے کے قابل ہے اور نہ تخصیص میں اور نہ تو اس کو نسخ سے کوئی تعلق ہے اور نہ تخصیص سے۔ اس کی مثال اللہ تعالےٰ کا یہ قول ہے" وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ اور أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ یا اسی قسم کی دوسری آیتوں کے بارے میں ان لوگوں نے بیان کیا ہے کہ یہ احکام آیت زکوٰۃ سے منسوخ ہو گئے ہیں حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں ہے بلکہ یہ آیتیں اپنے حال پر باقی ہیں" (اتقان، نوع ۴۷)۔ یہی وجہ ہے کہ خود اکثر قائلین نسخ نے بھی حکم زکوٰۃ کو مذکورہ آیت کا ناسخ ماننے سے انکار کر دیا ہے۔

جو لوگ آیت ءَأَشْفَقْتُمْ کو بطور حکم ناسخ کے پیش کرتے ہیں وہ حضرت علیؓ کی حسب ذیل روایت سے استدلال کرتے ہیں:۔

> حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ الآیۃ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تم ایک دینار (صدقہ) مناسب سمجھتے ہو تو میں نے عرض کیا کہ لوگ برداشت نہ کر سکیں گے۔ آپؐ نے فرمایا نصف دینار؟ تو میں نے کہا اس کی بھی لوگوں کو طاقت نہ ہو گی۔ ارشاد ہوا پھر کتنا؟ میں نے عرض کیا کہ ایک جو[1] تو آپؐ نے فرمایا تم بڑے کنجوس ہو۔ تب آیت ءَأَشْفَقْتُمْ الآیۃ نازل ہوئی حضرت علیؓ فرماتے ہیں پس میری وجہ سے خدا نے اس امت سے (اس صدقہ کی) تخفیف کر دی (ترمذی ابواب تفسیر القرآن)۔

حسب ذیل وجوہ کی بناء پر مذکورہ روایت سے آیت إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ کی تنسیخ کے لئے استدلال صحیح نہیں ہے:

[1] ترمذی وغیرہ نے جو سے ایک جو برابر سونا مراد لیا ہے ۱۲

...حضرت علیؓ سے جو روایات مروی ہیں وہ زیادہ تر موضوع ہیں۔ بخاری (باب مناقب علی بن ابی طالب) میں ہے" اور ابن
...برین کی رائے ہے کہ عموماً وہ روایتیں جو علیؓ سے مروی ہیں جھوٹ ہیں"۔

...۱) مذکورہ روایت خبرِ احاد ہے۔ خبرِ احاد وہ ہے جس کے سلسلۂ اسناد میں کسی جگہ صرف ایک راوی پر روایت کا مدار ہو۔ اخبارِ احاد کے
...یی وظنی ہونے کے متعلق اختلافِ رائے ہے۔ محدثین کی ایک جماعت ان روایتوں کی صحت اور قطعیت کی قائل ہے۔ معتزلہ
...نبارِ احاد کو کسی حالت میں بھی تسلیم نہیں کرتے۔ فقہائے احناف کے پاس اخبارِ احاد ظنی الثبوت ہیں، اِن سے قطعیت نہیں
...بت ہوتی۔

...۳) امام ترمذیؒ نے مذکورہ حدیث کی منبت لکھا ہے "یہ حدیث حسن ہے، غریب ہے، ہم اس کو نہیں جانتے مگر اسی سند سے"۔
...اویوں کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کے لحاظ سے اخبارِ احاد کی دو قسم ہیں:۔ صحیحؔ، حسنؔ۔ صحیح اس کو کہتے ہیں جس کے تمام راوی
...ل سے آخر تک دیندار اور پرہیزگار رہوں اور کبھی کسی قسم کی برائی کے ساتھ متہم نہ ہوئے ہوں۔ حسن اس کو کہتے ہیں جس کے
...مام راوی پرہیزگار اور ثقہ تو ہوں مگر بعض اوصاف مثلاً حافظہ اور یاد وغیرہ میں صحیح حدیث کے راویوں کی ہمسری نہ کرسکتے ہوں
...ن رتبہ میں صحیح سے کم ہے۔ تعداد رواۃ کے لحاظ سے اخبارِ احاد کی تین قسم ہیں۔ مشہورؔ، عزیزؔ، غریبؔ۔ مشہورؔ وہ ہے جس کو
...زمانے میں کم از کم تین راویوں نے روایت کیا ہو۔ عزیزؔ اس کو کہتے ہیں جس کو ہر زمانے میں دو راویوں سے کم نے روایت
...کیا ہو۔ غریبؔ وہ ہے جس کی روایت کسی زمانے میں ایک ہی راوی سے ہو یا جس کے راویوں میں سے کسی نے بجز ایک
...دہ حدیث کے اور کوئی حدیث روایت نہ کی ہو۔

...۴) حضرت علیؓ کی مذکورہ روایت انہیؓ کی ایک اور حسبِ ذیل روایت کی معارض ہے:۔

> حضرت علیؓ فرماتے ہیں اس آیت پر نہ تو مجھ سے پہلے کسی نے عمل کیا اور نہ کوئی میرے بعد اس پر عمل کرے گا۔ میرے پاس ایک دینار (سونے کا سکہ) تھا میں نے اس کے درہم (چاندی کے سکے) بنالئے۔ پھر میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرتا تھا تو ایک درہم صدقہ دیتا تھا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دس مسایل دریافت کئے (اس کے بعد روایت میں مسائل کی تفصیل ہے جس کو ہم نے غیر ضروری ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے)۔ پھر جب میں ان مسائل کی دریافت سے فارغ ہوگیا تو اس کا ناسخ حکم نازل ہوگیا
> (تفسیر مدارک التنزیل برحاشیۂ اکلیل جلد ۷، صفحہ ۱۰۴)۔

پہلی روایت سے یہ کسی طرح بھی نہیں پایا جاتا کہ آیت اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ کے نزول کے بعد کسی ایک شخص نے بھی خواہ وہ حضرت علیؓ ہی ہوں اس آیت کے حکم پر عمل کیا ہو کیونکہ پہلی روایت سے صاف ظاہر ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقے کی مقدار کے متعلق حضرت علیؓ سے استفسار کیا۔ حضرت علیؓ نے اس کی مقدار ایک جو بیان کی۔ بس اسی پر ناسخ آیت نازل ہوگئی۔ اسی بناء پر حضرت علیؓ اپنی اس روایت میں فرماتے ہیں کہ "میری وجہ سے خدا نے

اس امت سے صدقے کی تخفیف کر دی۔" دوسری روایت سے یہ ثابت ہے کہ اس آیت کے حکم پر حضرت علیؓ نے عمل کیا تھا۔ انھوں نے دس بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کی اور ہر بار ایک درہم صدقہ دیا۔ جب دسواں مسئلہ دریافت کر چکے تو ناسخ آیت نازل ہوئی۔ ان دونوں روایتوں میں دوسرا اختلاف ناسخ آیت کے نزول کے متعلق ہے۔ پہلی روایت سے یہ پایا جاتا ہے کہ ابھی صدقے کی مقدار ہی مقرر نہیں ہونے پائی تھی کہ ناسخ آیت نازل ہو گئی اور دوسری روایت یہ کہتی ہے کہ حضرت علی کے دس بار سرگوشی کرنے کے بعد ناسخ حکم نازل ہوا۔ صدقے کی مقدار میں بھی دونوں روایتیں معارض ہیں۔ پہلی روایت میں حضرت علی صدقے کی مقدار ایک جو مقرر کرتے ہیں اور دوسری روایت میں ہے کہ جب آپ نے سرگوشی کی تو ایک درہم صدقہ دیا۔

آیت ءَ اَشْفَقْتُمْ سے آیت اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ کی اس وقت تنسیخ ہو سکتی تھی جب ان دونوں آیتوں میں کسی طرح کا اختلاف ہوتا۔ اگر غور کیا جائے تو ان دونوں آیتوں میں کچھ بھی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ دوسری آیت پہلی آیت کی یا تو تاکید کر رہی ہے یا تشریح کیونکہ پہلی آیت میں صدقہ دینے کے حکم کے ساتھ ہی یہ بھی موجود ہے کہ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یعنے اگر تم صدقہ نہ پاؤ تو اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ اسی طرح دوسری آیت میں بھی ہے کہ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یعنے پس جب تم (ایسا) نہ کرو (یعنے صدقہ نہ دے سکو) اور اللہ نے تم کو معاف بھی کر دیا تو تم نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ ماحصل ان دونوں آیتوں کا یہی نکلتا ہے کہ اگر کوئی صدقہ دے تو افضل ہے اور اگر نہ دے تو اس سے کچھ بازپرس بھی نہیں۔ ابو مسلم اصفہانی کہتے ہیں کہ جس آیت کو ناسخ قرار دیا جا رہا ہے اس میں کوئی بات پہلے حکم کی مخالف نہیں بلکہ اس میں یا تو پہلے حکم کی تائید ہے یا تشریح پھر یہ آیت کس طرح ناسخ کہی جا سکتی ہے۔

مولانا عبدالحق صاحب مرحوم تفسیر حقانی (جلد ۷، صفحہ ۶۰) میں لکھتے ہیں "پھر فرماتا ہے فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا الخ اگر تمہیں صدقہ دینے کا مقدور نہ ہو تو خیر معاف ہے۔ پھر اسی پہلی آیت کے تمام مضمون کی تاکید کرتا ہے۔ فقال ءَ اَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ کہ کیا تم اپنے شورے سے پہلے صدقہ دینے سے ڈر گئے؟ یعنے نہ ڈرو صدقہ دو صدقے میں بہتری اور پاکیزگی ہے فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا پھر اگر نہ کر و جیسا کہ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا میں ذکر تھا یعنے بے مقدوری کی وجہ سے صدقہ نہ دے سکو اور تَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ اللہ نے تم کو معاف بھی اسی حالت میں کر دیا ہے تو اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ الخ نیک کام کیا کرو، نماز پڑھو، زکوٰۃ دو، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے اس پر کوئی بات مخفی نہیں۔

بعض قائلین نسخ نے یہ جو کہا ہے کہ منسوخ آیت صرف صَدَقَةً تک نازل ہوئی تھی، اس کے بعد کے جملے ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ سے غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ تک اس کے بعد کی آیت کے ساتھ نازل ہوئے تھے، اس لئے ناسخ حکم میں ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ الخ بھی داخل ہے تو یہ ایک بالکل بے دلیل اور بے ثبوت قول ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ صدقے کے مذکورہ حکم کو واجب قرار دیتے تھے۔ جب اعتراض کرنے والوں نے یہ اعتراض کیا کہ صدقے کا یہ حکم کس طرح واجب ہو سکتا ہے جب کہ اس کے

اتہ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ یعنے اگر تم (صدقہ) نہ پاؤ تو اللہ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے" موجود ہ
ان قائلینِ نسخ نے اس اعتراض سے بچنے کے لئے یہ کہدیا کہ اخیر کے جملے ذَالِكَ خَیْرٌ لَّكُمْ سے غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ تک اس کے بعد
آیت کے ساتھ نازل ہوئے ہیں اور یہ بھی حکم ناسخ میں داخل ہیں۔

ی رہا یہ کہنا کہ مذکورہ منسوخ الحکم آیت بلا بدل ہے یعنے اس کا ناسخ حکم نازل نہیں ہوا تو اس سے اس آیت کی تردید ہوتی
جس سے قائلینِ نسخ آیاتِ قرآنیہ کا نسخ ثابت کرتے ہیں کیونکہ آیت

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا
ہم جو کسی آیت کو منسوخ کرتے یا اسے بھلا دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس جیسی لاتے (بھی) ہیں ⓷ سیع بقرہ ۸۷

روسے منسوخ آیت کا بدل یعنے ناسخ آیت کا نزول لازمی امر ہے۔ خود اکلیل علی مدارک التنزیل (جلد ۱، صفحہ ۲۹۷) میں
"نسخِ حکم بغیر تلاوت میں ناسخ آیات اور منسوخ آیات دونوں کا تلاوت میں ثابت رہنا ضروری ہے" کیونکہ کسی حکم کو اس وقت تک منسوخ
یں کہا جا سکتا جب تک ناسخ حکم موجود نہو۔ قائلینِ نسخ کے اس قسم کے تمام اقوال اضطراری اقوال ہیں یعنے انھوں نے وارد
رہ اعتراضات سے گھبرا کر بلا سوچے سمجھے کبھی تو کہدیا کہ ناسخ حکم یہ نہیں وہ ہے جب اس پر بھی اعتراضات کی بھرمار ہونے لگی
پہلے سے بوکھلائے ہوئے تو تھے ہی نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ کہدیا کہ یہ نسخ بلا بدل ہے حالانکہ نسخ بلا بدل بالکل ناجائز ہے۔

بصرہ اب ہم منسوخ الحکم آیات کی بحث پر مختلف پہلوؤں سے نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔ نسخ کے مسئلہ میں اس قدر کثیر اختلافات
ر مباحث کے پیدا ہونے کا باعث یہ ہے کہ اس بارے میں مہبطِ وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بھی صحیح
ایت مروی نہیں ہے۔ اور جو کچھ بعض روایتیں ہیں بھی تو وہ مرسل یا موقوف ہیں یعنے ان میں سے کوئی روایت بھی رسول
لہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہو کہ فلاں آیت منسوخ ہے اور اس کی ناسخ
ل آیت ہے۔ ان مرسل روایتوں کی بھی یہ حالت ہے کہ ان میں سے اکثر منقطع ہیں یعنے اوپر کے راویوں کے نام مذکور
ا۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ طبرسی نے لکھا ہے کہ الروایات فی النسخ کلہا ضعیفۃ یعنے نسخ کی تمام روایتیں ضعیف ہیں"
سلم اصفہانی لکھتے ہیں "اور یہ روایات خبر احاد ہیں اور بعض تو موضوع یا ضعیف"۔ اگر واقعی قرآن کی کچھ آیتیں منسوخ الحکم
یں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس کی صراحت فرما دیتے جس کی وجہ سے نسخ کے مسئلہ میں قطعیت پیدا ہو جاتی
لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کوئی صراحت مروی نہیں ہے اس لئے صحابہ اور ائمہ وغیرہ مختلف الرائے
ا۔ بعض نسخ کے قائل ہیں اور بعض نسخ کے قائل نہیں، بعض جن آیات کو منسوخ الحکم قرار دیتے ہیں دوسرے بعض انہی
ت کو غیر منسوخ الحکم ثابت کرتے ہیں۔

وجہ اشتباہ ایک تو سورہ بقرہ ۸ کی آیت مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ الآیۃ ہے اور دوسری سورہ نحل ۷، ۲ کی آیت وَاِذَا بَدَّلْنَا
اٰیَةً الآیۃ ہے۔ یہ دونوں آیتیں صفحہ ننانوے (۹۹) پر درج ہیں۔ ان دونوں آیتوں سے بھی قطعی طور پر یہ نہیں ثابت ہوتا کہ در

حقیقت اس نسخ اور تبدیل سے مراد قرآن کی آیتوں کا نسخ اور تبدیل ہے کیونکہ اس قسم کی کوئی روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ مفسرین ان آیات کی تفسیر میں مختلف الرائے ہیں۔ مفسرین کی ایک جماعت مذکورہ آیات میں لفظِ آیت سے قرآن کی آیت مراد لیتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ نسخ اور تبدیل سے مراد قرآن کی آیتوں کا نسخ اور تبدیل ہے۔ دوسری جماعت کی رائے میں ان آیات میں لفظ آیت سے قرآن کی آیت مراد نہیں ہے بلکہ وہ لوگ اس سے وہ پیغامِ الٰہی مراد لیتے ہیں جو اگلے پیغمبروں پر ان کی کتابوں میں نازل کیا گیا تھا اور کہتے ہیں کہ ان آیات میں انہی سابقہ پیغامات کے متعلق نسخ اور تبدیل کا ذکر ہوا ہے۔ بعض دوسرے مفسرین نے آیت مَا نَنْسَخْ الآیۃ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہاں آیت سے آثارِ قدرت یعنے قوموں کی بلندی و پستی مراد ہے اور اس پر اس آیت کے ماقبل کی آیتوں سے استدلال کیا ہے (تفصیل کے لئے دیکھو صفحہ ۹۹ و ۱۰۰)۔ مفسرین نے لفظ آیت میں جو اختلاف کیا ہے اس اختلاف کو نادرست بھی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ خود قرآن میں ہر جگہ آیت کے لفظ سے قرآن کی آیت یا اس کا فقرہ مراد نہیں ہے بلکہ بعض بعض جگہ آیت سے مراد مظہرِ قدرت، اثرِ قدرت، دلیل، معجزہ، پیغام اور ہدایت بھی ہے (دیکھو صفحہ ۹۹)۔ ابومسلم اصفہانی لکھتے ہیں "اور لفظِ آیت کچھ آیاتِ قرآنیہ ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ احکام پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے" (تفسیر حقانی، جلد ۲، صفحہ ۲۳۳)۔ جب لفظ آیت آیاتِ قرآنیہ ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے، جب خود قرآن میں بھی لفظِ آیت سے مختلف معنے مراد لئے گئے ہیں اور جب مذکورہ آیات کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی صحیح حدیث بھی مروی نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ مذکورہ آیات میں لفظ آیت سے مراد آیتِ قرآنی ہے یا مذکورہ آیات میں نسخ اور تبدیل سے مراد قرآن کی آیات کا نسخ اور تبدیل ہے تو پھر مذکورہ آیات سے قرآن کی آیات کے نسخ اور تبدیل پر کس طرح قطعی طور پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ آیت مَا نَنْسَخْ الآیۃ کے متعلق ابومسلم اصفہانی لکھتے ہیں "اور اس آیت سے استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ اس سے مراد توراۃ و انجیل کے احکام ہیں"۔ پھر آگے چلکر لکھتے ہیں "اسی طرح اور آیات سے بھی استدلال صحیح نہیں" (تفسیر حقانی، جلد ۲، صفحہ ۲۳۳)۔ جس طرح مذکورہ آیات میں لفظ آیت سے قرآن کی آیت مراد لی جا سکتی ہے اسی طرح ان آیات میں لفظ آیت سے آیت کے اور دوسرے مفہوم بھی مراد لئے جا سکتے ہیں۔ اب رہا مسئلہ ترجیح تو قابلِ ترجیح وہی مفہوم ہو سکتا ہے جو نقلی اور عقلی دونوں کے مطابق ہو۔ چونکہ مذکورہ آیات میں لفظ آیت سے قرآن کی آیت مراد لینا اور پھر آیاتِ قرآنیہ میں نسخ اور تبدیل ثابت کرنا دلائلِ نقلی اور عقلی کے خلاف ہے اس لئے ان آیات میں لفظِ آیت کا یہ مفہوم قابلِ ترجیح نہیں قرار دیا جا سکتا۔ جب یہ مفہوم قابلِ ترجیح نہیں ہو سکتا تو پھر ان آیات سے نسخِ آیاتِ قرآنی پر استدلال بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔

اس میں شک نہیں کہ صحابہ کی ایک جماعت نسخ احکام قرآنیہ کی قائل ہے اور کتب احادیث ابواب تفسیر القرآن میں ان آیات کی نسبت جو منسوخ الحکم سمجھی جاتی ہیں ان صحابہ کے اقوال بھی درج ہیں مگر ان اقوال کو بھی قطعیت کا درجہ نہیں دیا جا سکتا کیونکہ خود صحابہ ہی میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جس کے اقوال دربارۂ نسخِ آیات مذکورہ جماعتِ صحابہ کے اقوال کے مخالف ہیں

بہ مخالف اقوال بھی کتب احادیث ابواب تفسیر القرآن ہی میں مذکور ہیں۔ ان میں سے بعض اقوال گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکے ہیں۔

جب کسی مسئلے میں اختلاف واقع ہو تو بلا وجہ ترجیح کسی ایک قول کو ترجیح دینا ترجیح بلا مرجح ہے۔ انصاف تو یہ ہے کہ موافق اور مخالف دونوں قسم کے اقوال کو پیش نظر رکھکر روایت اور درایت، نقل اور عقل کے مطابق ان کو ٹھوک بجا کر جانچ لینا چاہئے۔ جو اقوال روایت، درایت، نقل، عقل کے معیار پر ٹھیک اتر جائیں وہ قابلِ قبول اور لایقِ استناد ہیں۔ پچھلے اوراق میں جو مواد بطور نمونے کے پیش کیا گیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ زیادہ تر وہی اقوال قابلِ قبول ہیں جو عدم نسخ کے بارے میں وارد ہوئے ہیں۔

جن احادیث پر اخبارِ احاد کا اطلاق ہوتا ہے ان احادیث پر عمل کرنے یا نہ کرنے کے متعلق بڑی بڑی بحثیں ہو چکی ہیں معتزلہ تو اخبارِ احاد کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ فقہائے احناف کے پاس اخبارِ احاد کا درجہ یہ ہے کہ وہ ظنی الثبوت ہیں ان سے قطعیت نہیں ثابت ہوتی۔ جب احادیثیں ظنی الثبوت ہیں تو پھر صحابہ کے اقوال کس طرح حجت قرار دئے جا سکتے ہیں اور وہ بھی قرآن کے بارے میں جو منقول بنقلِ تواتر ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ صحابہ کے اقوال شریعت میں ایک خاص درجہ رکھتے ہیں مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ خواہ وہ روایتاً اور درایتاً نقلاً اور عقلاً قابلِ قبول ہوں یا نہوں مان لئے جائیں۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو منسوخ الحکم آیات کی تعداد پانچ سو سے گھٹ کر پانچ تک کیوں پہنچ جاتی۔ صحابہ کے اقوال کی بنا پر منسوخ الحکم آیات کی تعداد سیکڑوں تک پہنچ جاتی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ائمہ اور علماء نے صحابہ کے اقوال کے خلاف سیکڑوں آیتوں کو منسوخ الحکم آیات کی فہرست سے خارج کرکے صرف پانچ آیتوں کو باقی رہنے دیا۔ ان پانچ آیتوں میں بھی علماء کو کلام ہے۔ نواب صدیق حسن خاں مرحوم کا یہ قول کہ "ان پانچ میں بھی نظر ہے" ان کی تفسیر کے حوالے سے صفحہ ۱۰۴ میں مذکور ہو چکا ہے۔ مولانا عبد الحق صاحب مرحوم مفسر تفسیر حقانی نے ان پانچ آیات میں سے دو آیتوں نمبر ۴ و ۵ کو منسوخ الحکم تسلیم نہیں کیا ہے۔ ان کے اقوال ان کی تفسیر کے حوالے سے صفحہ ۱۲۶ و ۱۲۷ میں بیان ہو چکے ہیں۔ اس لحاظ سے تو منسوخ الحکم آیات کی تعداد صرف تین رہجاتی ہے۔ غور کرو کہ صحابہ کے اقوال سے تو منسوخ الحکم آیات کی تعداد سیکڑوں تک تجاوز کرجاتی ہے اور علماء کی تحقیق و تدقیق اسے کھینچ تان کر تین تک گھٹا دیتی ہے۔ اگر آیات قرآنیہ کے نسخ کے بارے میں صحابہ کے اقوال قطعی حجت ہوتے تو پھر منسوخ الحکم آیات کا یہ گھٹاؤ بالکل نادرست قرار دیا جاتا مگر ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں تقریباً ہر ایک سر تسلیم خم ہے۔

بات یہ ہے کہ اس قسم کے تمام اقوال جو نسخ آیات پر دلالت کرتے ہیں روایتاً اور درایتاً دونوں لحاظ سے ضعیف ہیں۔ علامہ طبرسی نے تو صاف صاف لکھدیا کہ "نسخ کی تمام روایتیں ضعیف ہیں" یہی وجہ ہے کہ معتزلہ قرآن میں کسی قسم کا بھی نسخ تسلیم نہیں کرتے۔ صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں اس قسم کے بعض اقوال کا پایا جانا بھی ان اقوال کو اس درجے تک نہیں پہنچا دیتا کہ وہ ناقابلِ انکار بن جائیں کیونکہ خود صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی میں ان اقوال کے مخالف اقوال بھی موجود ہیں۔ علاوہ بریں خود صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی بعض روایتوں کو بعض علماء نے اس بنا پر تسلیم نہیں کیا ہے کہ وہ دلائلِ نقلی یا عقلی کے خلاف ہیں۔

اگر ہم اصول روایت سے قطع نظر کرکے اور درایت کو بھی پسِ پشت ڈال کر نفسِ اقوال کی صداقت کو تسلیم بھی کرلیں تو اس کے یہی معنے ہوسکتے ہیں کہ ان صحابہؓ نے جب بعض آیتوں کے معنے میں اختلاف دیکھا اور پھر جب وہ ان مختلف آیات کو ایک دوسرے کے ساتھ تطبیق نہ دے سکے تو انھوں نے رفعِ اختلاف کے لئے بعض کو منسوخ کہدیا اور بعض کو ناسخ۔ لیکن جب دوسرے صحابہؓ کے پاس انہی منسوخ اور ناسخ آیتوں میں سے جن جن آیات میں تطبیق ہوگئی تو ان آیات کی نسبت انھوں نے صاف صاف کہدیا کہ یہ منسوخ نہیں ہیں۔ اس کے بعد جس قدر تحقیق وتنقید کا درجہ بڑھتا گیا ان ناسخ اور منسوخ آیات میں تطبیق ہوتی گئی اور ان کی تعداد گھٹتی گئی پانچ سو سے ڈھائی سو ہوئیں، ڈھائی سو سے ڈیڑھ سو، ڈیڑھ سو سے پچاس، پچاس سے بیس، بیس سے پانچ پھر مولانا عبدالحق صاحب مرحوم مفسر تفسیر حقانی کی تحقیق نے ان پانچ میں سے بھی اور دو کو گھٹا دیا۔ جب سابقہ اعداد ہی قطعی اور یقینی اعداد نہیں تھے تو پھر یہ پانچ آیتوں کی تعداد بھی غیر یقینی ہے۔ امام سیوطی، اتقان (نوع ۴۷) میں لکھتے ہیں "اور جب یہ بات معلوم ہوگئی تو پھر اگر ہم یہ کہیں کہ صفح اور عفو کی آیات کو آیت السیف نے منسوخ نہیں کیا ہے تو اس حالت میں وہ کثیر التعداد آیتیں مع آیاتِ صفح وعفو کے بھی نسخ سے خارج ہوجاتی ہیں جن کو کثرت سے ناسخ آیات پیش کرنے والوں نے بیان کیا ہے۔ اور بہت تھوڑی آیتیں ایسی باقی رہ جاتی ہیں جن میں ناسخ اور منسوخ ہونے کی صلاحیت موجود ہو"۔ امام موصوف کثیر التعداد آیات کو نسخ کی فہرست سے خارج کرکے بہت تھوڑی آیتوں کو (یعنے بیس کو جیسا کہ انھوں نے بعد کی تفصیل میں بیان کیا ہے) باقی رکھتے ہوئے ان باقی کی نسبت بھی یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ وہ قطعی طور پر منسوخ الحکم ہیں بلکہ وہ صرف یہ کہتے ہیں "اور بہت تھوڑی آیتیں ایسی باقی رہ جاتی ہیں جن میں ناسخ اور منسوخ ہونے کے صلاحیت موجود ہو"۔ امام موصوف نے جن بیس آیتوں میں نسخ کی صلاحیت پائی تھی ان میں وہ پانچ آیتیں بھی شامل ہیں جن کے متعلق ہم نے دلائلِ عقلی ونقلی سے ثابت کردیا ہے کہ وہ غیر منسوخ ہیں۔ باقی رہی اور پندرہ آیات تو وہ بھی بعد کے علما کی تحقیق میں آکر عدم صلاحیت کی وجہ سے خارج ہوگئیں۔

قرآن میں نسخ کا قبول کرنا اور آیات قرآنیہ کو منسوخ الحکم تسلیم کرنا گویا بالفاظِ دیگر یہ کہنا ہے کہ قرآن میں اختلاف موجود ہے۔ کیونکہ نسخ کے لئے عدمِ تطبیق لازم ہے اور عدم تطبیق مستلزم ہے اختلاف کو قرآن ڈنکے کی چوٹ اس کا اعلان کر رہا ہے :-

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ⑥	پھر کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر یہ (قرآن) غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں ضرور بہت سے اختلاف پاتے ⑥ ع نسا ر ۹۴ ۔

حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ قرآن کے ایک حصے کو دوسرے حصے سے لڑانا یعنے قرآن کے بعض حصوں میں اختلاف پیدا کرنا اور ایک کو دوسرے سے منسوخ کرنا ممنوع ہے۔ ابنِ ماجہ کی ایک حدیث میں ہے :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم کی نسبت سنا کہ وہ قرآن میں جھگڑا کرتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ

تم سے پہلے جو لوگ ہلاک ہوئے وہ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ انھوں نے خدا کی کتاب کے ایک حصے کو دوسرے حصے سے لڑایا (یعنے ایک حصے کو دوسرے حصے سے رد کیا) حالانکہ خدا کی کتاب تو فقط اس لئے اتری ہے کہ بعض سے بعض کی تصدیق ہو پس بعض سے بعض کی تکذیب مت کرو اس میں جو بات جانو وہ کہو اور جو نہ جانو اس کو اس کے واقف کار پر چھوڑ دو (ابن ماجہ، احمد)۔

پس قرآن میں نسخ کا قبول کرنا اور بعض آیات کو منسوخ اور بعض کو ناسخ تسلیم کرنا خود قرآن کے اس دعوے کے خلاف ہے کہ قرآن میں اختلاف نہیں اگر اختلاف ہوتا تو وہ خدا کا کلام نہ ہوتا۔

نسخِ آیاتِ قرآنیہ کے مسئلے کو خواہ روایت کی میزان میں جانچو یا عقل کی کسوٹی پر کس کر دیکھو یا درایت کے پلڑے میں رکھ کر تولو ہر حالت میں تحقیق اور تدقیق کا یہی فتویٰ ہوگا کہ قرآن مجید اس قدر بلند پایہ ہے کہ وہاں تک نسخ کی رسائی نہیں ہو سکتی۔

بروایں دام بر جائے دگر نہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

منسوخ التلاوۃ والحکم یعنے وہ آیات جن کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہو گئے۔ اس قسم کے نسخ کے بارے میں قائلین نسخ کے اقوال میں عجیب وغریب تضاد واقع ہوا ہے۔ بعض اس قسم کے نسخ کے اس لئے معترف ہیں کہ اس کی نسبت اخبار احاد پائی جاتی ہیں مگر اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اخبار احاد پر یقین کرنا جائز نہیں۔ اتقان (نوع ۴۷) میں ہے :۔

"قاضی ابوبکرؒ نے کتاب الانتصار میں اس قسم کے نسخ کی نسبت ایک جماعت کا اقرار بیان کیا ہے کیونکہ اس بارے میں اخبار احاد وارد ہوئی ہیں اور قرآن کے نازل ہونے یا اس کے منسوخ ہونے پر اس قسم کی اخبار احاد سے جن میں کوئی حجت نہیں پائی جاتی قطعاً جائز نہیں۔"

بعض کہتے ہیں کہ قرآن کی آیات میں اس قسم کا نسخ واقع ہوا ہے۔ ثبوت میں بعض نے ایک مثال پیش کی ہے، بعض نے متعدد مثالیں دی ہیں اور بعض نے یہ کہدیا ہے کہ اس قسم کے نسخ کی کوئی مثال نہیں ملتی اس لئے اس سے مراد منسی (یعنے وہ آیات جو بھلا دی گئیں) ہے۔ اکلیل علیٰ مدارک التنزیل (جلد ۱، صفحہ ۲۹) میں ہے :۔

"ہم کو منسوخ الحکم والتلاوۃ کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ ہم اس کو بیان کریں۔ ممکن ہے کہ یہ اس قسم سے ہو جو دل سے بھلا دی گئی تو یہ قسم منسی میں داخل ہے۔ پس کلام آلہی میں نسخ سے مراد دونوں (یعنے تلاوت اور حکم) میں سے ایک کا منسوخ ہونا ہے اور نیز ان دونوں تلاوت اور حکم دونوں کا منسوخ ہونا مراد ہے۔"

صاحب اکلیل نے یہاں تو یہ بیان کیا کہ منسوخ التلاوۃ والحکم کی کوئی مثال نہیں ملتی اور اسی لئے اس کو منسی میں داخل کر دیا انہی حضرت نے اکلیل کے صفحہ ۲۹۶ پر مدارک کے اس قول ویجوز نسخ التلاوۃ والحکم (تلاوت اور حکم کا نسخ جائز ہے) کے تحت میں اس کی چار مثالیں دی ہیں وہ لکھتے ہیں :۔

"جیسا کہ حضرت عائشہؓ کا قول کہ عشر رضعات محرمن (دس بار دودھ پینے سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوجاتی ہے) قرآن میں پڑھی جاتی تھی پھر خمس رضعات محرمن (پانچ بار دودھ پینے سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوتی ہے) سے منسوخ ہوگئی اور انسؓ سے روایت ہے وہ کہتے تھے کہ ہم ایک سورۃ پڑھا کرتے تھے جو سورہ توبہ کے برابر تھی اب اس کی فقط ایک آیت یاد رہگئی ہے لو کان لابن آدم وادیان من ذھب لابتغی الیھما ثالثا ولو ان لہ ثالثا لابتغی الیہ رابعا ولا یملأ جوف ابن آدم الا التراب فیتوب اللہ علی من تاب (یعنے اگر بنی آدم کو دو جنگل سونے سے بھرے ہوئے مل جائیں تو وہ تیسرے کی خواہش کریگا اور اگر اس کو تیسرا بھی مل جائے تو چوتھے کی تلاش میں رہیگا اور اولادِ آدم کے پیٹ کو تو مٹی ہی بھرتی ہے اور جو اللہ کی طرف جھکتا ہے اللہ بھی اس پر مہربان ہوتا ہے) اور مروی ہے کہ سورۃ احزاب کی دو سو یا تین سو آیتیں تھیں اب اسی قدر حصہ باقی رہگیا ہے جو مصاحف میں ہے اور وہ تہتر آیات ہیں اور اسی طرح سورۃ طلاق ہے جو سورۃ بقرہ سے بھی طویل تھی" (اکلیل علیٰ مدارک، جلد ۱ صفحہ ۲۹۶)

مذکورہ چار مثالوں میں سے پہلی مثال کو بعض قائلینِ نسخ نے منسوخ التلاوۃ و الحکم کے تحت میں بیان کیا ہے اور بعض نے اس کو منسی میں شمار کیا ہے۔ دوسری مثال کو چند قائلینِ نسخ نے منسوخ التلاوۃ و الحکم سے متعلق کر دیا ہے اور باقی سب نے اس کو صرف منسوخ التلاوۃ کی مثال قرار دی ہے۔ تیسری اور چوتھی مثالیں اکثر قائلینِ نسخ کے پاس منسی میں داخل ہیں اس لئے ہم یہاں تیسری اور چوتھی مثالوں سے قطع نظر کرتے ہوئے ذیل میں پہلی اور دوسری مثال کے انکشافِ حقیقت کی کوشش کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کچھ قرآن نازل ہوتا تھا تو آپؐ نزولِ وحی کے ساتھ ہی کاتبِ وحی کو طلب فرما کر لکھوا دیتے تھے۔ اس طرح رسول اللہ صلعم کی زندگی ہی میں تمام قرآن بے کم و کاست متفرق چیزوں پر لکھ لیا گیا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ نزولِ وحی کے بعد آپؐ نازل شدہ آیات کی تفسیر فرما دیا کرتے تھے۔ بعض صحابہؓ نے ان جملوں کو جو بطور تفسیر کے بیان ہوئے تھے غلطی سے قرآن کی آیات سمجھ لیا اور پھر ان کو آیاتِ قرآنیہ کی طرح حفظ کر لیا اور اپنے صحیفوں میں درج کر لیا۔ جب رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے رسول اللہ صلعم کا متفرق چیزوں پر لکھوایا ہوا قرآن بے کم و کاست صحیفوں میں نقل کر لیا گیا اور پھر دورِ عثمانی میں صحابہ کی ایک جماعت کے زیرِ نگرانی حضرت ابوبکرؓ کے نقل کروائے ہوئے صحیفے بعینہٖ مصاحف میں منقول ہوگئے اور ان صحابہ نے یہ دیکھا کہ ان کی حفظ یا نقل کی ہوئی آیات جو درحقیقت بطور تفسیر کے بیان ہوئی تھیں نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متفرق چیزوں پر لکھوائے ہوئے قرآن میں پائی گئیں اور نہ صحفِ صدیقی اور مصاحفِ عثمانی میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھوائے ہوئے قرآن کی بعینہٖ نقل تھے تو انھوں نے ان مزعومہ آیات میں سے بعض کو منسوخ التلاوۃ سمجھ لیا اور بعض کو منسوخ التلاوۃ والحکم۔ مولانا عبدالحق صاحب مرحوم مقدمۂ تفسیر حقانی (صفحہ ۱۳۶) میں لکھتے ہیں:-

"الغرض قرآن جب لکھا گیا تو خطِ کوفی میں خاص اسی طرز پر لکھا گیا تھا کہ جو آنحضرت علیہ السلام نے اپنی حیات

یں حفاظ کو یاد کروا دیا اور کاتبوں سے لکھوا دیا تھا باقی وہ جو کچھ بطریقِ تفسیر تھا اور بعض لوگوں نے اس کو اپنے مصاحف میں متبرک سمجھ کر لکھ لیا تھا جس کو منسوخ التلاوۃ کہتے ہیں اور ان عام محاورات کو جن کی بضرورت اجازت تھی چھوڑ دیا کیونکہ وہ دراصل قرآن نہ تھے۔"

۔۔سلم اصفہانی لکھتے ہیں :۔

"جن آیات کو تم منسوخ التلاوۃ کہتے ہو یہ دراصل قرآن مجید کی آیات نہ تھیں کیونکہ قرآن منقول بنقلِ تواتر ہے اور یہ روایات خبر احاد ہیں اور بعض تو موضوع یا ضعیف۔ اور وجہ اشتباہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تفسیر کے طور پر یہ جملے کہ جن کو لوگ منسوخ التلاوۃ سمجھ گئے ہیں اثنا تلاوت میں پڑھے اور حاضرین نے ان کو آیت سمجھ لیا یا مقدس سمجھ کر اپنے مصاحف میں لکھ لیا۔ مگر جب آنحضرت نے تمام قرآن شریف حفاظ کو یاد کروایا اور متفرق اجزا میں کاتبوں سے لکھوایا اور ان راویوں نے ان جملوں کو قرآن میں نہ پایا تو منسوخ التلاوۃ سمجھ لیا" (تفسیر حقانی جلد ۲ صفحہ ۲۳۳)۔

یہ بالکل مبنی بر حقیقت ہے کہ نسخ کی تمام روایات بعض صحابہ کی غلط فہمی کے نتایج ہیں کیونکہ بعض صحابہؓ کی اس قسم کی غلط ۔۔ی خود صحیح بخاری سے ثابت ہے۔ بخاری (باب ما یتقی من فتنۃ المال) میں حضرت ابی بن کعب کہتے ہیں :۔

"ہم اس کو (یعنی لو ان لابن آدم وادیاً الخ کو) قرآن کی آیت سمجھتے تھے یہاں تک کہ سورۂ اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ نازل ہوئی۔"

۔۔ن صحابہ کو اپنی غلط فہمی معلوم ہو گئی انھوں نے تو اس کا اظہار کر دیا جیسا کہ حضرت ابیؓ بن کعب نے کیا، اور جو صحابہؓ اپنی غلط فہمی ہی ۔۔ں مبتلا رہے وہ اخیر وقت تک ان تفسیری جملوں کو آیاتِ قرآنیہ ہی سمجھتے رہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھوائے ۔۔ے قرآن کے اجزا اکھٹے کئے جانے لگے تو ان صحابہ نے یہ دیکھ کر کہ ان کی مزعومہ آیات ان اجزائے قرآنیہ میں موجود نہیں ۔۔ں تو انھوں نے ان مزعومہ آیات کو قرآن میں درج کروانے کی کوشش کی مگر ان کی کوشش مسترد کر دی گئی کیونکہ وہ اس بارے ۔۔ں کوئی معتبر شہادت پیش نہ کر سکے کہ ان کی مزعومہ آیات درحقیقت آیات قرآنیہ ہیں۔ اتقان (نوع ۱۸) میں ابن اشتہ کی کتاب ۔۔صاحف کے حوالے سے لیث بن سعد کی روایت میں ہے :۔

"مگر عمر نے آیتِ رجم پیش کی تو ابو بکر اور زید بن ثابت نے اس کو نہیں لکھا کیونکہ اس بارے میں تنہا عمر کے سوا اور کوئی شہادت نہیں ملی۔"

۔۔رت عمر کی پیش کردہ آیت اس لئے مسترد کر دی گئی تھی کہ وہ آیتِ قرآنی نہ تھی مگر اس سے ان صحابہ نے جو تفسیری جملوں کو آیات ۔۔انیہ سمجھتے تھے یہ خیال کر لیا کہ ان کی مزعومہ آیات منسوخ التلاوۃ ہو گئیں اس لئے درج نہیں کی گئیں۔ یہاں سے نسخ کی قیاسی ۔۔اتیں بیان ہونے لگیں۔ کسی صحابی نے کسی جملے کی نسبت جس کو وہ قرآنی آیت سمجھا کرتے تھے، کہدیا کہ منسوخ التلاوۃ ہے۔

کسی نے کسی جملے کی نسبت کہدیا کہ منسوخ التلاوۃ والحکم ہے۔ اس حد تک نسخ فقط ان جملوں سے متعلق تھا جو قرآن سے خارج تھے اس کے بعد جب وہ قرآن کی بعض آیات کو بعض دوسری آیات سے مطابق نہ کرسکے تو انھوں نے ان آیات کو نسخ کا تیسرا نام دیدیا یعنے منسوخ الحکم۔ وہ ان آیات کو منسوخ التلاوۃ یا منسوخ التلاوۃ والحکم نہیں کہہ سکتے تھے کیونکہ یہ آیات جو درحقیقت آیات قرآنیہ تھیں قرآن اور تلاوۃ میں موجود تھیں۔ یہاں بھی بعض صحابہ کو مغالطہ ہوگیا۔ حضرت عمرؓ کا مذکورہ واقعہ کہ عمرؓ نے آیت رجم پیش کی تو ابوبکرؓ اور زید بن ثابتؓ نے اسے نہیں لکھا" (اتقان، نوع ۱۸) ان کے پیش نظر تو تھا ہی اب عدم مطابقت کی وجہ سے جن آیات کو انھوں نے منسوخ الحکم سمجھ لیا تھا ان آیات کی نسبت بھی وہ یہ چاہتے تھے کہ جس طرح ان کی مزعومہ آیات یا حضرت عمرؓ کی پیش کردہ آیت رجم (جو درحقیقت جزو قرآن نہ تھی) مسترد کردی گئی تھی، اسی طرح یہ آیات بھی جو (درحقیقت آیات قرآنیہ ہونے کی وجہ سے) قرآن میں موجود تھیں قرآن میں نہ لکھی جائیں، مگر چونکہ یہ آیات درحقیقت آیات قرآنیہ تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھوائے ہوئے اجزا میں موجود تھیں اس لئے ان صحابہ کی مذکورہ رائے مسترد کردی گئی۔ بخاری (باب اذا طلقتم النساء) میں حضرت ابن زبیرؓ سے مروی ہے:۔

"وہ کہتے ہیں کہ میں نے عثمان بن عفان سے کہا کہ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا کو ایک دوسری آیت نے منسوخ کردیا ہے آپ اس کو نہ لکھئے یا اس کو چھوڑ دیجئے تو عثمانؓ نے فرمایا اے میرے بھتیجے میں قرآن کی کسی چیز کو اس کی جگہ سے نہیں بدلونگا"

کیا اس قدر حزم اور احتیاط کے بعد بھی چند ضعیف روایات احاد کی بنا پر یہ کہنا درست ہوسکتا ہے کہ قرآن کے بہت سارے اجزا قرآن سے اس لئے خارج کردئے گئے کہ وہ منسوخ التلاوۃ اور منسوخ التلاوۃ والحکم تھے۔

نسخ کے متعلق جس قدر روایتیں ہیں وہ سب کی سب حسب ذیل وجوہ سے ناقابل اعتبار ہیں:۔

(۱) یہ تمام روایات اخبار احاد ہیں اور قرآن منقول بنقل تواتر ہے۔ معتزلہ اخبار احاد کو کسی حالت میں بھی تسلیم نہیں کرتے، فقہائے احناف کے پاس اخبار احاد فقط ظنی الثبوت ہیں ان سے قطعیت نہیں ثابت ہوتی۔

(۲) اکثر روایات موقوف ہیں یعنے صحابہ کے ذاتی اقوال ہیں۔ جب خود وہ احادیث نبوی جو اخبار احاد ہیں قابل حجت نہیں اور ان سے قطعیت نہیں ثابت ہوتی تو پھر صحابہ کے اقوال اور وہ بھی قرآن کے متعلق جو منقول بنقل تواتر ہے کس طرح قطعی حجت ہوسکتے ہیں۔

(۳) اکثر روایات ان کتب احادیث میں منقول ہیں جو تیسرے اور چوتھے طبقے کی کتابیں ہیں، اور جو معتبر نہیں سمجھی جاتیں مثلاً، بیہقی، طبرانی، کامل ابن عدی، زرقانی وغیرہ۔

اگر اس قسم کی معدودے چند روایات صحاح میں بھی آگئی ہوں تو اس کی وجہ سے کچھ ان کی قدر وقیمت نہیں بڑھ گئی۔ وہ اخبار احاد کی اخبار احاد ہی رہیں۔ خود بخاری میں جو کتب صحاح میں سب سے زیادہ معتبر ہے بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جن کو کسی نہ کسی وجہ سے بعض صحابہ نے مسترد کردیا ہے۔ مثلاً بخاری (باب صلوٰۃ النوافل جماعۃ) میں محمود بن ربیع انصاری کہتے ہیں کہ میں نے ایک جماعت کے سامنے جن میں ابو ایوب انصاری بھی تھے یہ حدیث کہ جو شخص محض اللہ کی طلب کے لئے لا الٰہ الا اللہ کہیگا، اللہ اس پر

نے حرام کر دیگا' بیان کی تو ابوایوب انصاری نے اس کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کی قسم میں اس کا گمان نہیں کر سکتا کہ جو
نے کہا وہ رسول اللہ صلعم نے کبھی کہا ہو۔ اسی طرح بعض محدثین مثلاً حافظ ابنِ حجر عسقلانی' حافظ ابن عبد البر' اسمٰعیلی وغیرہ نے بھی
ی نے کسی بنا پر بخاری کی بعض روایات پر اعتراضات کئے ہیں (تفصیل کے لئے دیکھو فتح الباری' مطبوعہ مصر' جلد ۶ صفحہ ۲۶۰ جلد
صفحہ ۱۲۲ - جلد ۸' ۱۸۴)۔

نسخ تلاوت کی روایات کو جو دلائلِ عقلی' قرائنِ حالی اور دیگر مسلمات کے خلاف ہیں' محض روایت ہونے کی بنا پر آنکھ بند
کے قبول کر لیا جائے تو ایسے ایسے جملوں کو آیاتِ قرآنیہ تسلیم کرنا پڑیگا جو کسی لحاظ سے بھی قرآن کی معجزانہ فصیح و بلیغ آیات کو ذرہ برابر بھی لگا نہیں
سکتے۔ ان میں کوئی ایک روایت بھی جرح و تعدیل' تحقیق و تنقید کے معیار میں ٹھیک نہیں اترتی۔ دور جانے کی ضرورت نہیں خود
رت عائشہؓ کی مذکورہ روایت کو پرکھ لیجئے یہ روایت مختلف وجوہ سے ناقابلِ تسلیم ہے۔

۱) اس روایت میں خود شیخین کو کلام ہے۔ امام سیوطیؒ لکھتے ہیں:۔

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رضعات معلومات نازل شدہ قرآن میں تھی پھر خمس معلومات سے منسوخ ہوگئی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور یہ آیات قرآن میں پڑھی جاتی تھیں۔ شیخین اس کے راوی ہیں اور شیخین نے حضرت عائشہ کے اس قول وھن مما یقرا من القرآن (وہ قرآن میں پڑھی جاتی تھیں) میں کلام کیا ہے کیونکہ اس قول سے تلاوت کا باقی رہنا پایا جاتا ہے حالانکہ واقعہ اس کے بالکل برعکس تھا" (اتقان' نوع ۴۷)۔

ب یہ مزعومہ آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے منسوخ التلاوۃ ہو چکی تھیں تو پھر آپ کی وفات تک اور اس کے
بعد بھی ان کا تلاوت کیا جانا منشائے نسخ کے خلاف تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ ناواقفیت کی وجہ سے لوگ ان کی تلاوت کیا کرتے تھے تو
یہ مسکت جواب نہیں کیونکہ جب کوئی آیت قرآن سے خارج کی گئی تھی تو اس کا اعلان ضروری تھا ورنہ نسخ و اخراج ایک بے معنی
و رلغو بات ہے۔ امام سیوطیؒ نے شیخین کے اعتراض کا جواب بھی نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"اور اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ کی فتویٰ سے یہ مراد ہوگی کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آگیا تھا یا یہ کہ تلاوت منسوخ تو ہو چکی تھی مگر لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس کا علم ہوا" (اتقان' نوع ۴۷)۔

یہ جواب بھی منشائے نسخ کے خلاف ہے۔ لوگوں کو مطلع کئے بغیر اگر کسی آیت کی تلاوت منسوخ کر دی گئی تو اس نسخ سے کچھ بھی فائدہ نہیں
اس لئے یہ روایت کہ عشر رضعات اور خمس رضعات قرآن کی آیات تھیں اور پھر منسوخ التلاوۃ ہو گئیں ناقابلِ تسلیم ہے۔
اگر یہ درحقیقت آیاتِ قرآنیہ ہوتیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس کا اعلان کروا دیتے کہ یہ منسوخ التلاوۃ ہو گئیں آئندہ
ان کی تلاوت نہ کی جائے۔

۲) احادیث کی جانچ پڑتال کے لئے اصولِ روایت کے علاوہ درایت کے بھی چند اصول مقرر کئے گئے ہیں۔ اکثر محدثین نے اصولِ درایت

کو اصولِ روایت سے بھی زیادہ اہم قرار دیا ہے اور صاف صاف لکھدیا ہے کہ جو روایت اصول درایت کے خلاف ہو اس میں مطلق کد و کاوش کی حاجت نہیں۔ فتح المغیث (مطبوعہ شمس المطابع، صفحہ ۱۱۶) میں ہے :۔

"اور جو حدیث عقل کے خلاف اور اصول کے مخالف دکھائی دے تو جان لو کہ وہ واقعی موضوع (یعنی من گھڑت) ہے، اس کے متعلق اس تکلیف میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی معتبر ہیں یا غیر معتبر اور نہ اس کی ضرورت ہے کہ ان راویوں کی نسبت کوئی کد و کاوش کی جائے۔"

حضرت عائشہ کی مذکورہ روایت سے پایا جاتا ہے کہ عشر رضعات کو خمس رضعات نے منسوخ التلاوۃ کر دیا ہے یعنے عشر رضعات کے بدلے خمس رضعات نازل ہوئی مگر ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن میں خمس رضعات موجود نہیں ہے۔ قائلینِ نسخ کہتے ہیں کہ خمس رضعات بھی منسوخ التلاوۃ ہو کر قرآن سے خارج ہو گئی۔ ابن کثیر کا بیان ہے :۔

اس مثال میں منسوخ بھی تلاوت سے خارج ہے اور ناسخ بھی تلاوت سے خارج ہے اور مجھے اس کی کوئی اور نظیر نہیں ملی (اتقان، نوع)۔

جب یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ خمس رضعات کی ناسخ آیت کہاں ہے تو قائلینِ نسخ کچھ بھی نہیں بتا سکتے حالانکہ نسخ آیات قرآنیہ کے وجود پر وہ جس آیت سے استدلال کرتے ہیں اس سے یہ ثابت ہے کہ جب کوئی آیت منسوخ کر دی جاتی یا بھلا دی جاتی ہے تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت نازل بھی کر دی جاتی ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۞ — ہم جو کسی آیت کو منسوخ کرتے یا اسے بھلا دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس جیسی لاتے (بھی) ہیں ۞ ع بقرہ ۸۔

اگر یہ کہا جائے کہ خمس رضعات کسی ناسخ آیت کے نزول بغیر ہی منسوخ التلاوۃ ہو گئی تو یہ مذکورہ آیت کے بالکل خلاف ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ناسخ آیت نازل ہوئی ہو گی یا ہوئی تھی مگر لوگوں کو اس کا علم نہیں ہوا تو ایسے مشکوک اور مشتبہ قیاس کی بنا پر آیات قرآنیہ کا نسخ کسی طرح بھی جائز نہیں اس لئے مذکورہ روایت باطل ہے۔

(۲) یہ بھی ایک اصولِ درایت ہے کہ ایسی حدیث بھی قابلِ اعتبار نہیں جس کو صرف ایک ہی راوی نے بیان کیا ہو اور وہ روایت ایسی ہو کہ اس سے اور لوگوں کو بھی واقف ہونا ضرور تھا (فتح المغیث، مطبوعہ شمس المطابع، صفحہ ۱۱۰)۔ قرآن کی اہمیت مسلم ہے۔ رسول اللہ صلعم نزولِ آیات کے بعد نہ صرف ان کو لکھوا دیتے تھے بلکہ صحابہؓ کو ان کی تعلیم بھی دیتے اور ان کے پڑھنے پڑھانے کی ترغیب و تاکید فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ستر سورتیں خود رسول اللہ صلعم کی زبانِ مبارک سے سن کر یاد کی ہیں (بخاری)۔ اس کے علاوہ آپ نے متعدد صحابہؓ کو قرآن کی تعلیم و تعلم میں لگا دیا تھا۔ اصحابِ صفہ رات دن قرآن کی تعلیم و تعلم میں مصروف رہتے تھے۔ حضرت مصعب بن عمیر اور ابن مکتوم مدینہ کے لوگوں کو قرآن کی تعلیم دینے کے لئے مدینہ بھیجے گئے تھے۔ عمالِ حکومت کے فرائض میں بھی قرآن کی تعلیم داخل تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبلؓ کو یمن کا قاضی

س غرض سے بنا کر بھیجا تھا کہ وہ وہاں کے لوگوں کو قرآن اور احکامِ اسلام کی تعلیم دیں (استیعاب، حالات معاذ بن جبلؓ)، قرآن
ی اس قدر اہمیت کے بعد بھی ہم دیکھتے ہیں کہ عشر رضعات اور خمس رضعات کا آیات قرآنیہ ہونا اور پھر ان کا منسوخ التلاوۃ
وجانا سوائے حضرت عائشہؓ کے اور کسی صحابی سے مروی نہیں ہے۔ اسی سے اس روایت کی قدر وقیمت ظاہر ہے۔
۴) مذکورہ روایت حضرت عائشہؓ کی ذاتی رائے ہے قرآن کے متعلق یہ رائے نہ تو قابلِ حجت ہے اور نہ اس سے قطعیت ثابت
دتی ہے کیونکہ خود احادیثِ نبوی جو اخبارِ احاد کی قسم میں داخل ہیں ناقابلِ حجت ہیں۔ معتزلہ تو اخبارِ احاد کو کسی حالت میں بھی تسلیم
نہیں کرتے۔ فقہائے احناف کے پاس اخبارِ احاد صرف ظنی الثبوت ہیں ان سے قطعیت ثابت نہیں ہوتی جب احادیث نبوی کی
حالت ہے تو پھر بھلا صحابہ کے اقوال کی کیا حالت ہوگی کیا ان سے قطعیت ثابت ہوسکیگی؟ کیا ان کو حجت قرار دیا جا سکیگا اور
یا اس قسم کے اقوال کی بنا پر یہ تسلیم کرنا درست ہوگا کہ قرآن بھی بعض آیات منسوخ التلاوۃ ہوکر قرآن سے خارج ہوگئیں اور بعض
یات بھلا دی گئیں یعنے قرآن جس قدر نازل ہوا تھا اس قدر موجود نہیں ہے، حالانکہ تواتر صحیح اور معتبر روایات سے یہ ثابت ہے
تمام وحی قرآنی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھیں بعینہ بے کم وکاست لفظ بہ لفظ موجودہ قرآن میں موجود ہیں۔
اب رہی حضرت انسؓ کی مذکورہ روایت کہ "ہم ایک سورۃ پڑھا کرتے تھے جو سورۂ توبہ کے برابر تھی اب اس کی فقط
ایک آیت یاد رہ گئی ہے لو کان لابن آدم وادیان من ذھب لابتغی الیھما ثالثًا ولو ان لہ ثالثًا لابتغی الیہ
رابعا ولا یملا جوف ابن آدم الا التراب فیتوب اللہ علی من تاب" تو اس کے متعلق صرف اسی قدر کہہ دینا کافی ہے
یہ روایت حضرت انسؓ کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ حضرت انس کی مذکورہ روایت میں جو جملہ بطور آیت کے بیان ہوا ہے وہ بخاری
مختلف طریقوں سے مروی ہے، مگر کسی ایک طریقے کی روایت سے بھی یہ نہیں پایا جاتا کہ مذکورہ جملہ آیتِ قرآنی ہے بلکہ بخاری کے
ن مختلف طریقوں کی روایات سے صاف صاف ظاہر ہے کہ مذکورہ جملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے اس سے بھی بڑھ کر عجیب
یب بات یہ ہے کہ ان مختلف طریقوں کی روایات میں ایک طریقے کے اخیر راوی خود حضرت انسؓ ہیں۔ حضرت انس کی یہ روایت ان کی
کورہ روایت کے بالکل خلاف ہے۔ ذیل میں وہ روایات درج ہیں:-
۔ ابنِ شہابؒ کہتے ہیں کہ مجھ کو انسؓ بن مالک نے خبر دی کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا لو ان لابن آدم وادیا من ذھب
حب ان یکون لہ وادیان ولن یملا فاہ الا التراب ویتوب اللہ علی من تاب (بخاری، باب ما یتقی من فتنۃ المال)
۔ عطاؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو فرماتے سنا کہ لو ان لابن آدم مثل وادٍ
الا الخ (بخاری، باب ایضًا)۔
۔ عطاؒ کی اور ایک روایت میں ہے وہ کہتے ہیں میں نے ابن عباسؓ سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا آپ فرماتے
ے لو کان لابن آدم وادیان الخ (بخاری، باب ایضًا)۔
۔ سہل بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے مکہ میں ابن زبیر کو منبر پر اپنے خطبے میں یہ کہتے سنا کہ لوگو! نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے لو ان

ابن آدم اعطی وادیا الخ (بخاری، باب ایضاً)۔

صحیح بخاری سے بطریقہ ابن شہاب حضرت انسؓ کی جو روایت اوپر نقل کی گئی ہے اس روایت کے ساتھ بخاری میں یہ بھی مروی ہے "اور ہم سے ابو الولید نے کہا کہ ہم سے حماد بن سلمہ نے حدیث بیان کی، انھوں نے ثابت سے، ثابت نے انس سے انس نے ابی بن کعب سے روایت کی ہے کہ ابی بن کعب کہتے تھے کہ ہم اس کو (یعنی لو ان لابن آدم وادیا الخ کو) قرآن کی آیت سمجھتے تھے یہاں تک کہ سورہ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ نازل ہوئی" (بخاری، باب ما یتقی من فتنۃ المال)۔

حضرت ابیؓ بن کعب کے اس صاف صاف اعتراف کے بعد اس قسم کی روایات کے متعلق بعض صحابہؓ کی غلط فہمی کے بارے میں کچھ بھی شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔ اس موقع پر یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو روایات اس قسم کی غلط فہمی کا نتیجہ کہی جا سکتی ہیں ان میں سے اکثر روایتیں حضرت انسؓ ہی سے مروی ہیں۔ یہ روایت زیادہ تر ان کتب احادیث میں درج ہیں جو غیر معتبر ہیں۔ حضرت انسؓ کی اس قسم کی ایک روایت نہ معلوم کس طرح صحیح بخاری میں بھی درج ہوگئی ہے "حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مقتولین بیرِ معونہ کی شان میں اللہ نے اپنے رسولؐ پر آیتِ قرآن بھیجی تھی جسے ہم پڑھتے تھے پھر وہ منسوخ ہوگئی وہ آیت یہ ہے بلغوا قومنا انلقد لقینا ربنا فرضی عنا ورضینا عنہ (یعنے ہماری قوم کو خبر کردو کہ ہم اپنے رب سے ملے وہ ہم سے راضی ہوا اور ہم اس سے راضی ہوئے) بخاری (باب غزوۃ الرجیع)۔

بخاری میں یہ روایت مختلف طریقوں سے درج ہے مگر تقریباً ہر طریقے کے اخیر راوی حضرت انسؓ ہی ہیں۔ یہ مسلم ہے کہ جب رسول اللہ صلعم مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو اس وقت حضرت انسؓ نہایت کم سن تھے۔ ان کی والدہ ان کو خدمت نبوی میں پیش کرکے عرض پرداز ہوئیں کہ یا رسول اللہ یہ میرا بیٹا ہے آپ کی خدمت گذاری کے لئے لائی ہوں۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ بیرِ معونہ کا حادثہ ۴ھ ہجری میں واقع ہوا تھا تو کیا حضرت انس جو خدمت نبوی میں داخل ہوتے وقت نہایت کم سن تھے اور جب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام پر روانہ فرماتے تو وہ باقتضائے سن بازار میں لڑکوں کے ساتھ کھیل کود میں مصروف ہو جاتے تھے، دو تین برس میں اس قابل ہوگئے تھے کہ قرآن اور غیر قرآن میں تمیز کر سکیں؟ ایک نہایت کم سن لڑکا دو تین برس کے بعد کم سنی کی قید سے گذر کر عام لڑکوں میں شمار کیا جا سکتا ہے یہ تو نہیں ہو سکتا کہ کم سن دو تین برس کے بعد سن بلوغ کو پہنچ جائے۔

محدثین کی ایک جماعت نابالغ لڑکوں کی روایت قبول نہیں کرتی۔ فتح المغیث (مطبوعہ شمس المطابع صفحہ ۱۲۷) میں ہے:۔

"اور لیکن ایک جماعت نے یہاں قبول روایت سے منع کر دیا ہے یعنے خصوصاً بچوں کے معنے میں بلوغ سے پہلے بچوں کی روایت کو ان لوگوں نے قبول نہیں کیا ہے کیونکہ بچے کی نسبت عدم ضبط کا گمان ہے اور یہی شوافع کی رائے ہے ×× ×× اور اسی طرح ابن مبارک بھی بچے کی حدیث میں توقف کرتے تھے۔"

اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ بھی فرض کرلیں کہ حضرت انسؓ جو نہایت کم سن تھے دو تین برس کے بعد سن تمیز کو پہنچ گئے تھے تو بھی بالتمیز لڑکے کی روایت سوائے متابعات کے اور دوسرے امور میں قابل قبول نہیں۔ فتح المغیث (مطبوعہ شمس المطابع صفحہ ۱۲۵) میں ہے:۔

"بالتیز لڑکے کی روایات امور شہادات میں مقبول ہیں لیکن نقلیات جیسے افتا، روایتِ اخبار اور اسی طرح کے دوسرے واقعات میں ان کی روایات مقبول نہیں۔"

مقتولین بیرِ معونہ کے متعلق حضرت انسؓ کی مذکورہ روایت قابل قبول نہیں کیونکہ یہ روایت نقلیات میں داخل ہے اور اس وقت حضرت انسؓ کی عمر اس قسم کی روایات بیان کرنے کے قابل نہیں تھی۔

اس روایت کے قابل قبول نہ ہونے کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ بخاری میں فقط حضرت انس ہی کی روایات میں مذکورہ جملہ بطور آیت قرآنی کے بیان ہوا ہے۔ بخاری کے باقی دوسرے راویوں کی روایت میں سوائے ابی اسامہؓ کی روایت کے اس جملہ کا ذکر ہی نہیں ہے۔ ابی اسامہ کی روایت میں اس جملے کا ذکر تو ہے مگر بطور آیتِ قرآنی کے نہیں بلکہ مقتولینِ بیرِ معونہ کے مقولے کے طور پر کہ انھوں نے بوقت شہادت دعا کی تھی ابی اسامہ کی روایت میں عامر بن طفیل کہتے ہیں:۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کی خبر یعنے مقتولینِ بیرِ معونہ کی شہادت کی خبر آئی آپ نے ان کے شہید ہونے کی خبر بیان فرمادی اور فرمایا تمھارے یار مصیبت میں ڈالے گئے پھر انھوں نے اپنے رب سے بطور سوال کے کہا ربنا اخبرعنا اخواننا بما رضینا عنك ورضیت عنا (اے ہمارے پروردگار ہمارے بھائیوں کو ہماری خبر پہنچا دے کہ ہم تجھ سے راضی ہوئے اور تو ہم سے راضی ہوا)۔

غالبًا یہاں بھی حضرت انسؓ کو مغالطہ ہوا اور انھوں نے اس کو آیتِ قرآنی سمجھ لیا اور پھر جب اس کو قرآن میں نہیں پایا تو قیاسًا کہدیا کہ اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی۔ غرضکہ نسخ کی کوئی ایک روایت بھی تحقیق و تنقید کے معیار میں ٹھیک نہیں اترتی یہی وجہ ہے کہ امام طبرسی، قاضی ابوبکر، ابومسلم اصفہانی اور دوسرے محققین لکھتے ہیں کہ نسخ کی روایات حجت اور استناد کے قابل نہیں کیونکہ یہ روایات اخبار احاد ہیں اور بعض تو موضوع یا ضعیف۔

اِنساء نسخ کی مذکورہ اقسام کے علاوہ بعض قائلین نسخ انساء کے بھی قائل ہیں یعنے یہ کہتے ہیں کہ قرآن کی بعض سورتیں اور آیتیں رسول اللہ صلعم اور صحابہؓ کے صفحۂ دل سے ہمیشہ کے لئے محو کردی گئیں۔ گو منسوخ التلاوہ والحکم کی بحث ہی انساء کی تردید کے لئے کافی تھی لیکن چونکہ قائلین نسخ کی ایک جماعت نے انساء کو نسخ کی بحث سے بالکل علٰحدہ رکھا ہے اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ طول طویل بحث و اثبات سے حتی الامکان بچتے ہوئے انساء پر بھی ایک مختصر سی نظر ڈالی جائے۔

بعض قائلین نسخ کے پاس منسوخ التلاوۃ والحکم اور منسی میں کچھ فرق نہیں ہے، اس لئے انھوں نے منسوخ التلاوۃ والحکم کو منسی میں داخل کر دیا ہے۔ لیکن اکثر قائلین نسخ نے نسخ اور انساء کے مابین متعدد فرق بیان کئے ہیں۔ اتقان میں ہے:۔

"منسی اور منسوخ دونوں باہم بہت ہی متشابہ امور ہیں، ان دونوں کے مابین صرف یہ فرق ہے کہ منسی کے لفظ بھی فراموش کر دئے جاتے ہیں مگر ان کا حکم معلوم رہتا ہے۔"[1]

---

[1] اتقان، نوع ۴۷۔

اکلیل میں حسب ذیل فرق بیان ہوئے ہیں :۔

"صاحب مدارک اور بیضاوی کے کلام کا مفہوم یہ ہے کہ انساء میں منسوخ کا نسیان مشروط ہے اور نسخ میں مشروط نہیں۔ بعضوں نے ازالۂ حکم بغیر لفظ یا مع لفظ پر تو نسخ کو محمول کیا ہے اور فقط ازالۂ لفظ پر خواہ اس کا حکم باقی رہے یا نہ رہے انساء کا اطلاق کیا ہے۔ بعض کی یہ رائے ہے کہ نسخ صرف امر اور نہی میں ہوتا ہے خبر میں نہیں ہوتا اور انساء اخبار، امر اور نہی سب میں ہوتا ہے لیکن اخبار میں اس کے معنے باقی رہتے ہیں اگرچہ لفظ زائل ہو جاتے ہیں"[1]

قائلین نسخ جس آیت سے نسخ آیات قرآنیہ پر استدلال کرتے ہیں اسی آیت سے آیات قرآنیہ کا انساء بھی ثابت کرتے ہیں۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ط[2] ہم جو کسی آیت کو منسوخ کرتے یا اسے بھلا دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس جیسی لاتے (بھی) ہیں ⑬ ع بقرہ ۔

یہ ظاہر ہے کہ اس آیت سے قطعی طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس میں لفظ آیت سے درحقیقت قرآن کی آیت مراد ہے کیونکہ قرآن میں ہر جگہ آیت کے لفظ سے قرآن کی آیت یا اس کا فقرہ ہی مراد نہیں ہے بلکہ بعض بعض جگہ آیت سے مظہر قدرت، اثر قدرت، دلیل، معجزہ، پیغام اور ہدایت بھی مراد ہے۔ ابو مسلم اصفہانی لکھتے ہیں :۔

"اور اس آیت سے استدلال صحیح نہیں کس لئے کہ اس سے مراد توراۃ اور انجیل کے احکام ہیں اور لفظ آیت کچھ آیت قرآنیہ ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ احکام پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اور آیات سے بھی استدلال صحیح نہیں"[2]

عدم قطعیت کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ اس استدلال کی تائید میں ایک بھی صحیح روایت ایسی نہیں ملتی کہ جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ رسول اللہ صلعم نے مذکورہ آیت میں لفظ آیت سے قرآن کی آیت مراد لی ہو یا مراد لینے کے لئے ارشاد فرمایا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کی تین جماعتیں ہو گئی ہیں۔ ایک جماعت مذکورہ آیت میں لفظ آیت سے قرآن کی آیت مراد لیتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ نسخ اور انساء سے مراد قرآن کی آیتوں کا نسخ اور انساء ہے۔ دوسری جماعت کے پاس اس آیت میں لفظ آیت سے قرآن کی آیت مراد نہیں ہے بلکہ لفظ آیت سے وہ پیغام الٰہی مراد ہے جو اگلے پیغمبروں پر ان کی کتابوں میں نازل کیا گیا تھا۔ تیسری جماعت نے اس آیت کی ماقبل آیات سے استدلال کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ اس آیت میں لفظ آیت سے آثار قدرت یعنے قوموں کی بلندی اور پستی مراد ہے (تفصیل کے لئے دیکھو صفحہ ۹۹ و ۱۰۰)۔

جن مفسرین نے مذکورہ آیت میں لفظ آیت سے قرآن کی آیت مراد لی ہے وہ ننسہا کی تفسیر میں مختلف الرائے ہیں۔

زہریؒ اس روایت کی بنا پر کہ

---

[1] اکلیل علی مدارک التنزیل، جلد ۱، صفحہ ۷۹۔ [2] تفسیر حقانی، جلد ۲، صفحہ ۲۳۳۔

"ایک صحابی ایک رات نماز پڑھنے کھڑے ہوے اور ایک سورۃ کو پڑھنا چاہا ہر چند یاد کیا مگر ایک حرف بھی نہ پڑھ سکے صبح کو رسول اللہ صلعم سے ذکر کیا تو فرمایا یہ سورۃ منسوخ ہوگئی یا بھلادی گئی اب تم اس کو چھوڑ دو"[۵۰]

نسہا کے نون کو ضمہ کے ساتھ پڑھا کرتے اور اس کو لفظ نسیان سے ماخوذ سمجھتے تھے[۵۱] یعنے وہ آیات قرآنیہ کے بھلا دئے جانے کے ئل تھے۔ ابن کثیرؒ مکی اور ابو عمروؒ بصری نَنۡسَاۡهَا یعنے بفتحہ نون وسین اور ہمزہ مجزومہ کے ساتھ پڑھتے اور لفظ نساء کو جس کے ے تاخیر کے ہیں اس کا ماخذ قرار دیتے تھے[۵۲]۔ نون اور سین کو فتحہ اور ہمزہ کو جزم کے ساتھ پڑھنے والوں نے اس آیت کے یہ ے بیان کئے ہیں "یا (جب) ہم کسی آیت کا نزول ایک دوسرے وقت تک موخر کر دیتے ہیں (یعنے کسی آیت کو مصلحتاً تاخیر سے رنا چاہتے ہیں) تو اس کے عوض اس موخر وقت سے پہلے ویسی ہی آیت نازل کر دیتے ہیں[۵۳]"۔ ضحاکؒ نے ننسہا کے نون کو ضمہ اور ن کو کسرہ کے ساتھ بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے اور اس سے ترک کے معنے مراد لئے ہیں[۵۴] یعنے "یا (جب) ہم کسی آیت کا اتارنا ترک یتے ہیں[۵۵] تو اس کے عوض ویسی ہی آیت نازل کر دیتے ہیں"۔ ابن عباسؓ نے بھی اس کے معنے ترک اور تبدیل کے بیان کئے ، جس کے یہ معنے ہونگے "یا (جب) ہم کسی آیت کا اتارنا ترک کرتے یا کسی آیت کے نزول میں تبدیلی کر دیتے ہیں تو اس کے عوض ی ہی آیت نازل کر دیتے ہیں"۔ بعض نے ضحاکؒ کی قرات کے یہ معنے بیان کئے ہیں۔

"اس کے (یعنے ننسہا بضم نون وکسر سین و بلا ہمزہ کے) معنے یہ ہیں کہ ہم اس کو چھوڑ دیتے ہیں یعنے منسوخ نہیں کرتے"[۵۶]

ہ کہتے ہیں:۔

"اس کے (یعنے ننسہا بضم نون وکسر سین و بلا ہمزہ کے) یہ معنے ہیں کہ ہم اس کو کتابت میں چھوڑ دیتے ہیں (یعنے کتابت میں ثابت رکھتے ہیں) اور حکم میں بدل دیتے ہیں"[۵۷]

ن لوگوں کی تصریحات ہیں جنھوں نے آیت ما ننسخ من ایۃ الخ میں لفظ آیت سے قرآن کی آیت مراد لی ہے۔ ان تصریحات صاف ظاہر ہے کہ ابن عباسؓ، ضحاکؒ، مجاہدؒ، ابن کثیرؒ مکی، ابو عمروؒ بصری کے پاس ننسہا سے آیات قرآنیہ کا بھلا دیا جانا مراد ں ہے بلکہ نزول آیت میں تاخیر یا تبدیلی یا نزول آیات کا ترک مراد ہے۔ صرف ایک زہریؒ نے ننسہا کو نسیان سے ماخوذ اہے اور اس سے آیات قرآنیہ کا بھلا دیا جانا مراد لیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ ابن عباسؓ، ضحاکؒ، مجاہدؒ، ابن کثیرؒ مکی اور ابو عمروؒ بصری

ترجمان القرآن، جلد ۱، صفحہ ۱۴۰۔ [۵۱] الاکلیل علی مدارک التنزیل، جلد ۱، صفحہ ۳۰، ۳۱۔ [۵۲] الاکلیل علی مدارک التنزیل، جلد ۱، صفحہ ۳۰، ۳۱ پر صحاح اور اصمعی کے ے نسأ اور انساء کے متعلق درج ہے "نَسَأْتُ الشَّيْئَ وَاَنْسَأْتُهٗ بِمَعْنَىٰ اَخَّرْتُهٗ" یعنے ان دونوں کے ایک ہی معنے ہیں موخر کرنا یا ملتوی [۵۳] الاکلیل علی مدارک جلد ۱ صفحہ ۳۱، ۳۱ غالباً ضحاک کے پاس یہ نَسۡوَۃ سے جس کے معنے ترک کے ہیں مشتق ہے۔ [۵۵] الاکلیل، جلد ۱، صفحہ ۳۰، ۳۱۔ [۵۶] ن القرآن، جلد ۱، صفحہ ۱۴۱۔ [۵۷] الاکلیل، جلد ۱، صفحہ ۳۱۔ [۵۸] ترجمان القرآن، جلد ۱، صفحہ ۱۴۱۔ [۵۹] طبرانی، بیہقی، ابو داؤد۔

کے مقابلے میں تنہا زہریؒ کی رائے اس قدر مضبوط نہیں ہو سکتی کہ اس پر آیاتِ قرآنیہ کے انسا (یعنے بھلا دئے جانے) کی عمارت قائم کر دی جائے۔ مگر یہ عجب تر ہے کہ بعض قائلینِ نسخ نے اصولِ روایت و درایت کو پس پشت ڈالکر بعض ضعیف اور موضوع اخبارِ احاد کی بناء پر زہریؒ کی رائے کو ترجیح دیدی۔ خود زہریؒ نے جس روایت[1] پر اپنے قیاس کی نبیاد رکھی ہے اس روایت کی حالت یہ ہے :۔

(۱) صحیحین یعنے بخاری اور مسلم میں یہ روایت مذکور نہیں بلکہ سوائے ابوداؤد کے صحاح کی باقی دوسری کتب میں بھی اس کا پتہ نہیں لگتا۔ یہ مسلم ہے کہ سوائے صحیحین کے جن میں اصول روایت کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے صحاح کی باقی چار کتابوں میں جیسا کہ خود ان کے مولفین نے بیان کر دیا ہے۔ ہر قسم کی روایتیں صحیح حسن اور ضعیف موجود ہیں۔ طبرانی اور بیہقی میں عموماً جس قسم کی رطب یابس روایتیں مذکور ہیں اس کے لحاظ سے ان کی کوئی روایت اس وقت تک لائقِ التفات اور قابلِ قبول نہیں جب تک اس کی صحت کے متعلق معتبر تصریحات نہ ہوں۔

(۲) اس روایت کی سند میں سلیمان بن ارقم ضعیف ہے[2]۔

(۳) یہ روایت اصولِ درایت کے بھی بالکل خلاف ہے۔ ہر ایک آیت نزول کے بعد ہی لکھ لی جاتی تھی اور صحابہ حفظ بھی کر لیتے تھے اگر بالفرض رسول اللہ صلعم اور بعض صحابہ بعض آیات کو بھول بھی گئے ہوں تو بھی تمام صحابہ کا انہی آیات کا بھول جانا محال ہے۔ اگر تمام صحابہ بھی بھول گئے ہوں تو لکھوائی ہوئی آیات کا محو ہو جانا اس سے بڑھ کر ناممکن ہے۔

(۴) یہ (اور اس قسم کی ہر ایک) روایت قرآن کی اس آیت کے خلاف ہے :۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰىٓ ۙ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ — (اے محمد) ہم تم کو (قرآن) پڑھا دینگے کہ تم بھولنے نہ پاؤ گے مگر جو اللہ چاہے ۞ ع اعلیٰ ۸۔

آیاتِ قرآنیہ اور احادیث میں تعارض پیش آجائے تو صحابہؓ، محدثینؒ اور فقہاؒ کی ایک بڑی جماعت کے طرزِ عمل کے موافق آیاتِ قرآنیہ کے مقابلے میں معارض احادیث مسترد کر دی جائینگی۔ قائلینِ انسا نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مذکورہ آیت انساء کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس کی موید ہے اور دلیل میں الا ما شاء اللہ (مگر جو اللہ چاہے) کو پیش کرتے ہوے یہ بیان کیا ہے کہ الا ما شاء اللہ میں اس کا استثنا کیا گیا ہے کہ جس وحی کو اللہ بھلا دینا چاہیگا اس کو تم بھول جاؤ گے اس کی تائید میں ابنِ عباسؓ کا یہ تفسیری جملہ بیان کیا گیا ہے :۔

الا ما شئت فانسیك[3] — مگر جو میں چاہوں تم سے بھلا دوں

اب آؤ دیکھیں کہ قائلینِ نسخ کی اس کوشش میں بھی کچھ جان ہے یا نہیں ؟

(۱) یہ کچھ ضرور نہیں کہ مذکورہ آیت میں الا کا استثنا سَنُقْرِئُكَ سے متصل مانا جائے[4] بلکہ غیر متصل یا منقطع بھی مانا جا سکتا ہے۔

---

[1] یہ روایت اوپر مذکور ہو چکی ہے۔ [2] ترجمان القرآن جلد ا صفحہ ۴۰۔ [3] ترجمان القرآن تفسیر سورۂ اعلیٰ۔ [4] استثنا متصل میں مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ ایک ہی جنس سے ہوتے ہیں اس کی ضد استثنا غیر متصل یا منقطع ہے۔

(۲) الا کا استثنا ماقبل سے متصل ماننے کی صورت میں آیت کے معنے یہ ہونگے کہ ہم تم کو پڑھاوینگے کہ تم بھولنے نہ پاؤ گے مگر اس میں سے اللہ جو چاہے تم بھول بھی جاؤ گے۔ اس طرح آیت بالکل بے معنی ہو جاتی ہے۔ بخلاف اس کے الا کا استثنا غیر متصل مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ باقتضائے بشریت تم اور باتیں تو بھول بھی جاتے ہو مگر اس قرآن کو ہم پڑھائینگے کہ تم اس کو ہرگز نہ بھولنے پاؤ گے۔

(۳) اس آیت میں الاما شاء اللہ بطور استثنا کے نہیں بلکہ بطور اظہار قدرت کے ہے جیسا کہ قرآن میں اکثر جگہ اس قسم کے استثنائیہ جملوں سے استثنا مراد نہیں ہے۔ مشہور نحوی فرّا نے لکھا ہے کہ اللہ نے نہیں چاہا کہ آپ کچھ بھول جائیں یہ اس قسم کا استثناء ہے جس قسم کا اس آیت میں ہے۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِى الْجَنَّةِ خَالِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ[1] (اور جو نیک بخت ہونگے وہ بہشت میں (جائینگے اور) جب تک آسمان اور زمین ہیں ہمیشہ اسی میں رہینگے مگر جو تمھارا پروردگار چاہے ⑫ ع ہود ۵۰)۔ علامہ زمخشری نے بھی یہی لکھا کہ اس جملے سے استثنا مراد نہیں ہے اور اس کی یہ مثال ی ہے کہ مثلاً کوئی اپنے ساتھی سے کہے کہ جو کچھ میری ملکیت میں ہے اس میں تو بھی شریک ہے مگر جو اللہ چاہے تو اس سے استثناء قصود نہیں[2]۔ مولانا عبدالحق صاحب مرحوم آیت سنقرئک کی تفسیر میں لکھتے ہیں:-

> "اس سے یہ سمجھ لینا کہ پیغمبر علیہ السلام قرآن کی بعض آیات بھول گئے تھے یا خدا نے بھلوا دی تھیں ایک غلط خیال ہے جس کی بنا اخبار احاد غیر صحیح اور غلط فہمی پر ہے[3]"

(۴) حضرت ابن عباسؓ کا مذکورہ بالا قول دو وجہ سے قابلِ صحت نہیں۔ اول یہ کہ یہ ان کی ذاتی رائے ہے۔ دوسرے یہ کہ انہی حضرت ابن عباسؓ کا دوسرا قول کہ

> "رسول اللہ صلعم نسیان کے ڈر سے قرآن کا استذکار کرتے تھے تو اللہ نے فرمایا کہ ہم تم کو کفایت کرینگے اور یہ آیت اتری[4]"

ان کے پہلے قول کے مخالف ہے۔

(۵) آیت سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى کے شانِ نزول سے عدم انسا ثابت ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کے مذکورہ قول سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلعم کو نسیان کا خوف تھا تو خدا نے یہ آیت اتاری۔ مجاہدؒ اور کلبیؒ کہتے ہیں جبرئیل جب وحی لاتے تو وہ ہنوز آخر آیت نہیں پہنچتے کہ حضرت اول آیت کو پڑھنے لگتے اس ڈر سے کہ کہیں بھول نہ جائیں جب یہ آیت اتری تو پھر اس کے بعد کبھی نہیں بھولے[5]۔

غرضکہ آیتِ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى انسا کی مؤید نہیں بلکہ مخالف ہے اس لئے وہ تمام روایات جو اس آیت کے معارض ہیں لائقِ التفات نہیں۔

---

[1] ترجمان القرآن تفسیر سورۂ اعلیٰ۔ [2] کشاف۔ [3] تفسیر حقانی جلد ۸ صفحہ ۱۰۔ [4] ترجمان القرآن تفسیر سورۂ اعلیٰ۔ [5] ترجمان القرآن تفسیر سورۂ اعلیٰ۔

بعض قائلینِ انساء نے بخاری کی چند روایات سے بھی استدلال کیا ہے، جن میں سے حضرت عائشہؓ کی روایت عشر رضعات اور حضرت انسؓ کی روایت بلغوا عنا قومنا کی حقیقت منسوخ التلاوۃ والحکم کی بحث میں تفصیل گذر چکی ہے۔[1] باقی روایات درج ذیل ہیں:۔

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی صلعم نے ایک شخص کو مسجد میں پڑھتے سنا تو فرمایا کہ خدا اس کا بھلا کرے کہ مجکو یہ آیات اس سورۃ سے یاد دلا دیں۔"[2]

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی صلعم نے ایک رات ایک شخص کو ایک سورۃ پڑھتے سنا تو فرمایا کہ خدا اس کا بھلا کرے کہ مجکو فلاں فلاں آیتیں یاد دلا دیں کہ جن کو میں فلاں سورۃ سے بھول گیا تھا۔"[3]

مذکورہ روایات سے بھی قائلینِ انساء کا مقصد کہ قرآن کی بعض آیات آپ کے اور صحابہؓ کے صفحۂ دل سے محو کر دی جا کر معدوم کر دی گئی تھیں اور ان کے نقوش بھی مٹا دئے گئے تھے، پورا نہیں ہوتا کیونکہ ان روایات سے صاف ثابت ہے کہ اس وقت رسول اللہ صلعم کو وہ آیات یاد نہ تھیں اور ان صحابی کے پڑھنے سے یاد آگئیں۔ آنحضرت صلعم بھی انسان تھے۔ بمقتضائے انسانیت اس وقت چند آیات پیشِ نظر نہ تھیں اور ایسا ہوتا بھی تھا چنانچہ نماز میں ایک بار رسول اللہ صلعم ایک آیت پڑھنی بھول گئے۔ نماز کے بعد آپ نے دریافت فرمایا کیا میں کوئی آیت چھوڑ گیا تو اُبیؓ بن کعب نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ آپ فلاں آیت چھوڑ گئے۔[4] اس سے یہ استدلال کرنا کہ وہ آیات ہمیشہ کے لئے آپ کے اور تمام صحابہ کے صفحۂ دل سے محو کر دی گئیں اور ان کے نقوش بھی مٹ گئے بالکل لغو اور مہمل استدلال ہے۔

قرآن کی کتابت

رسول اللہ صلعم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپ فوراً پڑھے لکھے صحابہؓ میں سے کسی کو طلب فرما کر لکھوا دیتے تھے۔ حضرت عثمان فرماتے ہیں:۔

"جب آپ پر کچھ قرآن نازل ہوا کرتا تو آپ کاتبانِ وحی میں سے کسی کو طلب کرتے اور فرماتے کہ ان آیات کو اس سورۃ میں درج کرو جس میں ایسا اور ایسا مذکور ہے۔ پھر جس وقت آپ پر کوئی آیت نازل ہوتی تو حکم دیتے کہ اس آیت کو اس سورۃ میں رکھ دو جس میں ایسا اور ایسا مذکور ہے۔"[5]

کاغذ بہت ہی کمیاب تھا۔ نازل شدہ آیتیں کاغذ کے علاوہ کھجور کی شاخ، سفید پتھر کے ٹکڑوں،[6] بکری یا اونٹ کی شانے کی ہڈیوں، پالان کی لکڑی اور چمڑے کے ٹکڑوں پر بھی لکھ لی جاتی تھیں۔[7] عموماً حضرت زید بن ثابت جنھوں نے رسول اللہ صلعم کے ارشاد سے عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی،[8] کتابتِ وحی کی خدمت انجام دیا کرتے تھے۔ مکہ کے مسلمانوں میں شرحبیل بن حسنہ کندی کو سب سے پہلے

---

[1] دیکھو صفحہ ۱۳۶۔ [2] بخاری، باب نسیان القرآن۔ [3] بخاری، باب نسیان القرآن۔ [4] ترمذی، ابواب تفسیر القرآن۔ [5] بخاری باب جمع القرآن۔ [6] اتقان، نوع ۱۸۔ [7] بخاری، باب ترجمۃ الحکام۔

کتابت وحی کی اولیت کی عزت ملی۔ قریش میں عبداللہ بن سعد ابی سرح پہلے کاتب وحی تھے۔ جب آنحضرت صلعم نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی تو حضرت ابی بن کعبؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ انھوں نے سب سے پہلے کتابت وحی کا فرض انجام دیا۔ ان کے علاوہ مندرجۂ ذیل صحابہؓ بھی اس خدمت سے سعادت اندوز ہوئے ہیں :۔

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت عامرؓ بن فہیرہ، حضرت مغیرہؓ بن شعبہ، حضرت عبداللہؓ بن ارقم، حضرت عبداللہؓ بن رواحہ، حضرت حذیفہؓ بن الیمان، حضرت خالدؓ بن ولید، حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان، حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص، حضرت حنظلہؓ بن الربیع الاسدی[۱]۔

آنحضرت صلعم کے حکم سے آپ کے سامنے قرآن کی جو کتابت ہوتی تھی اس کے علاوہ متعدد صحابہؓ بھی اپنے اپنے طور پر قرآن لکھ لیا کرتے تھے ان میں سے حسب ذیل صحابہؓ کے مصاحف زیادہ مشہور ہیں :۔

حضرت عایشہؓ[۲]، حضرت حفصہؓ[۳]، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہؓ بن مسعود[۴]، حضرت عبداللہؓ بن عباس[۵]، حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ[۶]، حضرت ابیؓ بن کعب[۷]۔

حضرت عائشہؓ لکھنا نہیں جانتی تھیں، ابوداؤد، ترمذی وغیرہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے آزاد کردہ غلام ابویونس کو اپنے لئے ایک مصحف لکھنے کا حکم دیا تھا[۸]۔ حضرت حفصہؓ کو شفاؓ بنت عدویہ نے لکھنا سکھایا تھا[۹]، مؤطا مالک کی ایک روایت میں ہے کہ عمرو بن رافع حضرت حفصہؓ کے لئے مصحف لکھا کرتے تھے[۱۰]۔ حضرت علیؓ کے مصحف کے متعلق ابن ابی داؤد نے ابن سیرین کے طریق سے یہ روایت کی ہے :۔

"علیؓ فرماتے تھے کہ جس وقت رسول اللہ صلعم نے وفات پائی تو میں نے یہ عہد کرلیا کہ جب تک قرآن کو جمع نہ کرلوں اس وقت تک نماز جمعہ کے سوائے اور کسی کام کے لئے اپنی چادر نہ اوڑھونگا چنانچہ میں نے قرآن کو جمع کرلیا[۱۱]"

لیکن اس روایت میں محدثینؓ کو کلام ہے اس لئے صحیح یہی ہے کہ حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلعم کی زندگی ہی میں قرآن کو جمع کرلیا تھا۔ مذکورۂ روایت کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی کا قول ہے :۔

"یہ روایت منقطع ہونے (یعنے اس کا سلسلۂ سند صحابی تک نہ پہنچنے) کی وجہ سے کمزور ہے۔ اگر اس کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علیؓ کے قرآن کو جمع کرنے سے یہ مراد تھی کہ انھوں نے اسے اپنے سینے میں محفوظ کرلیا[۱۲]"

ابن سیرین نے حضرت علیؓ کے مصحف کی بہت کچھ تلاش اور جستجو کی، مدینہ کے لوگوں سے خط و کتابت کے ذریعے اس کا پتہ لگانا چاہا مگر وہ مصحف ان کو دستیاب نہو سکا[۱۳]۔ گزشتہ عالمگیر جنگ کے زمانے میں حفاظت کی غرض سے جو امانات مقدسہ مدینہ منورہ سے آستانہ پہنچادی

---

[۱] سیرۃ النبی، حصہ ۱، جلد ۲، کتاب۔ [۲] بخاری، باب تالیف القرآن، اتقان، نوع ۲۰۔ [۳] تیسیر الوصول کتاب التفسیر [۴] اتقان، نوع ۲۰ [۵] اتقان، نوع ۲۰ [۶] اتقان نوع ۲۰ [۷] اتقان نوع ۲۰ [۸] ترمذی، ابواب تفسیر القرآن [۹] ابوداؤد کتاب الطب۔ [۱۰] تیسیر الوصول کتاب التفسیر۔

گئی تھیں ان کی تفصیل روزنامہ خلافت[1] میں چھپی ہے جس میں حضرت علیؓ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن کا بھی ذکر ہے۔ ممکن ہے کہ یہ وہی مصحف ہو جس کی ابن سیرین کو تلاش تھی۔

تعلیم و حفظِ قرآن

قرآن کے تحفظ کا دارومدار کتابت سے بڑھ کر صحابہؓ کے حافظے پر تھا۔ عرب میں لکھے پڑھے لوگ بہت ہی کم تھے۔ علامہ بلاذری کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلعم کی بعثت کے وقت قریش جیسے عرب کے بڑے قبیلے میں صرف سترہ[2] شخص ایسے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے[3]۔ اس لئے رسول اللہ صلعم قرآن کے پڑھنے پڑھانے کی خاص طور پر تاکید اور ترغیب فرماتے تھے اور صحابہؓ جس قدر قرآن نازل ہوتا جاتا تھا نہایت ذوق و شوق سے اس کو حفظ کر لیتے تھے۔ بخاری میں ابن عمرؓ سے مروی ہے:-

"رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ رشک کے قابل صرف دو شخص ہیں، ایک وہ جس کو خدا نے قرآن دیا ہو اور وہ دن رات تلاوت کرتا رہے اور دوسرا وہ جس کو خدا نے مال دیا ہو اور وہ دن رات راہِ خدا میں خرچ کرتا ہے[4]۔"

حضرت عثمانؓ سے مروی ہے:-

"رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تم میں بہتر (دوسری روایت میں تم میں افضل) وہ شخص ہے جو قرآن کو سیکھے اور سکھائے[5]۔"

ترغیب و تاکید کے علاوہ آپ تعلیمِ قرآن کا انتظام اور اہتمام بھی فرماتے تھے۔ قیامِ مکہ کے زمانے میں بیعت عقبۂ اولیٰ کے بعد حضرت ابن ام مکتوم اور حضرت مصعبؓ بن عمیر کو مدینہ روانہ فرمایا تھا کہ وہاں لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں[6]۔ آپ نے مدینہ میں اصحابِ صفہ کی تعلیم کے لئے معلمین مقرر فرما دئے تھے۔ اصحابؓ صفہ مفلس اور نادار تھے۔ دن کو حصولِ معاش کے افکار میں مصروف رہتے اور رات کو تعلیم پاتے تھے۔

مسند ابنِ حنبل کی ایک روایت میں ہے:-

"حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اصحابِ صفہ ستر تھے، جب رات ہو جاتی تو یہ لوگ اپنے معلم کے پاس مدینہ میں صبح تک پڑھتے رہتے تھے[7]۔"

عموماً حضرت عبادہ بن صامت اصحابؓ صفہ کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ وہ خود فرماتے ہیں:-

"میں نے اصحابؓ صفہ میں سے چند لوگوں کو قرآن اور لکھنے کی تعلیم دی[8]۔"

صحابہؓ کی ایک جماعت خاص رسول اللہ صلعم کے خدمت میں رہ کر آپ کی تعلیمات سے بہرہ اندوز ہوتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود

---

[1] جلد ۳، نمبر ۸۰۔ [2] فتوح البلدان، صفحہ ۴۷۷۔ [3] بخاری باب اغتباط صاحب القرآن۔ [4] بخاری خیرکم من تعلیم القرآن۔ [5] بخاری کتاب تفسیر۔ [6] مسند جلد ۳، صفحہ ۱۳۷۔ [7] ابوداؤد، جلد ۲، صفحہ ۱۲۲۔

نے ایک بار خطبے میں فرمایا تھا کہ بخدا میں نے رسول اللہ صلعم کی زبانِ مبارک سے کچھ اوپر ستر سورتیں سیکھی ہیں[۱]

آنحضرت صلعم نے عمالِ حکومت کے فرائض میں بھی تعلیمِ قرآن کو داخل فرما دیا تھا۔ استیعاب میں ہے :۔

"رسول اللہ صلعم نے معاذ بن جبل کو جند کا جو یمن کا ایک حصہ تھا، قاضی بنا کر بھیجا کہ وہاں کے لوگوں کو قرآن اور شرائعِ اسلام کی تعلیم دیں[۲]"

جو شخص سب سے زیادہ حافظِ قرآن ہوتا وہی فوج کا سردار مقرر کر دیا جاتا تھا۔ ایک بار ایک فوج روانہ کرتے وقت آپ نے فوج کو ایک ایک شخص سے قرآن پڑھوا کر سنا۔ ان میں ایک نوجوان بھی تھے۔ رسول اللہ صلعم ان کے پاس آئے ان سے بھی دریافت کیا انھوں نے عرض کیا کہ مجھکو سورۂ بقرہ اور فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔ ارشاد ہوا کہ جاؤ تمھیں ان سب کے امیر ہو[۳]

قبائل کی امامت کے انتخاب میں بھی اسی شخص کو ترجیح دی جاتی تھی جو اپنے قبیلے میں سب سے زیادہ حافظِ قرآن ہوتا۔

ترمذی کی ایک روایت میں ہے :۔

"رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ قوم کی امامت وہ کرے جو سب سے زیادہ قرآن پڑھا ہو[۴]"

غرض اس قسم کی متواتر اور پیہم کوششوں کے سبب سے تمام ملک میں قرآن کی تعلیم پھیل گئی اور رسول اللہ صلعم کی زندگی ہی میں قرّاء و حفاظِ قرآن کی ایک کثیر جماعت پیدا ہو گئی تھی۔ ابو براکلابی کی درخواست پر آنحضرت صلعم نے جو ستر انصار بغرض تعلیم و ارشاد اس کے ساتھ کر دئے تھے اور بیر معونہ میں عامر بن طفیل اور اس کے ساتھیوں نے ان کو دھوکے سے شہید کر دیا تھا، وہ سب کے سب حفاظِ قرآن تھے[۵]۔ مشہور قرّاء و حفاظِ قرآن حسبِ ذیل صحابہ ہیں :۔

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہؓ بن مسعود، حضرت اُبی بن کعبؓ، حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت ابو زیدؓ، حضرت ابو الدرداءؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت سالم مولیٰ حذیفہؓ، حضرت عبداللہؓ بن زبیر، حضرت عبداللہؓ بن عباس، حضرت عبداللہؓ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عمرو العاص، حضرت سعدؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہؓ بن السائب، حضرت عبادہؓ بن الصامت، حضرت ابو ایوبؓ انصاری، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت مصعبؓ بن عمیر، حضرت ابن ام مکتومؓ، حضرت سعیدؓ بن عبید، حضرت عقبہؓ بن عامر، حضرت تمیم الداری، حضرت فضالہؓ بن عبید، حضرت مجمعؓ بن جاریہ، حضرت مسلمہؓ بن مخلد،

صحابیات :۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، ام المومنین حضرت ام سلمہؓ، ام المومنین حضرت حفصہؓ، حضرت ام ورقہؓ بنت عبداللہ بن حارث[۶]

اسی حفظ نے قرآن کو متواتر کے درجے کو پہنچا دیا۔ ابتدائے نزول سے آج تک قرآن مجید سینوں میں محفوظ چلا آ رہا ہے۔

امام سیوطی لکھتے ہیں :۔

"قرآن کا حفظ امت پر فرضِ کفایہ ہے، اس کی صراحت جرجانیؒ نے اپنی کتاب الشافی اور العبادی وغیرہ میں کی ہے۔

---

[۱] بخاری، باب القراء من اصحاب النبی صلعم [۲] استیعاب تذکرہ معاذ بن جبل [۳] ترمذی، باب ما جاء فی سورۃ البقرۃ [۴] ترمذی، باب من احق بالامامۃ [۵] اتقان، نوع ۲۰۔ [۶] یہ نام مختلف کتبِ احادیث و طبقات وغیرہ سے جمع کئے گئے ہیں۔

"الجوینیؒ کا قول ہے کہ حفظِ قرآن کے فرضِ کفایہ ہونے میں یہ راز رکھا گیا ہے کہ اس کے تواتر کی تعداد منقطع نہ ہونے پائے اور اس طرح قرآن تبدیل و تحریف سے محفوظ رہے، اس لئے اگر مسلمانوں کی ایک جماعت یہ فرض ادا کرتی رہے تو باقی لوگ اس ذمہ داری سے بری ہوجائینگے ورنہ سب کے سب قرآن کی حفاظت نہ کرنے کے جرم میں ماخوذ ہونگے"[1]

ترتیب و جمع قرآن

آیات کی ترتیب تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ سورتوں میں آیات کی جو ترتیب ہے وہ رسول اللہ صلعم کے ارشاد و ہدایت سے واقع ہوئی ہے۔ اتقان میں ہے :۔

"زرکشیؒ نے البرہان میں اور ابو جعفرؒ بن الزبیر نے مناسبات میں لکھا ہے کہ آیات کی ترتیب اپنی اپنی سورتوں میں رسول اللہ صلعم کی ہدایت اور ارشاد سے واقع ہوئی ہے اور اس میں مسلمانوں کا کوئی اختلاف نہیں"[2]

جب آنحضرت صلعم پر کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ کاتب وحی کو حکم دیتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورۃ کی فلاں آیت کے بعد یا پہلے رکھو۔ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں :۔

"جب آپ پر کچھ قرآن نازل ہوتا تو آپ کاتبانِ وحی میں سے کسی کو طلب فرما کر حکم دیتے کہ ان آیات کو اس سورۃ میں درج کرو جس میں ایسا اور ایسا مذکور ہے، پھر جس وقت آپ پر کوئی آیت نازل ہوتی تو حکم ہوتا کہ اس آیت کو اس سورۃ میں رکھو جس میں ایسا اور ایسا مذکور ہے"[3]

بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیات کی ترتیب آپ کو وحی کے ذریعہ معلوم ہوا کرتی تھی۔ عثمانؓ بن ابی العاص کہتے ہیں :۔

"رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل آئے اور حکم دے گئے کہ میں آیت اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی الخ کو اس سورۃ کی اس جگہ پر رکھوں"[4]

صحابہؓ نے آیات کی اس ترتیب میں ذرہ برابر بھی رد و بدل نہیں کیا اور نہ وہ کرسکتے تھے۔ حضرت عثمانؓ قرآن کی نقل کرا رہے تھے تو ابن زبیرؓ نے ایک آیت کو جسے وہ منسوخ الحکم سمجھتے تھے، نقل نہ کرنے کے لئے کہا تو حضرت عثمانؓ نے صاف انکار کر دیا۔ ابن زبیرؓ کہتے ہیں :۔

"میں نے عثمانؓ بن عفان سے کہا کہ وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا کو ایک دوسری آیت نے منسوخ کر دیا ہے، آپ اس کو نہ لکھئے یا چھوڑ دیجئے تو عثمانؓ نے فرمایا کہ اے میرے بھتیجے میں قرآن کی کسی شئے کو اس

[1] اتقان نوع ۴۳۔ [2] اتقان نوع ۱۸۔ [3] ترمذی، ابواب تفسیر القرآن [4] اتقان نوع ۱۸۔

جگہ سے نہیں بدلونگا۔[1]

ترتیبِ آیات کی طرح تمام سورتوں کے نام بھی رسول اللہ صلعم ہی کے مقرر فرمائے ہوئے ہیں۔ کتبِ احادیث کی متعدد روایات
سے یہ نام ثابت ہیں۔

جمع قرآن یہ مسلم ہے کہ رسول اللہ صلعم کی مبارک زندگی میں قرآن مجید ایک جگہ مرتب اور منتظم شکل میں جمع نہ تھا۔[2] کچھ کاغذ کے ٹکڑوں
پر تھا، کچھ کھجور کی چھال پر، کچھ چمڑے کے ٹکڑوں پر، کچھ ہڈیوں پر اور کچھ نرم پتھر کے ٹکڑوں پر۔[3] وفاتِ نبوی کے بعد ہی فتنۂ ارتداد زور و
شور کے ساتھ رونما ہو گیا تھا اس لئے خلافت اور مسلمان ہمہ تن اس کے انسداد میں مصروف ہو گئے۔ ان فتنوں میں مسلمانوں کو جن
لڑائیوں سے سابقہ پڑا تھا ان میں سب سے زیادہ خطرناک یمامہ کا معرکہ تھا۔ اس کی نسبت مشہور مورخ علامہ طبریؒ لکھتے ہیں:۔

"مسلمانوں کو اس قسم کا معرکہ کبھی پیش نہیں آیا"

پچھلے صفحات میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ عرب میں تحریر و کتابت کا بہت ہی کم رواج تھا اس لئے تقریباً تمام صحابہؓ قرآنِ مجید
حفظ کر لیا کرتے تھے۔ جنگِ یمامہ میں بکثرت حفاظ شریک ہوئے تھے جن میں بہت سے شہید ہو گئے۔ علامہ حافظ ابنِ حجرؒ عسقلانی فتح
الباری میں لکھتے ہیں:۔

"یمامہ کی لڑائی میں جو لوگ کثرت سے شہید ہوئے انھوں نے قرآن کو حفظ کر لیا تھا۔"

امام سیوطیؒ لکھتے ہیں:۔

"یمامہ کے معرکہ میں ستر ایسے صحابہؓ شہید ہوئے جن کو قرآن حفظ تھا۔"[4]

یہ دیکھکر حضرت عمرؓ کو قرآن کے جمع کرنے کا فکر ہوا اور انھوں نے خلیفۂ وقت حضرت ابوبکرؓ کو بہت کچھ قیل و قال کے بعد قرآن کے جمع کرنے
پر آمادہ کر دیا۔ بخاری میں ہے:۔

"زیدؓ بن ثابت کہتے ہیں کہ اہل یمامہ کی لڑائی کے زمانے میں مجھکو ابوبکرؓ نے بلا بھیجا، اس وقت عمرؓ بن خطاب بھی وہاں
تھے۔ ابوبکرؓ نے (مجھ سے) کہا کہ عمرؓ میرے پاس آئے اور کہا کہ یمامہ کی لڑائی میں قرآن کے قاری کثرت سے شہید
ہو گئے اور مجھے خوف ہے کہ اور چند مواقع میں اسی طرح بکثرت قاری شہید ہوئے تو قرآن کا بہت بڑا حصہ جاتا
رہیگا۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ قرآن کے جمع کرنے کا حکم فرمائیں۔ میں نے دیعنی ابوبکرؓ نے، عمرؓ سے کہا کہ تم وہ
کام کس طرح کرو گے جس کو رسول اللہ صلعم نے نہیں کیا۔ عمرؓ نے کہا خدا کی قسم یہ اچھا کام ہے۔ عمرؓ برابر اصرار کرتے رہے
یہاں تک کہ خدا نے اس کام کے لئے میرا سینہ کھولدیا اور میں نے بھی اس بارے میں وہی مناسب سمجھا جو عمرؓ نے مناسب
سمجھا تھا۔ زیدؓ کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے (مجھ سے) کہا کہ تم نوجوان عقلمند آدمی ہو، تم پر کوئی اتہام بھی نہیں، تم رسول اللہ
صلعم کے لئے وحی لکھا کرتے تھے پس تم قرآن کو تلاش کر کے جمع کر دو۔ (زیدؓ کا بیان ہے کہ) خدا کی قسم وہ مجھے کسی پہاڑ

---

[1] بخاری باب اذا طلقتم النساء۔ [2] اتقان نوع ۱۸۔ [3] فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۰۔ [4] بخاری باب جمع القرآن و اتقان، نوع ۱۸۔ [5] اتقان، نوع ۲۰ بحوالۂ قرطبیؒ۔

> کے ہٹا دینے کو کہتے تو مجھ پر اتنا زیادہ دشوار نہ ہوتا جتنا کہ قرآن کا جمع کرنا دشوار تھا۔ میں نے (یعنی زیدؓ نے) کہا کہ تم لوگ وہ کام کیونکر کرسکو گے جس کو رسول اللہ صلعم نے نہیں کیا۔ (ابوبکرؓ نے) کہا کہ خدا کی قسم یہ اچھا کام ہے۔ ابوبکرؓ برابر اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ خدا نے میرا سینہ (بھی) اس کام کے لئے کھولدیا جس کام کے لئے ابوبکرؓ و عمرؓ کا سینہ کھولدیا تھا۔ پھر میں نے قرآن کی تلاش شروع کی، اس کو ہڈیوں، نرم اور سفید پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرنے لگا یہاں تک کہ میں نے سورۂ توبہ کا آخری حصہ لَقَدْ جَاۤءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ سے سورۃ کے آخر تک ابوخزیمہؓ کے سوائے اور کسی کے پاس نہیں پایا۔ یہ صحیفے ابوبکرؓ کی وفات تک انہی کے پاس رہے، پھر عمرؓ کے پاس پھر ام المومنین حفصہ بنت عمرؓ کے پاس۔[1]"

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ اور حضرت زیدؓ بن ثابت دونوں کو قرآن جمع کرنے کا حکم دیا تھا اور یہ بھی تاکید فرمائی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کاتبانِ وحی نے جن متفرق چیزوں پر آیاتِ قرآنیہ کو لکھا تھا صرف وہی منتشر اجزا جمع کئے جائیں۔ اگرچہ اس وقت بعض صحابہؓ کے اپنے اپنے طور پر لکھے ہوئے مصاحف موجود تھے۔ مگر ان مصاحف کی کتابت حزم اور احتیاط کے ساتھ نہیں ہوئی تھی۔ ان مصاحف میں وہ جملے بھی درج تھے جن کو رسول اللہ صلعم نے بطور تفسیر کے ارشاد فرمایا تھا۔ رسول اللہ صلعم بعض بعض اوقات صحابہؓ کو دعاؤں کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے۔[2] بعض صحابہؓ نے غلط فہمی سے بعض دعاؤں کو آیاتِ قرآنیہ سمجھکر اپنے مصاحف میں درج کر لیا تھا۔ حضرت اُبیؓ بن کعب اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کے مصاحف میں دعائے قنوت بطور دو سورتوں کے لکھی ہوئی تھی۔ پہلی اللّٰھم انا نستعینك سے من یفجرك تک۔ اس کا نام سورۂ خلع تھا۔ دوسری اللّٰھم ایاك نعبد سے ملحق تک اس کا نام سورۂ حفد تھا۔[3] یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکرؓ نے صرف رسول اللہ صلعم کے لکھوائے ہوئے قرآن کے جمع کرلینے کا حکم دیا تھا

اتقان میں ہے :۔

> "وہ قرآن جو رسول اللہ صلعم کے روبرو لکھا گیا تھا وہ مختلف پرچوں، اونٹ کی ہڈیوں اور کھجور کے خشک پتوں پر لکھا ہوا تھا، ابوبکرؓ نے فقط اسی کی نقل اور جمع کرلینے کا حکم دیا۔[4]"

فتح الباری میں ہے :۔

> "حضرت ابوبکرؓ نے فقط انہی آیات اور سورتوں کے جمع کرنے کا حکم دیا جو لکھی ہوئی تھیں۔"

چونکہ یہ اجزا منتشر تھے اس لئے مزید احتیاط کے لئے حضرت ابوبکرؓ نے یہ بھی حکم دیا کہ

> "تم دونوں (یعنی حضرت عمرؓ اور حضرت زیدؓ) مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاؤ اور جو شخص تمھارے پاس کتاب اللہ کا کوئی حصہ پیش کرے تو جب تک وہ دو گواہ نہ لائے اس کی پیش کردہ آیات تسلیم نہ کی جائیں۔[5]"

---

[1] بخاری، باب جمع القرآن۔ [2] دیکھو بخاری اور ترمذی کی کتاب الدعوات۔ [3] اتقان، نوع ۱۹ بحوالہ بیہقی و طبرانی۔ [4] اتقان، نوع ۱۸، بحوالہ فہم السنن
[5] اتقان، نوع ۱۸ و فتح الباری، جلد ۹، صفحہ ۱۳۔

حضرت عمرؓ اور حضرت زیدؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے حکم پر نہایت شدّت کے ساتھ عمل کیا۔ ابن ابی داؤد کی ایک روایت میں ہے:۔

"عمرؓ کسی شخص سے قرآن کا کوئی حصہ اس وقت تک قبول نہیں کرتے تھے جب تک وہ دو گواہ نہ لائے۔"[1]

مذکورہ روایت سے امام سیوطیؒ استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اور اس روایت سے پایا جاتا ہے کہ زیدؓ بن ثابت قرآن کو فقط لکھا ہوا پانے پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اس کی شہادت بھی ان لوگوں سے حاصل کر لیتے تھے جنہوں نے اس کو رسول اللہ صلعم سے سن کر یاد کیا تھا۔"[2]

اس حزم اور احتیاط کے ساتھ قرآن کی وہ تمام آیات بے کم و کاست نقل کر لی گئیں جو وقتاً فوقتاً رسول اللہ صلعم پر نازل ہوئی تھیں اور متفرق چیزوں پر لکھوائی گئی تھیں۔ رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ قرآن مجید کے متفرق اجزا اوراق میں جمع کر دئے گئے۔[3] ان اوراق میں سورتوں کی کوئی ترتیب نہیں تھی کیونکہ یہ اوراق ایک مصحف میں نہیں تھے کہ ان میں سورتوں کی ترتیب کا لحاظ رکھا جاتا بلکہ یہ متعدد صحیفوں (پاروں) میں تھے[4] جن میں ہر سورۃ کی تمام آیتیں اسی ترتیب کے ساتھ لکھ لی گئی تھیں جس ترتیب کے ساتھ رسول اللہ صلعم نے لکھوایا تھا۔ یہ صحیفے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی زندگی تک بارگاہِ خلافت میں محفوظ رہے ان کے بعد ام المومنین حفصہ بنت عمرؓ کی نگرانی میں آئے اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دوسرے سال یعنی ۲۵ھ ہجری تک حضرت حفصہ ہی کے پاس محفوظ رہے۔

رفع اختلاف قرأت

رسول اللہ صلعم کے زمانے ہی میں مختلف قبائل کے مسلمان اپنے اپنے لب و لہجہ کے موافق قرآن کی قرأت کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے وجوہِ قرأت میں اختلاف ہوتا گیا۔ اختلافِ قرأت نے صحابہؓ میں دو ایک مرتبہ جھگڑے کی صورت بھی پیدا کر دی تھی۔ حضرت ہشامؓ بن حکیم نماز میں سورۂ فرقان پڑھ رہے تھے، حضرت عمرؓ کو ان کی قرأت میں اختلاف معلوم ہوا تو وہیں ٹھیر گئے۔ حضرت ہشامؓ کے نماز سے فارغ ہوتے ہی حضرت عمرؓ نے ان کی چادر ان کے گلے میں ڈال کر کہا کہ تبلاؤ یہ سورۃ تم کو کس نے پڑھائی ہے۔ حضرت ہشامؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے پڑھائی ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا جھوٹ کہ رہے ہو۔ مجکو رسول اللہ صلعم نے یہ سورۃ پڑھائی ہے وہ تو اس کے مغایر ہے جس طرح تم نے اس وقت پڑھی۔ غرضکہ حضرت عمرؓ ان کو کھینچ کر رسول اللہ صلعم کی خدمت میں لائے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے ان کو سورۂ فرقان اس طرح پڑھتے سنا ہے جس طرح آپ نے مجھے نہیں پڑھائی۔ آپ دونوں کی قرأت سنکر ارشاد فرماتے ہیں دونوں قرأتیں صحیح ہیں، قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے جس طرح ہو سکے پڑھو۔[5] اہلِ عجم اور بعض قبائلِ عرب قرآن کو جو قریش کی زبان میں نازل ہوا تھا قریش کے لب ولہجہ میں بڑی دقت سے پڑھ سکتے تھے اس لئے سہولت اور آسانی کے لئے مختلف قبائل کے لب و لہجہ کے لحاظ سے آپ نے یہ اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ امام طحاوی کا قول ہے:۔

"یہ بات اس وقت آسانی کے لئے بطور اجازت کے تھی۔ اس وقت اکثر صحابہؓ اور مسلمانوں کو کتابت سے ناواقف

---

[1] اتقان، نوع ۱۸۔ [2] اتقان، نوع ۱۸۔ [3] اتقان نوع ۱۸ بحوالہ مالک۔ [4] فتح الباری، جلد ۹، صفحہ ۱۲۰۱۹۔ [5] بخاری، باب جمع القرآن

[6] بخاری، باب انزال القرآن علی سبعۃ احرف۔

ہونے اور حفظ قرآن پر پوری طرح قادر نہونے کی وجہ سے ایک ہی لفظ کے ساتھ قرآن کی تلاوت بہت ہی دشوار تھی مگر بعد میں جب یہ عذر زایل ہوگیا اور لکھنے اور حفظ کرنے میں آسانی ہوگئی تو یہ اجازت بھی جاتی رہی۔[۵۸]

یہ اجازت صرف اسی حد تک تھی کہ اختلاف قرأت کی وجہ سے معنے میں کچھ تغیر نہ آئے۔ حضرت عمرؓ کی ایک روایت میں ہے :۔

"یہ سب اس وقت تک درست ہے جب تک مغفرت کو عذاب اور عذاب کو مغفرت نہ بنا دے[۵۹] (یعنے اختلاف قرأت کی وجہ سے معنے میں تغیر نہ آئے)۔"

حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ صلعم کے لکھوائے ہوئے قرآن کے تمام ذرہ ہائے پریشان کو جمع کر لینے کے بعد بجائے اس کے کہ اس کی نقلیں شائع کرتے اس کو بارگاہ خلافت میں محفوظ رکھ دیا اور زبانی تعلیم قرآن کے سلسلے کو جو رسول اللہ صلعم کے زمانے سے جاری تھا قایم رکھا۔ حضرت عمرؓ نے بھی اپنے عہد خلافت میں اسی زبانی تعلیم قرآن کے سلسلے کو وسعت دی، جا بجا زبانی تعلیم گاہیں قائم کیں۔ حضرت عمر کے زمانے میں فتوحات کا دائرہ بے حد وسیع ہو رہا تھا۔ آفتاب حق کی کرنیں ایران، روم، اور مصر کے ذرہ ذرہ کو روشن کر رہی جا رہی تھیں، ایرانی، رومی، مصری وغیرہ اقوام حلقہ بگوشان اسلام کے زمرے میں داخل ہو رہی تھیں۔ ان اقوام کے اختلاط سے اختلاف قرأت کا مسئلہ خطرناک صورت اختیار کرنے لگا۔ عجمی قومیں عربی لب و لہجہ سے تقریباً نا آشنا تھیں، معلمین قرآن کو ان کی تعلیم میں بے حد دقتیں پیش آنے لگیں تو انھوں نے ان کو قرآن سے مانوس کرنے کے لئے مختلف سہولتیں بہم پہنچائیں۔ اتقان میں ہے :۔

"ابن مسعودؓ نے ایک شخص کو طَعَامُ الاَثِیم پڑھایا تو اس نے اس کو طعام الیتیم پڑھا۔ آپ بار بار کوشش کرتے رہے مگر وہ طعام الیتیم ہی پڑھتا رہا بالآخر ابن مسعودؓ نے اس سے کہا کیا تو طعام الفاجر پڑھ سکتا ہے ؟ اس نے کہا ہاں، آپ نے اسے اجازت دی کہ طعام الفاجر ہی پڑھے۔"[۶۰]

حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں اختلاف قرأت کا مسئلہ تجاوز کرتے کرتے اختلاف معنی تک پہنچ گیا، قرآن کی من مانی غلط سلط تلاوت ہونے لگی، ہر شخص یہی سمجھنے لگا کہ میں جس طرح پڑھتا ہوں وہی صحیح ہے اس لئے لوگ ایک دوسرے کی تکذیب پر اتر آئے اور بعض بعض جگہ تلواریں بھی چل گئیں تو حضرت عثمانؓ نے رسول اللہ صلعم کے قرآن کی اشاعت کا انتظام کر کے ان اختلافات کا سد باب کر دیا۔ اتقان میں ہے :۔

عثمانؓ کے زمانے میں قرأت قرآن میں اس قدر اختلاف واقع ہوگیا کہ اس کی وجہ سے شاگردوں اور استادوں میں تلوار چل گئی۔ عثمانؓ کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ جو لوگ میرے سامنے ہیں وہی قرآن کو جھٹلانے اور اس میں غلطی کرنے لگے تو غالباً وہ لوگ جو مجھ سے دور ہونگے ان کی بہ نسبت زیادہ جھٹلاتے اور غلطیاں کرتے ہونگے۔

---

[۵۸] اتقان، نوع ۱۶ طحاویؒ کے مذکورہ قول کے بعد امام سیوطیؒ نے لکھا ہے ابن عبدالبرؒ باقلانی اور دوسرے علماء نے بھی یہی کہا ہے۔ [۵۹] اتقان، نوع ۱۶ بحوالہ مسند حنبل۔ [۶۰] اتقان، نوع ۱۶۔

اے اصحابِ محمدؐ! تم سب جمع ہو جاؤ اور لوگوں کے لئے ایک امام (یعنے قرآن) لکھو۔"[۵۱]

حضرت علیؓ فرماتے ہیں:۔

"عثمانؓ کے متعلق کلمۂ خیر کے سوا کچھ نہ کہو کیونکہ بخدا انھوں نے مصاحف میں جو کچھ بھی کیا ہے وہ ہماری ایک کثیر جماعت کی رائے سے کیا ہے۔ عثمانؓ نے ہم سے کہا کہ تم لوگ قرآن کی قرأت کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ مجھے اطلاع ملی ہے کہ بعض لوگ دوسروں سے کہتے ہیں کہ میری قرأت تمھاری قرأت سے بہتر ہے حالانکہ یہ بات قریب قریب کفر کے ہے۔ ہم لوگوں نے عثمانؓ سے کہا پھر آپ کی کیا رائے ہے؟ عثمانؓ نے کہا مجھکو تو یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تمام مسلمانوں کو ایک ہی صحف پر جمع کر دیا جائے تاکہ پھر کوئی تفرقہ اور اختلاف نہ پیدا ہو سکے تو ہم لوگوں نے کہا کہ آپ کی رائے بہتر ہے۔"[۵۲]

اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے قریش اور انصار کے مشہور صحابہ کو قرآن کی کتابت پر مقرر کیا۔[۵۳] دورانِ کتابت میں جب کسی آیت کی قرأت میں اختلاف ہوتا تو ایسے شخص کو طلب کرتے تھے جس کو رسول اللہ صلعم نے اس آیت کی تعلیم دی تھی اور اس سے آیت کی صحیح قرأت دریافت کرنے کے بعد درج کرتے تھے۔ اتقان میں ہے:۔

"جب کسی آیت کے متعلق ان میں اختلاف ہوتا تو وہ کہتے کہ رسول اللہ صلعم نے یہ آیت فلاں شخص کو پڑھائی تھی، پھر اس شخص کو طلب کیا جاتا حالانکہ وہ مدینہ سے تین دن کی مسافت پر ہوتا تھا، جب وہ آجاتا تو اس سے دریافت کرتے کہ رسول اللہ صلعم نے فلاں آیت کی قرأت تم کو کس طرح سنائی تھی، وہ شخص کہتا اس طرح تو اس آیت کو لکھ لیتے تھے اور پہلے سے اس کی جگہ خالی رہنے دیتے تھے۔"[۵۴]

کسی واقف کار شخص کے نہ ملنے کی صورت میں وہ آیت قریش کی لغت کے موافق درج کی جاتی تھی۔ حضرت انسؓ بن مالک نے نقلِ صحف کی زیادہ تفصیل کی ہے چنانچہ اس کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

"حذیفہؓ بن یمان عثمانؓ کے پاس آئے، وہ آرمینیہ اور آذربیجان کی فتح میں عراق والوں کے ساتھ اہلِ شام سے لڑے تھے، اُن کو ان لوگوں کے اختلافِ قرأت نے گھبرا دیا تھا۔ انھوں نے عثمانؓ سے کہا اے امیر المومنین! قبل اس کے کہ یہود و نصاریٰ کی طرح یہ امت اپنی کتاب میں اختلاف کرے، آپ اس کا تدارک فرمائے۔ عثمانؓ نے حفصہؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ آپ وہ صحف ہمارے پاس بھجوا دیجئے، ہم ان کو مصحف میں نقل کر کے واپس بھیج دینگے۔ حفصہؓ نے عثمانؓ کے پاس وہ صحف بھیج دئے۔ عثمانؓ نے زیدؓ بن ثابت، عبداللہ بن الزبیرؓ، سعیدؓ بن العاص، عبدالرحمٰنؓ بن الحارث

---

[۵۱] اتقان، نوع ۱۸۔ [۵۲] اتقان، نوع ۱۸ بحوالۂ ابن ابی داؤد۔ [۵۳] بخاری کی ایک روایت میں چار صحابہؓ کے نام بیان ہوئے ہیں۔ اتقان (نوع ۱۸) میں ابن سیرینؒ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کام کے لئے قریش اور انصار کے بارہ[۱۲] مشہور صحابہ مقرر کئے گئے تھے۔ [۵۴] اتقان، نوع ۱۸۔ [۵۵] بخاری، باب جمع القرآن۔

بن ہشام کو حکم دیا تو ان لوگوں نے ان کو مصاحف میں نقل کر دیا۔ عثمانؓ نے تینوں قریشیوں (یعنے عبد اللہ بن الزبیرؓ، سعیدؓ بن العاص، عبد الرحمٰنؓ بن الحارث بن ہشام) سے کہا کہ جب تم اور زیدؓ بن ثابت قرآن کی کسی چیز میں (یعنے قرآن کی عربیت میں[۵۱]) اختلاف کرو تو اس کو قریش کی زبان میں لکھو کیونکہ قرآن انہی کی زبان میں اُترا ہے۔ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ جب انھوں نے ان صحف کو مصاحف میں نقل کر لیا تو عثمانؓ نے وہ صحف حفصہؓ کے پاس بھیج دیئے اور نقل شدہ مصاحف کو ملک کے ہر ایک حصے میں روانہ کر دیا اور حکم دیا کہ اس کے سوا جو کچھ کسی صحیفہ یا مصحف میں ہو سب جلا دیا جائے۔"[۵۲]

صحفِ صدیقی اور مصحفِ عثمانی کا فرق

حضرت ابو بکرؓ کے جمع کروائے ہوئے صحف اور حضرت عثمانؓ کے نقل کروائے ہوئے مصاحف کا فرق دکھانے سے پہلے صحف اور مصاحف کے معنے بیان کئے جاتے ہیں۔

صحف جمع ہے صحیفہ کی۔ صحیفے کے اصلی معنے رسالہ یا جز یا پارے کے ہیں یعنے چھوٹے سے رسالے کو یا کسی کتاب کے جز یا پارے کو صحیفہ کہتے ہیں[۵۳]۔ مصاحف مصحف کی جمع ہے اور مصحف لغت میں اس کتاب کو کہا جاتا ہے جس میں رسالے اور صحیفے جمع ہوں۔

حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہ صلعم کے لکھوائے ہوئے قرآن کے تمام متفرق اجزا کو مختلف چیزوں سے اکٹھا کروا کر آیتوں کو ان کی اصلی ترتیب کے ساتھ اپنی اپنی سورتوں میں لکھوا دیا تھا۔ یہ اوراق ایک مصحف یعنے ایک کتاب میں نہیں تھے بلکہ کئی صحف یعنے پاروں میں تھے۔ حضرت زیدؓ بن ثابت اور حضرت انسؓ بن مالک کی جو روایتیں "جمع قرآن" اور "رفع اختلاف" میں لکھی جا چکی ہیں، ان کے حسبِ ذیل جملوں سے یہ بات بخوبی ثابت ہے :۔

(۱) "پھر یہ صحف (صحیفے) ابو بکرؓ کے پاس ان کی وفات تک رہے"۔[۵۴]

لفظِ صحف سے ظاہر ہے کہ وہ ایک جلد میں نہیں تھے۔

(۲) ا۔ "عثمانؓ نے حفصہؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ آپ وہ صحف (صحیفے) ہمارے پاس بھجوا دیجئے تا کہ ہم ان کو مصاحف میں نقل کر لیں"۔

ب۔ "اُن لوگوں نے ان صحف (صحیفوں) کو مصاحف میں نقل کر دیا"۔

ج۔ "یہاں تک کہ جب ان لوگوں نے ان صحف (صحیفوں) کو مصاحف میں نقل کر لیا تو عثمانؓ نے وہ صحف (صحیفے) حفصہ کے پاس واپس بھجوا دئے"۔[۵۵]

صحف سے مصاحف میں نقل کرنے کا صرف یہی مطلب ہے کہ متفرق صحف یعنے پاروں کو ایک جلد میں نقل کر دیا گیا۔

---

[۵۱] کیونکہ بخاری ہی میں اس باب سے پہلے باب نزل القرآن بلسان قریش میں حضرت انسؓ بن مالک ہی سے مروی ہے کہ عثمانؓ نے ان سے کہا کہ جب تم اور زیدؓ بن ثابت قرآن کی عربیت میں اختلاف کرو تو اس کو قریش کی زبان میں لکھو کیونکہ قرآن انہی کی زبان میں اترا ہے۔ [۵۲] بخاری باب جمع القرآن۔ [۵۳] المنجد طبع ۲۲ بیروت صفحہ ۴۱۲۔ [۵۴] بخاری باب جمع القرآن روایت زیدؓ بن ثابت۔ [۵۵] بخاری باب جمع القرآن روایت انسؓ بن مالک۔

حضرت عثمانؓ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کے جمع کروائے ہوئے صحیفوں کو ایک مصحف میں قرآن
زولی زبان یعنی لغتِ قریش کے موافق لکھوا کر باقی تمام صحیفوں اور مصحفوں کو جو مختلف قرأتوں، تفسیری جملوں اور دعاؤں پر مشتمل
تھے، جلوادیا اور ہمیشہ کے لئے اختلافات قرأت وغیرہ کے جھگڑوں کو مٹا کر تحریف قرآن کا سدباب کردیا۔ اتقان میں ہے :۔

"ابن التینؒ اور بعض دوسرے علماء کا بیان ہے کہ ابوبکرؓ اور عثمانؓ کے قرآن کو جمع کرنے میں یہ فرق ہے کہ ابوبکرؓ نے قرآن
کو اس خوف کی وجہ سے جمع کروایا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حاملانِ قرآن کی موت کے ساتھ قرآن کا بھی کچھ حصہ جاتا رہے، کیونکہ
اس وقت تمام قرآن ایک ہی جگہ جمع نہ تھا۔ اس لئے ابوبکرؓ نے قرآن کو صحف (صحیفوں) میں اس ترتیب سے جمع کیا
کہ ہر ایک سورۃ کی آیات رسول اللہ صلعم کے ارشاد کے موافق سلسلہ وار درج ہوگئیں۔ اور عثمانؓ کے قرآن کو جمع کرنے
کی یہ وجہ ہوئی کہ جس وقت وجوہِ قرأت میں بکثرت اختلافات ہونے لگے اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ لوگوں نے
قرآن کو اپنی اپنی زبانوں میں پڑھنا شروع کردیا، اور یہ ظاہر ہے کہ عرب کی زبانیں بہت وسیع ہیں، تو اس کا یہ نتیجہ
نکلا کہ مسلمانوں میں ایک زبان کے لوگ دوسری زبان والوں کو جھٹلانے لگے جس سے مشکلات پیش آنے اور معاملہ
بڑھ جانے کا خوف پیدا ہوگیا۔ اس لئے عثمانؓ نے قرآن کے صحف (صحیفوں) کو ایک ہی مصحف میں سورتوں کی
ترتیب کے ساتھ جمع کردیا اور تمام عرب کی زبانوں کو چھوڑ کر فقط قبیلۂ قریش کی زبان پر اکتفا کیا۔ اس کے لئے عثمانؓ
نے یہ دلیل پیش کی کہ قرآن کا نزول دراصل قریش ہی کی زبان میں ہوا ہے۔ گو ابتدا میں سہولت اور آسانی کے لئے
قرآن کو دوسری زبانوں میں بھی پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی لیکن اب عثمانؓ کی رائے میں وہ ضرورت باقی نہیں رہی
تھی اس لئے انھوں نے قرآن کو محض ایک ہی زبان میں منحصر کردیا۔"[1]

سورتوں کی ترتیب یہ اوپر مذکور ہوچکا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کے متفرق اجزا کو جن اوراق میں جمع کروایا تھا ان میں سورتوں
کی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا تھا[2] کیونکہ وہ اوراق ایک مصحف میں نہیں تھے۔ حضرت عثمانؓ نے قرآن کو ان متفرق صحیفوں سے ایک
مصحف میں نقل کرواتے وقت سورتوں کی ترتیب کی ضرورت محسوس کرکے ان میں اس طرح ترتیب قائم کی کہ پہلے سورۂ فاتحہ کو رکھا اس
کے بعد طوال سورتوں کو پھر مئین، پھر مثانی اور پھر مفصل کو۔ واثلہ بن الاسقع کے طریق سے مروی ہے :۔

"رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ مجھے توراۃ کی جگہ سات طوال سورتیں، زبور کی جگہ المئین، انجیل کی جگہ المثانی عطا کی گئیں اور مفصل
کے ذریعہ مجھے فضیلت عطا کی گئی ہے۔"[3]

سورۂ بقرہ سے سورۂ یونس تک کی نو سورتیں طوال یعنی بڑی سورتیں کہلاتی ہیں مگر درحقیقت طوال سورتیں سات ہیں جیسا کہ مذکورہ روایت
اور دوسری روایتوں میں ہے اور وہ سورۂ بقرہ سے سورۂ انفال تک کی سورتیں ہیں۔ انفال اور توبہ یہ دو سورتیں اشتباہ کی وجہ سے
سات طوال سورتوں کے بعد رکھی گئی ہیں۔ ابنِ عباسؓ کہتے ہیں :۔

---

[1] اتقان، نوع ۱۸۔ [2] اتقان، نوع ۱۸ و فتح الباری، جلد ۹، صفحہ ۱۳ و ۱۶۔ [3] اتقان، نوع ۱۸، انجوالہ احمد۔

"یں نے عثمانؓ سے کہا کہ آپ نے کس لئے عمداً سورۂ انفال کو جو مثانی سے ہے، اور سورۂ براۃ (توبہ) کو جو مئین سے ہے ملا دیا اور ان دونوں کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کی سطر نہیں لکھی اور آپ نے اس کو سات طوال سورتوں میں رکھ دیا، اس کا کیا سبب ہے؟ عثمانؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم تشریف رکھتے تھے اور زمانہ اس حالت میں گذرتا تھا کہ آپ پر متعدد سورتیں نازل ہوتی تھیں۔ جب آپ پر کچھ قرآن نازل ہوتا تو آپ کاتبانِ وحی میں سے کسی کو طلب کرتے اور فرماتے کہ ان آیات کو اس سورۃ میں درج کرو جس میں ایسا اور ایسا مذکور ہے، پھر جس وقت آپ پر کوئی آیت نازل ہوتی تو حکم دیتے کہ اس آیت کو اس سورۃ میں رکھ دو جس میں ایسا اور ایسا مذکور ہے۔ سورۂ انفال ان سورتوں میں اول تھی جو مدینہ میں نازل ہوئیں اور سورۂ براۃ نزول کے لحاظ سے آخری سورتوں میں سے ہے۔ اور سورۂ انفال کا قصہ سورۂ براۃ سے مشابہ تھا۔ رسول اللہ صلعم نے وفات پائی اور ہم سے یہ نہیں فرمایا کہ سورۂ براۃ سورۂ انفال سے ہے، اس لئے میں نے دونوں سورتوں کو ملا دیا اور ان کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کی سطر نہیں لکھی اور اس کو سات طوال سورتوں میں رکھ دیا۔"[1]

سورۂ یونس (۱۰) سے سورۂ شعرا تک کی سورتوں کو مئین کہتے ہیں "مئین" جمع ہے "مائۃ" کی اور مائۃ کہتے ہیں سَو کو۔ ان سورتوں میں بعض تو سو سو آیتوں کی سورتیں اور بعض سو سے کچھ کم اور سو سے کچھ زیادہ کی ہیں۔ سورۂ شعرا (۲۶) سے سورۂ حجرات تک کی سورتیں مثانی ہیں۔ یہ سو آیتوں سے کم ہیں۔ مثانی مکرر کو کہتے ہیں۔ ان سورتوں میں قصص اور اخبار کے ساتھ امثال مکرر بیان ہوئے ہیں اس لئے ان کو مثانی کہتے ہیں۔[2] سورۂ حجرات (۴۹) سے قرآن کے آخر تک کی تمام سورتوں کو مفصل کہا جاتا ہے اس لئے کہ ان کا حجم کم ہونے کی وجہ سے ان میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے جلد جلد فصل واقع ہوا ہے، یا اس لئے کہ جو باتیں دوسری سورتوں میں مجمل طور پر بیان کی گئی ہیں وہ ان سورتوں میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ اسی وجہ سے مفصل کو تمام قرآن کا خلاصہ بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔

"ہر چیز کے لئے بلندی ہے اور قرآن کی بلندی سورۂ بقرہ ہے، ہر چیز کے لئے خلاصہ ہے اور قرآن کا خلاصہ مفصل ہے۔"[3]

حجم کے لحاظ سے مفصل سورتوں کی تین قسم ہیں۔ طوالِ مفصل (بڑی سورتیں)، اوساطِ مفصل (منجھلی سورتیں)، قصارِ مفصل (چھوٹی سورتیں)۔ سورۂ حجرات (۴۹) سے سورۂ النبا تک کی سورتیں طوال مفصل ہیں۔ النبا (۷۸) سے سورۂ الضحیٰ تک اوساطِ مفصل اور الضحیٰ (۹۳) سے قرآن کے آخر تک کی تمام سورتیں قصارِ مفصل ہیں۔ یہ ابنِ معینؒ کی تقسیم ہے۔ اس کے متعلق امام سیوطیؒ لکھتے ہیں:۔

"یہ قول ان تمام اقوال سے زیادہ صحیح ہے جو اس بارے میں کہے گئے ہیں۔"[4]

---

[1] ترمذی، ابواب تفسیر القرآن۔ [2] اتقان، نوع ۱۸۔ [3] مشکوٰۃ، کتاب فضائل القرآن، بحوالۂ دارمی۔ [4] اتقان، نوع ۱۸۔

مصاحف عثمانی

حضرت عثمانؓ کے نقل کروائے ہوئے مصاحف کی تعداد میں اختلاف ہے بعض پانچ کہتے ہیں[1] اور بعض سات۔ ابو حاتم بجستانی کہتے ہیں کہ سات مصحف نقل کروائے گئے تھے، ایک کو مدینہ میں محفوظ رکھا گیا، باقی مکہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ اور کوفہ روانہ کئے گئے[2]۔ شمس العلماء شبلی نعمانی مرحوم تہذیب الاخلاق بابتہ ماہ صفر ۱۳۲۹ھ ہجری میں مصاحف عثمانی کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"حضرت عثمانؓ نے جو مصاحف نقل کروا کے مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بصرہ، کوفہ، دمشق میں بھجوائے تھے، مدت تک موجود رہے چنانچہ ان کی تفصیل جیسا کہ مقری نے نفح الطیب میں لکھی ہے (جلد اول صفحہ ۲۸۳ مطبوعہ مصر) حسب ذیل ہے:۔

دمشق۔ اس مصحف کو ابو القاسم سبتی نے ۶۵۷ھ ہجری میں جامع دمشق کے مقصورہ میں دیکھا۔ عبدالملک کا بیان ہے کہ میں نے اس کو ۷۳۵ھ ہجری میں دیکھا۔ یہ مصحف میرے سفر قسطنطنیہ کے زمانہ تک دمشق میں موجود تھا۔ کئی برس ہوئے جب سلطان عبدالحمید خان کے زمانے میں جامع مسجد جل گئی تو یہ مصحف بھی جل گیا۔

مدینہ منورہ۔ اس مصحف کا بھی ۷۳۵ھ ہجری تک پتہ چلتا ہے۔ اس نسخہ کی پشت پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی:۔ هذا ما اجمع علیه جماعة من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم منهم زید بن ثابت وعبد الله بن الزبیر وسعید بن العاص (اس کے بعد اور صحابہ کے نام تھے)۔

مکہ معظمہ۔ یہ بھی ۷۳۵ھ ہجری تک موجود تھا۔

بصرہ یا کوفہ۔ یہ قرآن معلوم نہیں کس زمانے میں قرطبہ پہنچا۔ پھر عبدالمومن اس کو قرطبہ سے اپنے دار السلطنت میں بڑے تزک و احتشام سے لایا۔ ۷۴۵ھ ہجری میں وہ معتضد کے قبضہ میں آیا۔ اس کے بعد ابوالحسن نے جب تلمسان فتح کیا تو یہ نسخہ اس کے قبضہ میں آیا۔ اس کے مرنے پر پرتگیز میں پہنچا، وہاں سے ایک تاجر نے کسی طرح اس کو حاصل کیا اور ۷۴۵ھ ہجری میں شہر فاس میں لایا چنانچہ مدت تک خزانہ شاہی میں موجود تھا۔

علامہ مقریزی نے کتاب الخطط میں جہاں قاضی فاضل (سلطان صلاح الدین کا وزیر تھا) کے مدرسہ کا ذکر کیا ہے لکھا ہے کہ اس کے کتب خانہ میں مصحف عثمانی کا نسخہ موجود تھا جس کو قاضی فاضل نے تیس ہزار اشرفی میں خریدا تھا۔"

گذشتہ عالمگیر جنگ کے زمانے میں بغرض حفاظت جو امانات مبارکہ مدینہ منورہ سے آستانہ روانہ کی گئی تھیں ان میں حضرت عثمانؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید بھی تھا[3]۔ یا تو یہ وہی نسخہ ہوگا جو مدینہ میں محفوظ رکھا گیا تھا یا حضرت عثمانؓ نے خاص اپنے لئے ایک اور نسخہ اپنے ہاتھ سے نقل کر لیا ہوگا۔ روایات سے یہ تو ثابت ہے کہ قرآن کا ایک نسخہ حضرت عثمانؓ کے پاس بھی تھا مگر اس کا پتہ نہیں کہ یہ کونسا نسخہ تھا۔ جس وقت آپ کی شہادت واقع ہوئی آپ اسی نسخے کی تلاوت میں مصروف تھے۔ آپ کے خون کے قطرے آیت فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَ

---

[1] اتقان نوع ۱۸ بحوالہ ابن ابی داؤد۔ [2] اتقان، نوع ۱۸۔ [3] دیکھو روزنامہ خلافت، جلد ۳ نمبر ۱۷۸۔

هُوَالسَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ پر گرے تھے۔[1]

حال میں ایک اور مصحفِ عثمانی کے متعلق حسبِ ذیل معلومات حاصل ہوئے ہیں :۔

"جب بولشویک نے ترکستان پر قبضہ کرلیا تھا تو حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا قرآن شریف بھی ان کے ہاتھ آگیا تھا جسے وہ ماسکو لے گئے تھے۔ یہ مصحفِ شریف امیر تیمور لنگ کے زمانے میں ابوبکر اشاشیؒ کی طرف سے حضرت شیخ عبداللہؒ کے مرقد پر رکھدیا گیا تھا۔ ترکستان کے معزز مسلمانوں نے اس نسخے کی واپسی کے لئے بہت اصرار کیا۔ معلوم ہوا ہے کہ بولشویک حکومت نے واپس کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ ترکستان میں اس مقصد کے لئے متعدد جلسے بھی ہوئے ہیں۔"[2]

مصحف عثمانی بے کم وکاست وہی قرآن ہے جو رسول اللہ صلعم پر نازل ہوا تھا۔

اس وقت تمام دنیا کے مسلمانوں کے پاس حضرت عثمانؓ کا نقل کروایا ہوا مذکورہ قرآن ہی موجود ہے۔ گذشتہ تفصیل سے یہ اچھی طرح ثابت ہوچکا ہے کہ حضرت عثمانؓ کا نقل کروایا ہوا قرآن بعینہ وہی قرآن ہے جو رسول اللہ صلعم پر نازل ہوا تھا۔ اس میں کسی قسم کی ذرہ برابر بھی کمی بیشی نہیں ہوئی۔

قاضی ابوبکرؒ لکھتے ہیں :۔

"ہم اس بات کا یقین کرتے ہیں کہ وہ تمام قرآن جس کو اللہ تعالے نے نازل فرمایا، اس کے لکھے جانے کا حکم دیا، اس کو منسوخ نہیں کیا اور نہ اس کے نزول کے بعد اس کی تلاوت کو رفع کیا وہ یہی قرآن ہے جو دو دفتیوں کے درمیان پایا جاتا ہے اور جس کو مصحف عثمانی حاوی ہے۔ اس قرآن میں نہ کسی طرح کی کمی ہے اور نہ زیادتی۔"[3]

امام سیوطیؒ لکھتے ہیں :۔

"صحابہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ عثمانؓ کے مصاحف ان صحیفوں سے نقل کئے گئے تھے جن کو ابوبکرؓ نے جمع کروایا تھا۔ اور صحابہ کا اس بات پر بھی اجماع تھا کہ صحفِ ابی بکرؓ کے سوا اور جہاں کہیں قرآن کا کوئی حصہ موجود ہو وہ قابلِ ترک ہے۔"[4]

علامہ بغویؒ لکھتے ہیں :۔

"صحابہؓ نے اسی قرآن کو دو دفتیوں میں جمع کردیا ہے جس کو اللہ تعالے نے اپنے رسول صلعم پر نازل فرمایا تھا۔ صحابہؓ نے اس میں کوئی کمی یا زیادتی نہیں کی۔"[5]

عبدالعزیز بن رفیعؒ کہتے ہیں :۔

"میں اور شداد بن معقل ابن عباسؓ کے پاس گئے۔ شداد نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلعم نے کچھ اور بھی چھوڑا؟ ابن عباسؓ نے فرمایا جو کچھ دو دفتیوں میں ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں چھوڑا۔ عبدالعزیز رفیعؒ کہتے ہیں پھر ہم محمد

---

[1] استیعاب، تذکرۂ عثمان بن عفانؓ۔ [2] روزنامۂ خلافت، جلد ۴، نمبر ۱۳ بحوالۂ سبیل الرشاد۔ [3] اتقان، نوع ۱۸ بحوالۂ کتاب الانتصار لقاضی ابوبکرؒ۔ [4] اتقان نوع ۱۶۔ [5] اتقان نوع ۱۸ بحوالۂ شرح السنۃ لبغویؒ۔

بن حنفیہ کے پاس گئے اور ان سے سوال کیا تو انھوں نے بھی فرمایا کہ جو کچھ دو دفتیوں میں ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں چھوڑا۔[۱]

امام حافظ ابن حجر عسقلانی نے مذکورہ روایت سے استدلال کرتے ہوئے اس کی تردید کی ہے کہ قرآن سے کچھ کم ہو گیا اور یہ ثابت کیا ہے جس قدر قرآن رسول اللہ صلعم کے زمانے میں تھا بے کم و کاست بعینہ موجود ہے۔[۲]

سات حروف اور سات قرأتیں

سات حروف "رفع اختلافِ قرأت" میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ قرآن سات حرف پر نازل ہوا ہے جس طرح ہو سکے پڑھو۔ علماء سات حرف کے معنے کے تعین میں مختلف الرائے ہیں۔ ابن حبانؒ کہتے ہیں :۔

"علما اور اہلِ زبان نے قرآن کے سات حرف پر نازل کئے جانے کے معنی میں مذکورہ بالا پینتیس باتیں کہی ہیں۔"[۳]

امام سیوطیؒ لکھتے ہیں :۔

"میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کے معنے میں چالیس کے قریب اقوال بیان ہوئے ہیں۔"[۴]

بعض علماء نے اس سے سات قرأتیں مراد لی ہیں مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ امام سیوطیؒ لکھتے ہیں :۔

"عوام میں بکثرت لوگوں نے اس روایت سے کہ قرآن سات حرف پر نازل ہوا ہے سات قرأتیں مراد لی ہیں حالانکہ یہ ایک بہت بڑا اور کم فہمی کا خیال ہے۔"[۵]

علماء محققین کی ایک کثیر جماعت کا یہ خیال ہے کہ سات حرف سے قبائل عرب کے مختلف ہم معنی محاورات مراد ہیں۔ اتقان میں ہے۔

"نواں قول یہ ہے کہ اس سے سات ہم معنی مختلف الفاظ کے ساتھ پڑھنا مراد ہے جیسے اَقْبِلْ، تَعَالَ، ھَلُمَّ، عَجِّلْ، اَسْرِعْ۔[۶] سفیان بن عینیہؒ، ابنِ جریرؒ، ابنِ وہبؒ اور بہت سے دوسرے علما بھی یہی کہتے ہیں۔ ابن عبد البرؒ نے اس قول کو اکثر علماء کی طرف منسوب کیا ہے، اس کی دلیل میں اس روایت سے بھی تائید ملتی ہے جس کو احمد اور طبرانی نے ابی بکرہ کے طریق سے روایت کیا ہے۔"[۷]

عربی زبان مختلف قبایل میں منقسم تھی۔ جن میں حسب ذیل سات قبایل کی زبانیں سب سے بہتر سمجھی جاتی تھیں :۔

قریش، بنو سعد، بنو تمیم، بنو ہذیل، بنو اسد، بنو ربیعہ[۸] بنو قضاعہ۔

یہ قبیلے مختلف اقطاع میں رہتے تھے اس لئے ان کی زبانیں لب و لہجہ، حرکات اور بعض الفاظ میں باہم کسی قدر مختلف تھیں۔ مثلاً قریش اور بنو اسد مضارع کی ی کو ضمہ یا فتحہ کے ساتھ تلفظ کرتے تھے جیسے یَفْعَل و یُفْعَل اور دوسرے قبیلے والے کسرہ کے ساتھ یِفْعَل کہتے تھے،

---

[۱] بخاری، باب من قال لم یترک النبی صلعم الا ما بین الدفتین۔ [۲] دیکھو فتح الباری، جلد ۹، صفحہ ۵۸۔ [۳] اتقان، نوع ۱۶۔ [۴] اتقان، نوع ۱۶۔ [۵] اتقان، نوع ۱۶۔ [۶] ان پانچ مختلف الفاظ کے ایک ہی معنے ہیں۔ [۷] اتقان، نوع ۱۶۔ [۸] اتقان، نوع ۱۶۔

بنو سعد ع کو ن کر دیتے تھے جیسے "اعطی" کو "انطی"، بنو ربیعہ ج کو گ سے بدل دیتے تھے جیسے "جبل" کو "گبل"[1]۔

قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا تھا[2]۔ دوسرے قبایل کے عرب جو اسلام لا چکے تھے، قرآن کے بعض الفاظ کو قرآن کے نزولی لب ولہجہ میں دقت سے ادا کر سکتے تھے۔ اگر ان کو انھی کے لب ولہجہ میں ان الفاظ کے ادا کرنے کی اجازت دی جاتی تو آیات کا مطلب کچھ کا کچھ ہو جانے کا اندیشہ تھا اس لئے رسول اللہ صلعم نے ان قبایل کو قرآن سے مانوس کرنے کے لئے ان الفاظ کے عوض جو دقت سے ادا ہو سکتے تھے، ان کے ہم معنی الفاظ پڑھنے کے لئے ارشاد فرمایا تھا کہ "قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے جس طرح ہو سکے پڑھو"۔ مثلاً بعض قبیلے والے ث کا تلفظ نہ کر سکنے کی وجہ سے ث کو ت کر دیتے تھے، حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے ایک شخص کو اِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّومِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ (یعنے آخرت میں) تھوہر کا درخت گنہگاروں کا کھانا ہوگا ۞ ۲۵ دخان ۴۲) پڑھایا تو اس شخص سے باوجود کوشش کے طَعَامُ الْاَثِيْمِ کے بجائے طَعَامُ الْيَتِيْمِ نکلتا تھا۔ اگر اس کو اس کے لب ولہجہ کے لحاظ سے طعام الیتیم ہی پڑھنے کی اجازت دی جاتی تو آیت کے معنی میں تغیر آجاتا کیونکہ اثیم کے معنے گنہگار کے ہیں اور یتیم اس لڑکے کو کہتے ہیں جس کا باپ مر گیا ہو۔ اس لئے حضرت ابنؓ مسعود نے طَعَامُ الْاَثِيْمِ کے بجائے طعام الفاجر پڑھنے کی اجازت دی کیونکہ فاجر جس کے معنے بدکار کے ہیں، مفہوم کے لحاظ سے اثیم کا قایم مقام ہو سکتا تھا۔

مذکورہ ارشاد سہولت اور آسانی کے لئے بطور اجازت کے تھا نہ کہ بطور حکم کے۔ علامہ ابن جریر طبریؒ کا بیان ہے:۔

"قرآن کو سات حرف پر قرأت کرنا امت پر واجب نہیں تھا بلکہ ان کو اس بات کی اجازت اور آسانی دی گئی تھی"[3]

امام طحاویؒ، ابنِ عبدالبرؒ، باقلانیؒ اور بعض دوسرے علماء کا قول ہے:۔

"یہ بات اس وقت آسانی کے لئے بطور اجازت کے تھی جب کہ اکثر صحابہؓ اور مسلمانوں کو لکھنے سے ناواقف ہونے اور کلام اللہ کے حفظ پر قادر نہ ہونے کے باعث ایک ہی لفظ کے ساتھ قرآن کی تلاوت دشوار گزرتی تھی"[4]

لیکن لوگوں نے اس عارضی اجازت کو دوامی حکم یا اجازت سمجھ لیا۔ اکثر صحابہؓ نے اپنے اپنے مصاحف میں مختلف مترادف الفاظ درج بھی کر لئے۔ حارث المحاسبی کا قول ہے:۔

"عثمان کے قرآن کو جمع کرنے سے پہلے جس قدر مصاحف تھے وہ سب ایسی قرأت کی صورتوں سے مطابق تھے جن پر حروف سبعہ کا اطلاق ہوتا تھا"[5]

اس طرح اختلاف بڑھتے بڑھتے جھگڑے کی صورت اختیار کرنے لگا۔ ایک قبیلے والے دوسرے قبیلے والوں کی قرأت پر اعتراض کرنے لگے مثلاً طعام الفاجر پڑھنے والا طعام الاثیم پڑھنے والوں کو جھٹلانے لگا اور طعام الاثیم پڑھنے والے طعام الفاجر پڑھنے والوں کی تکذیب کرنے لگے۔ بعض بعض جگہ استادوں اور شاگردوں میں تلوار بھی چل گئی[6] تو حضرت عثمانؓ نے رسول اللہ صلعم کے لکھوائے ہوئے قرآن کو

---

[1] الافراد مطبوعہ بیروت، صفحہ ۵۰۔ [2] بخاری، باب نزل القرآن بلسان قریش۔ [3] اتقان، نوع ۱۶۔ [4] اتقان، نوع ۱۰۔ [5] اتقان، نوع ۱۰۔ [6] بحوالہ ابن اشتہ۔

متعدد نقلیں شایع کرکے حکم دیدیا کہ "اس کے سوا جو کچھ کسی صحیفے یا مصحف میں ہو سب جلا دیا جائے"[1]

سات حروف اور مصحف عثمانی بحث یہ ہے کہ مصحف عثمانی پر حروف سبعہ کا اطلاق ہو سکتا ہے یا نہیں؟ گذشتہ صفحات پڑھ لینے کے بعد معلوم ہوا ہوگا کہ مصحف عثمانی بے کم و کاست، بعینہ وہی قرآن ہے جو رسول اللہ صلعم پر نازل ہوا تھا۔ اور جس کو آپ نے نزول کے ساتھ ہی لکھوا دیا تھا۔ یہ مسلم ہے کہ قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا تھا[2] اور نزولی زبان ہی میں لکھوایا گیا تھا۔ حضرت عثمان نے بھی اس کو نقل کرواتے وقت عبداللہ بن زبیر قریشی، عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام قریشی، سعیدؓ بن العاص قریشی کو حکم دیا تھا کہ "جب تم اور زیدؓ بن ثابت انصاری قرآن کی عربیت میں اختلاف کرو تو اوسکو قریش کی زبان میں لکھو کیونکہ قرآن انہی کی زبان میں اترا ہے"[3] اس سے صاف ظاہر ہے کہ مصحفِ عثمانی جو رسول اللہ صلعم کے لکھوائے ہوئے قرآن کی بے کم و کاست نقل ہے، حروف سبعہ پر مشتمل نہیں ہے۔ امام سیوطیؒ لکھتے ہیں:—

"فقہا، قراء اور متکلمین کی کئی ایک جماعتوں کی رائے میں عثمانؓ کے نقل کروائے ہوئے مصاحف حروف سبعہ پر مشتمل نہیں ہیں"[4]

سات قرائتیں مصاحفِ عثمانی کی اشاعت سے پہلے قرآن کے سیکھنے سکھانے کا مدار زبانی قرأت پر تھا۔ حضرت عثمان نے قرآن کی متعدد نقلیں ممالک اسلامیہ میں پھیلا دیں تو لوگ کتابی قرأت کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ قدیم عربی رسم الخط میں اعراب، علامات اور نقطوں کا دستور نہ تھا، زبر، زیر، پیش، تشدید، مد اور مشابہ حروف کی قرأت میں تردد ہونے لگا۔ مثلاً رَبُّ الْمَشْرِقِ بغیر اعراب کے لکھا جائے تو حرفِ با کے اعراب کے متعلق یہ تردد ہو سکتا ہے کہ ضمہ کے ساتھ پڑھا جائے یا کسرہ کے ساتھ۔ اسی طرح یَطْهُرْنَ میں ط اور ہ کو تشدید کے ساتھ پڑھیں یا بغیر تشدید کے، لَمَسْتُمْ میں لام کو الف کے ساتھ پڑھا جائے یا بغیر الف کے، اگر یَعْلَمُوْنَ اور نَغْفِرْ لَكُمْ پر نقطے نہ ہوں تو یَعْلَمُوْنَ میں ت اور ی اور نَغْفِرْ لَكُمْ میں ی اور ن کا اشتباہ ہو سکتا ہے۔ صحابہؓ اور تابعینؒ میں جو قراء کے لقب سے مشہور تھے وہ اس تردد اور اشتباہ کو دور کر دیا کرتے تھے۔ صحابہؓ میں حسب ذیل سات مشہور قاری تھے:—

حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابیؓ بن کعب، حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت عبداللہؓ بن مسعود، حضرت ابو الدرداءؓ، حضرت ابو موسیٰؓ اشعری[5]

صحابہؓ اور تابعینؒ انہی سات قراء کی طرف رجوع کرکے اپنے شکوک دور کر لیا کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہؓ بن السائب نے حضرت ابیؓ سے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت ابیؓ اور حضرت زیدؓ بن ثابت سے قرأت سیکھی تھی[6]۔ حسب ذیل تابعین قراء کے لقب سے مشہور ہوئے:—

مدینہ میں۔ ابن المسیبؒ، عروہؒ، سالمؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ، سلیمان بن یسارؒ، عطا بن یسارؒ، معاذ بن الحارثؒ المعروف

---

[1] بخاری، باب جمع القرآن [2] بخاری، باب نزل القرآن بلسان قریش [3] بخاری، باب ایضاً [4] اتقان، نوع ۱۶ [5] اتقان، نوع ۲۰ بحوالہ ذہبی [6] اتقان نوع ۲۰۔

یہ معاذ القاری، عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج، ابن شہاب الزہری، مسلم بن جندب، زید بن اسلم۔

مکہ میں۔ عبید بن عمیر، عطا بن ابی رباح، طاؤس، مجاہد، عکرمہ، ابن ابی ملیکہ۔

کوفہ میں۔ علقمہ، الاسود، مسروق، عبیدہ، عمرو بن شرحبیل، حارث بن قیس، ربیع بن خثیم، عمرو بن میمون، ابوعبدالرحمن السلمی، زر بن حبیش، عبید بن نضیلہ، سعید بن جبیر، نخعی، شعبی۔

بصرہ میں۔ ابوعالیہ، ابو رجا، نصر بن عاصم، یحییٰ بن یعمر، حسن، ابن سیرین، قتادہ۔

شام میں۔ مغیرہ بن ابی شہاب المخزومی[۱]، خلیفہ بن سعد[۲]۔

اکثر لوگوں نے فقط قرأت ہی پر زور دیا اور اس پر اس قدر متوجہ ہو گئے کہ اپنے وقت کے امام اور مرجع خواص وعوام بن گئے، مشہور آئمہ حسب تفصیل ذیل ہیں

مدینہ میں۔ ابوجعفر یزید بن القعقاع، شیبہ بن نصاح، نافع بن نعیم۔

مکہ میں۔ عبداللہ بن کثیر، حمید بن قیس الاعرج، محمد بن ابی محیصن۔

کوفہ میں۔ یحییٰ بن وثاب، عاصم بن ابی النجود، سلیمان الاعمش، حمزہ، کسائی۔

بصرہ میں۔ عبداللہ بن ابی اسحق، عیسیٰ بن عمر، ابوعمرو بن العلاء، عاصم المجدری، یعقوب الحضرمی۔

شام میں۔ عبداللہ بن عامر، عطیہ بن قیس الکلابی، عبداللہ بن المہاجر، یحییٰ بن الحارث الذماری، شریح بن یزید الحضرمی[۳]۔

مذکورہ بالا ائمہ میں سے حسب ذیل سات امام تمام دنیا میں مشہور ہو گئے:۔

نافع بن ابی نعیم اصفہانی۔ انھوں نے ستر تابعی قاریوں سے قرأت سیکھی تھی جن میں ابوجعفر خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ اصل وطن اصفہان تھا، مدینہ میں مقیم ہو گئے تھے، ۱۶۹ھ ہجری میں انتقال ہوا۔

عبداللہ بن کثیر مکی۔ انھوں نے عبداللہ بن السائب صحابی سے اس کی تعلیم حاصل کی تھی، ۴۸ھ ہجری میں پیدا ہوئے، عرصے تک عراق میں رہے پھر مکہ میں قیام رہا اور وہیں ۱۲۰ھ ہجری میں وفات پائی۔

ابوعمرو بن العلاء گازرونی۔ یہ تابعین کے شاگرد تھے، بصرہ میں رہتے تھے، ۱۵۵ھ ہجری میں کوفہ میں وفات پائی۔

عبداللہ بن عامر الدمشقی۔ یہ حضرت ابوالدرداء صحابی اور حضرت عثمان کے اصحاب کے شاگرد تھے، رسول اللہ صلعم کی وفات سے دو سال قبل پیدا ہوئے، ۱۱۸ھ ہجری میں انتقال کیا۔

عاصم بن ابی النجود کوفی۔ یہ تابعین کے شاگرد تھے، ۱۲۷ھ ہجری میں انتقال ہوا۔

---

[۱] یہ حضرت عثمان کے شاگرد تھے۔ [۲] یہ حضرت ابوالدرداء کے شاگرد تھے دیکھو اتقان، نوع ۲۰۔ [۳] اتقان نوع ۲۰۔

حمزہ بن حبیب الزیاتؒ کوفی۔ انھوں نے عاصمؒ، اعمشؒ، سبیعیؒ، منصور بن المعتمرؒ وغیرہ سے قرأت سیکھی تھی ۱۵۸ھ ہجری میں
بمقام حلوان وفات پائی۔

ابوالحسن علی الکسائیؒ۔ یہ حمزہؒ اور ابوبکر بن عیاشؒ کے شاگرد تھے، مامون الرشید کے استاد تھے ۱۸۰ھ ہجری میں انتقال
کیا۔[۱]

ت ایمہ سے ایک گروہِ کثیر فیض یاب ہوا اور تمام دنیا میں پھیل گیا۔ ہر امام کے شاگردوں نے اپنے امام کے طریقۂ تعلیم کو رواج
رفتہ مذکورہ سات اماموں کے سات طریقے سات قرأتوں کے نام سے مشہور ہو گئے۔ ان سات اماموں کے سات طریقوں
ے ہر ایک طریقہ کے دو دو راوی زیادہ مشہور ہوئے اور باقی معمولی حالت میں رہے۔ نافع کے شاگردوں میں قالونؒ اور ورشؒ
افعؒ سے روایت کرتے ہیں، زیادہ نامور ہوئے۔ ابن کثیرؒ کے طریقہ میں قنبل اور البزی ممتاز ہیں، یہ اصحاب ابن کثیرؒ سے روایت
ب۔ ابوعمرو کے طریقے میں الدوریؒ اور السوسیؒ بواسطہ یزیدؒ زیادہ مشہور ہوئے۔ ابن عامرؒ کے طریقہ میں ہشامؒ اور ابن ذکوانؒ
اق ہوئے۔ یہ اصحاب ابن عامر سے روایت کرتے ہیں۔ عاصمؒ کے خاص شاگردوں میں ابوبکر بن عیاشؒ اور حفصؒ[۲] کی روایتیں
ہیں۔ حمزہؒ کے طریقۂ روایت میں خلفؒ اور خلادؒ مقبول ہوئے۔ یہ سلیمؒ کے واسطے سے روایت کرتے ہیں۔ کسائی کے شاگردان
دوریؒ اور ابوالحارثؒ ممتاز ہیں۔[۳]

ایک عرصے تک قرأت کے مذکورہ طریقوں کی تعلیم کا مدار فقط سماعت پر تھا۔ لیکن جب اختلافات اور جھگڑے رونما ہوئے
ماء نے قرأت کے تمام طریقوں کو جمع کر دیا، روایات کی اسناد کی تفصیل کر دی، اور صحیح، مشہور، شاذ قرأتوں کے اصول قرار دا
ئے۔ اس فن میں سب سے پہلے ابوعبید قاسم بن سلامؒ صاحب تصنیف ہوئے۔ ان کے بعد احمد بن جبیرؒ کوفی پھر قالونؒ
رو اسمٰعیل بن اسحٰق مالکیؒ، پھر ابوجعفر بن جریر طبریؒ، پھر ابوبکر محمد بن احمد بن عمرو اجونیؒ، پھر ابوبکر مجاہد نے کتابیں لکھیں۔ حافظ
ابوعبداللہ الذہبیؒ اور حافظ القراء ابوالخیر بن الجزریؒ نے قراء کے طبقات لکھے۔[۴]

مذکورہ قراء کی روایاتِ قرأت میں جو کچھ اختلاف ہے وہ کچھ تو لب و لہجہ کا اختلاف ہے اور کچھ صرف و نحو
یہ ظاہر ہے کہ لب و لہجہ اور صرف و نحو کے اختلاف کو حروف کا اختلاف نہیں کہا جا سکتا۔ امام سیوطیؒ لکھتے ہیں:-

"عوام میں بکثرت لوگوں نے اس روایت سے کہ "قرآن سات حرف پر نازل ہوا ہے" سات قرأتیں مراد لی ہیں حالانکہ
یہ بہت بڑا ... کم فہمی کا خیال ہے۔"[۵]

...کا قول ہے:-

"اکثر لوگوں کو یہ وہم ہو گیا ہے کہ اس وقت جو سات قرأتیں پائی جاتی ہیں حدیث میں سات حروف سے وہی کو مراد

نوع ۲۰ و سراج القاری صفحہ ۹۔ [۲] یہ وہی حفصؒ ہیں جن کی قرأت ہندوستان میں زیادہ مروج ہے۔ [۳] اتقان نوع ۲۰۔ [۴] اتقان
[۵] اتقان نوع ۱۶۔

لیا گیا ہے مگر یہ بات اجماعِ اہلِ علم کے بالکل خلاف ہے، اس قسم کا وہم کرنے والے جاہل لوگ ہیں۔"[1]

ابن جبیر مکی لکھتے ہیں :-

"اتفاق سے قرأتوں کی یہ تعداد اس تعداد سے مطابق ہوگئی جو حدیث میں حروف قرآن کی بابت بیان ہوئی ہے اس سے ان لوگوں کو جو مسئلہ کی اصلیت سے بے خبر تھے، یہ شبہ پیدا ہوگیا کہ سات حروف سے یہی سات قرأتیں مراد ہیں۔"[2]

رسم الخط

فنِ کتابت کی ایجاد "قرآن و دیگر کتب الہامی" کے مضمون[3] میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیم سے بیس بچیس صدی قبل مصر میں خطِ تمثال اور پانچ صدی قبل بابل میں خطِ میخی اور جنوبی عرب میں خطِ حمیری مستعمل تھا۔ یہ بھی وہیں گذر چکا ہے کہ حضرت ہودؑ کے سکھائے ہوئے عقیدے حمیری خط میں پتھر کی تختیوں پر کندہ کئے گئے تھے اور صحفِ ابراہیم کی نسبت یہ قیاس کیا گیا تھا کہ وہ بھی پتھر یا مٹی کی پختہ تختیوں پر منقوش ہونگے۔

مصر میں خطِ تمثال کے علاوہ ایک اور خط بھی مروج تھا جس کو پجاریوں نے خاص اپنے لئے ایجاد کر لیا تھا۔ اس کو ہیرانگ یعنے پوجاریوں کا خط کہتے ہیں جو تصاویر یا نشانات کے بجائے حروف پر مشتمل تھا۔ پرسے نامی ایک فرنچ کو مصر کے ایک پرانے شہر تھیبس میں ایک پاپیرس (نئے کا کاغذ) ملا ہے جس پر کچھ عبارت ہیرانگ حروف میں لکھی ہوئی ہے۔ ملحقہ صفحہ پر اس کا چربہ اور اس چربے کی پہلی سطر خطِ تمثال میں درج کی جاتی ہے تاکہ دونوں رسم الخط کا فرق معلوم ہو جائے۔ کہا جاتا ہے کہ مذکورہ پاپیرس حضرت ابراہیم سے پانچ سو برس پہلے کا ہے۔ عربی خط کی طرح ہیرانگ خط بھی دائیں طرف سے بائیں طرف لکھا جاتا ہے۔

سواحل بحرِ ابیض و بحرِ متوسط پر فینیقی یا فینیشی نامی ایک قوم آباد تھی۔ یہ لوگ عرب تھے جو بحرین سے منتقل ہو کر شام اور کنعان کے بحری مقامات پر آباد ہو گئے تھے۔ ان کا دار الحکومت تائر تھا۔ جس طرح یمن اور حضرموت کے عربوں نے اپنے تجارتی بیڑے بحرِ افریقہ اور بحرِ ہند میں پھیلا رکھے تھے اسی طرح فینیقیوں نے بحرِ متوسط کے سواحل کو اپنا تجارتی گذرگاہ بنا کر ایشیا سے یوروپ تک اپنی تجارت کا جال بچھا دیا تھا۔ انھوں نے اپنے لئے ایک خط ایجاد کیا تھا جس کا ماخذ مصر کے ہیرانگ حروف تھے۔

بارھویں صدی ابراہیمی میں یونانیوں نے فینیقیوں سے فنِ کتابت سیکھا۔ ابتدا میں یونانی خط بھی دائیں طرف سے لکھا جاتا تھا۔

ہیرانگ حروف کی تعداد پچیس تھی، فینیقی حروف بائیس تھے اور یونانی حروف ستائیس تھے۔

---

[1] اتقان، نوع ۲۰۔ [2] اتقان، نوع ۲۸۔ [3] دیکھو صفحہ ۲۰۔

تیرھویں صدی ابراہیمی میں رومیوں نے یونانی حروف میں کسی قدر ردّ و بدل کرکے لاطینی حروف بنا لئے۔

قیاس کیا جاتا ہے کہ ابتدا میں یہود کی مقدس کتابیں فینقی حروف میں لکھی گئی تھیں۔ لیکن اب تک کوئی مقدس تحریر
ن حروف میں دستیاب نہیں ہوئی ہے۔ یروشلم کے قریب ایک تالاب ہے جس کا نام سیلوم ہے۔ اس میں ایک نہر کے ذریعہ پانی
تا تھا جو پہاڑ میں بطور سرنگ کے کاٹی گئی تھی۔ اس مقام پر فینقی حروف کا ایک کتبہ ملا ہے جس میں ان مشکلات کا ذکر ہے جو نہر کاٹنے
ں پیش آئی تھیں۔ خیال ہے کہ یہ کتبہ چودھویں صدی ابراہیمی کا ہے۔

موآب میں جو بحر مردہ کے مغرب میں واقع ہے ایک سنگی لوح برآمد ہوئی ہے اس پر موآب کے بادشاہ میش کی طرف
سے ایک کتبہ کندہ ہے جس کے حروف فینقی ہیں۔ میش کا عہدِ سلطنت تیرھویں صدی ابراہیمی ہے۔ اس کتبے میں اس لڑائی
کا بیان ہے جو اس بادشاہ نے اسرائیلیوں سے کئی برس تک لڑی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ موجودہ عبرانی کی بنیاد بابل میں رکھی گئی تھی۔ جہاں چودھویں صدی ابراہیمی میں بخت نصر نے یہود قوم کو
جلاوطن کر دیا تھا۔ اس وقت بابل میں خطِ میخی کے علاوہ خطِ آرامک بھی مروج تھا۔ آرامک زبان سریانی کی شاخ تھی۔ یہ بھی کہا جاتا
ہے کہ عبرانی رسم الخط کے موجد حضرت عزیرؑ تھے۔ اس کے بعد اصلاح شدہ عبرانی حروف میں مقدس کتابیں لکھی جانے لگیں۔ سریانی
حروف میں لکھے ہوئے توراۃ کے جو نسخے ہم تک پہنچے ہیں وہ پانچویں صدی عیسوی کے ہیں، مگر عبرانی نسخوں میں کوئی نسخہ نویں
صدی عیسوی سے قبل کا نہیں ہے۔ ملحقہ صفحے پر مذکورہ کتبوں کے چربے درج کر دئے گئے ہیں جن سے میخی، تمثالی، ہیرانک، فینقی،
سریانی، عبرانی، قدیم رسم الخط کا نمونہ معلوم ہو جائیگا۔

خطِ حمیری جنوبی عرب کے عربوں نے حضرت مسیحؑ سے صدیوں پہلے حمیری خط ایجاد کیا تھا جو ترقی کرتے کرتے عرب کے
شمالی اور مغربی حصوں میں بھی پھیل گیا تھا۔ شمالی اور مغربی عرب میں جو حمیری کتبے ملے ہیں وہ حضرت مسیحؑ سے تین چار سو
برس پیشتر کے ہیں۔ اس کے بعد عرب کے شمالی اور مغربی ممالک پر بنا یوط جو حضرت اسمٰعیلؑ کے بیٹے نابط کی اولاد تھے،
قابض ہو گئے۔ بنطیوں کا دورِ حکومت سنہ ۲۰۰ قبل مسیح سے سنہ ۱۰۶ عیسوی تک ہے۔ انھوں نے ایک نیا خط ایجاد کیا
تھا جو خطِ بنطی کے نام مشہور ہوا۔ یہی خط ترقی کرکے عربی خط بن گیا۔ تبوک، مدین، اور العلا میں بنطی خط کے کئی کتبے دریافت
ہوئے ہیں۔

عربی خط عربی خط کا سب سے پرانا کتبہ جو دستیاب ہوا ہے وہ عراق کے ایک قدیم شہر حیرہ کے بادشاہ امرأ القیس کی قبر پر نصب
تھا۔ اس بادشاہ کا عہدِ حکومت چوتھی صدی عیسوی کا آغاز خیال کیا جاتا ہے۔

حیرہ اس مقام کے قریب تھا جہاں سنہ ۱۷ ہجری میں کوفہ آباد ہوا۔ مکہ کے قریش نے حیرہ والوں سے عربی رسم الخط سیکھا
تھا۔ آنحضرت صلعم کی بعثت کے وقت قریش میں صرف سترہ[1] اشخاص لکھنا جانتے تھے جن میں شفاؓ بنت عدویہ کے علاوہ سب کے سب
مرد تھے۔ شفاؓ نے ام المومنین حفصہ بنت عمرؓ کو بھی لکھنا سکھایا تھا۔[2] مردوں میں حسبِ ذیل صحابہؓ کے نام مشہور ہیں :۔

[1] فتوح البلدان صفحہ ۴۷۷۔ [2] ابوداؤد کتاب الطب۔

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، طلحہؓ، ابوحذیفہؓ، ابوعبیدہ بن الجراحؓ، ابانؓ بن سعید بن العاصیؓ، ابوسفیانؓ۔

قریب قریب یہی حالت مدینہ کی بھی تھی۔ انصار نے یہودیوں سے عربی رسم الخط سیکھا تھا۔ اسلام کے آغاز میں حسب ذیل انصار لکھنا جانتے تھے :۔

حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت ابیؓ بن کعب، حضرت سعدؓ بن عبادہ، منذر بن عمرو، معن بن عدی، رافع بن مالک، اسد بن جعفر، سعد بن ربیع، اوس بن خولی، بشیر بن سعد۔ عبداللہ بن ابی[1]۔

اسلام کی سرپرستی میں عربی رسم الخط کو روز افزوں ترقی ہونے لگی۔ جنگ بدر میں جو کفار گرفتار ہو کر آئے تھے، ان میں جو نادار تھے اور لکھنا جانتے تھے ان کو حکم ہوا کہ دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں تو چھوڑ دیئے جائینگے[2]۔ کاتب وحی حضرت زیدؓ بن ثابت نے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا[3]۔ اس کے علاوہ رسول اللہ صلعم نے ان صحابہؓ کو بھی جو لکھنا جانتے تھے مسلمانوں کو لکھنا سکھانے کے لئے مقرر فرمایا تھا۔ اس طرح ایک قلیل عرصے میں لکھے پڑھے صحابہؓ کی ایک کثیر جماعت پیدا ہو گئی۔

سرور کائناتؐ کے زمانے کے عربی رسم الخط کے نمونے کے طور پر ملحقہ صفحہ پر اس نامۂ مبارک کا عکس دیا جاتا ہے۔ جو سرور کائناتؐ نے ۶ھ یا ۷ھ ہجری میں عزیز مصر (مقوقس) کے نام روانہ فرمایا تھا۔ یہ فرمانِ رسالت حاطبؓ بن ابی بلتعہ عمرو بن عمیر سلمہ لے کر گئے تھے۔ اس فرمان پر مُہرِ رسالت ثبت ہے۔

اعراب مذکورہ فرمانِ رسالت سے ظاہر ہے کہ اس وقت عربی رسم الخط میں نقطوں اور اعراب کا رواج نہیں تھا۔ اہلِ زبان بغیر دقت کے پڑھ لیا کرتے تھے۔ د، ذ۔ ر، ز کی تمیز کے لئے وہ نقطوں وغیرہ کے محتاج نہیں تھے۔ جب اسلام ترقی کرتے کرتے ممالکِ عجم میں پہنچ گیا اور عجمی لوگ بکثرت مسلمان ہو گئے تو ان کو قرآن کی قرأت میں دقت پیش آنے لگی اور وہ آیاتِ قرآنیہ کا غلط سلط تلفظ کرنے لگے جس سے آیات کے معنے کچھ کے کچھ ہو جاتے تھے۔ یہ دیکھ کر ابوالاسود الدولیؒ (وفات ۶۹ھ) نے پہلے پہل آیاتِ قرآنیہ پر اعراب لگائے[4]۔ ابوالاسود نے کاتب سے کہا کہ میں جس حرف کے ادا کرنے میں مونھ کھول دوں اس کے اوپر ایک نقطہ دینا، جس حرف کے بولنے میں آواز نیچی ہو اس کے نیچے نقطہ دینا اور جس حرف کے ادا کرنے میں مونھ گول ہو جائے اس کے آگے نقطہ دینا[5]۔

مذکورہ نقطے سو برس تک اعراب کا کام دیتے رہے۔ دوسری صدی ہجری میں مشہور نحوی خلیل بن احمدؒ (وفات ۱۷۰ھ) نے زبر، زیر، پیش کی موجودہ علامتیں ایجاد کیں[6] جس سے نقطوں کا رواج موقوف ہو گیا۔

خطِ کوفی سلاطینِ اسلام کے دربار میں محض قرآن کی کتابت کے لئے متعدد خوش نویس مقرر ہوتے تھے جو گراں قدر صلے کی امید میں ایک دوسرے پر خوش خطی میں سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ اس طرح عربی خط کی اصلاح ہوتی گئی۔ ولید بن عبدالملک کے کاتب سعد نے قرآن کو سونے سے لکھا تھا۔ بعد کے سلاطین نے بھی اسی طرح لکھوایا۔ دربار اموی کے مشہور کاتب قطبہ نے

---

[1] فتوح البلدان، صفحہ ۴۷۹۔ [2] مسند احمد بن حنبل، جلد ۱، صفحہ ۲۴۷۔ [3] طبقات ابن سعد، غزوۂ بدر۔ [4] اتقان، نوع ۷۶۔ [5] فہرست ابن ندیم، صفحہ ۴۰۔ [6] اتقان، نوع ۷۶

ایجاد کئے تھے۔ ہارون الرشید کے استاد علیؒ بن حمزہ کسائی (وفات ۱۸۲ھ) نے عربی خط کی نوک پلک درست کرکے اس میں ایک شان پیدا کر دی۔ یہی خط بعد میں کوفی خط کے نام سے مشہور ہوا۔

خطِ نسخ ابن مقلہ (وفات ۳۲۸ھ) نے خطِ کوفی سے خطِ نسخ ایجاد کیا۔ مشہور کاتب ابن البوابؒ (وفات ۴۲۳ھ) کی مساعی نے خطِ نسخ میں اور بھی چار چاند لگا دئے۔ آجکل قرآن جس خط میں لکھے جاتے ہیں وہ اسی ابن البوابؒ کا خطِ نسخ ہے۔

قرآن کی تقسیم و تفصیل

موجودہ توراۃ کو ابتدا ہی میں پانچ کتابوں یا جلدوں میں تقسیم کر دی گئی تھی مگر ہر جلد میں عبارت مسلسل لکھی ہوئی تھی۔ تیرھویں صدی عیسوی میں ایک عیسائی عالم نے توراۃ کی پانچوں کتابوں کو متعدد ابواب میں اس طرح تقسیم کر دیا جس طرح قرآن سورتوں اور رکوعوں پر منقسم ہے۔ مگر پھر بھی ہر باب کی عبارت بغیر کسی درمیانی تقسیم یا وقفے کی مسلسل تھی۔ پندرھویں صدی عیسوی میں ایک یہودی عالم نے قرآن کی آیات کی طرح توراۃ کے ہر باب کی عبارت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بنائے، ان پر نمبر دئے اور ان کا نام ورس (آیت) رکھا۔ توراۃ کی یہ تقسیم و تفصیل متعدد علماء کی کدوکاوش سے پندرھویں صدی عیسوی میں تکمیل کو پہنچی اور توراۃ کا پڑھنا آسان ہوا۔ اس سے آٹھ سو برس پہلے ایک نبی امیؐ نے قرآن کو سورتوں میں اور سورتوں کو آیتوں میں تقسیم کر دیا تھا، اوقاف کی بھی تعلیم دی تھی اور سورتوں کے نام بھی مقرر فرما دئے تھے۔

آیات آیت کے معنے "علامت" کے ہیں۔ قرآن کی عبارت کے ایک پورے ٹکڑے کو آیت کہتے ہیں۔ کسی عالم کا قول ہے کہ آیت قرآن کا وہ حصہ ہے جو اپنے ماقبل اور مابعد سے منقطع ہو[4]۔ آیات کا علم توقیفی یعنے روایتی علم ہے۔ علماء کی ایک جماعت کا بیان ہے:

"صحیح یہ ہے کہ آیات کے معلوم کرنے کا طریقہ صرف رسول اللہ صلعم کی توقیف ہے، جس طرح سورتوں کا علم توقیف سے حاصل ہوتا ہے[5]۔"

علامہ زمخشریؒ کا قول ہے:—

"آیات کا معلوم کرنا ایک توقیفی علم ہے جس میں قیاس کو کچھ دخل نہیں۔ اسی وجہ سے آلمّ کو جہاں کہیں بھی وہ آئے ایک آیت شمار کیا گیا ہے۔ آلمّص کو بھی مگر آلمرٰ اور آلرٰ کو آیت شمار نہیں کیا گیا ہے۔ حٰمٓ اپنی سورتوں میں آیت شمار کی گئی ہے اسی طرح طٰہٰ اور یٰسٓ بھی لیکن طٰسٓ کو آیت نہیں گنا گیا ہے[6]۔"

امام سیوطیؒ لکھتے ہیں:—

---

[4] اتقان نوع ۱۹۔ [5] اتقان نوع ۱۹۔ [6] اتقان نوع ۱۹۔

۱۔ قدیم مصری ہیراٹک خط۔ پرسے پاپیرس ۲۵۰۰ سنہ ق م

۲۔ خطِ تمثال میں مذکورہ پرسے پاپیرس کی پہلی سطر
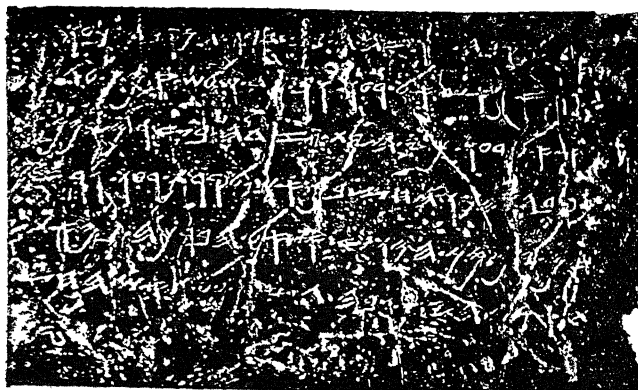
۴۔ فینقی خط۔ "سلوم کتبہ" ۷۰۰ سنہ ق م

וידבר אלהים
את כל
הדברים האלה
לאמר אנכי
יהוה אלהיך אשר
הוצאתיך מארץ

۳۔ عبرانی خط۔ توراۃ مطبوعہ نویں صدی عیسوی

ma - da - tu sha D.P.[1] Ya - u - a mar D.P.

Tribute of Jehu the son of

Khu - um - ri - l Kaspi D.A.[2]

Khumril Silver (I received).

۶۔ خطِ میخی "سیاہ منار" کا کتبہ ۸۵۰ سنہ ق م

۵۔ سریانی خط۔ توراۃ ۴۶۴ سنہ عیسوی

1 Determinative prefix. 2 Determinative affix.
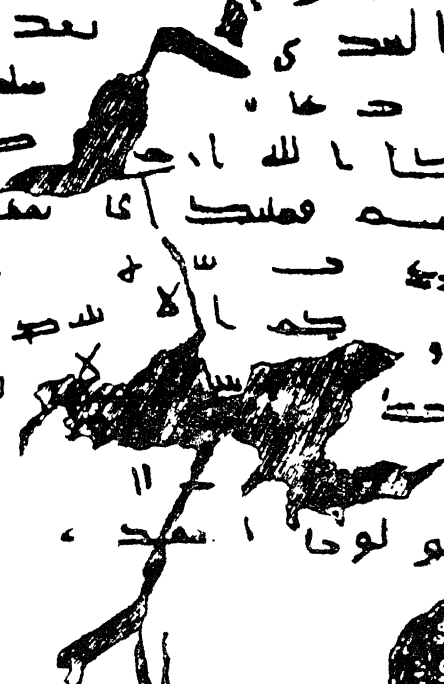
نامۂ مبارک رسولِ اکرم صلعم

بنام

عزیزِ مصر سلطانِ مقوقس

مروجہ عربی خط

میں نامہ مبارک کی عبارت بعینہ درج کی جاتی ہے۔ جو حروف مٹ گئے ہیں ان کو خطوط ہلالی میں لکھدیا گیا ہے۔

بسم الله الرحمن الرحیم من محمد عبد الله ور
سوله الی المقوقس عظیم القبط سلام علی
من اتبع الهدی (اما) بعد فانی
(ادعو)ك بدعایة (الاسلام) اسلم × تسلم
یوتك الله اجرك مرتین
فان تولیت فعلیك ما یفجع القبط
یا اهل الکتاب تعالو(ا) الی × کلمة
سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا الله
ولا نشر × ك (ب)ه شیئا و(لا) یتخذ بعضنا
بعضاً ار(بابا من) د(و)ن الله فان
تولوا فقولوا اشهدوا بانا
مسلمون

الله
رسول
محمد

ترجمہ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللهِ وَ
رَسُوْلِهٖ اِلَى الْمُقَوْقِسِ عَظِيْمِ الْقِبْطِ سَلَامٌ عَلٰى
مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّيْ
اَدْعُوْكَ بِدِعَايَةِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلَمْ
يُؤْتِكَ اللهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ
فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ مَا يُفْجِعُ الْقِبْطَ
يَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ
سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللهَ
وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا
بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللهِ فَاِنْ
تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا
مُسْلِمُوْنَ

الله
رسول
محمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم محمد اللہ کے بندے اور
اس کے رسول کی طرف سے مقوقس بادشاہ قبط کی جانب۔ سلام ہو اس
پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد میں تجکو
دعوت اسلام دیتا ہوں۔ اسلام لے آ۔ سلامت رہیگا
خدا تجھے دہرا اجر دے گا
اور اگر تو نے روگردانی کی تو تیرے اوپر تمام قبط کو در د پہنچانے والی مصیبت ہوگی
اے اہل کتاب آؤ تم اس بات کی طرف
جو ہم میں تم مشترک ہے۔ وہ یہ ہے کہ سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں
اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور آپس میں ایک دوسرے
کو رب نہ بنائیں سوائے خدا کے
پس اگر نہ مانیں تو کہدو کہ (اے اہل کتاب) گواہ رہو کہ ہم
مسلمان ہیں۔

میں کہتا ہوں آیات کا علم توقیفی ہونا اس حدیث سے بھی ثابت ہے جس کو احمدؒ نے مسند میں ××× ابن مسعودؓ سے
روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا مجھے رسول اللہ صلعم نے تیس آیات کی ایک سورت پڑھائی۔ ابن العربی نے کہا
رسول اللہ صلعم نے فرمایا سورۃ الفاتحہ کی سات آیتیں ہیں اور سورۃ الملک کی تیس آیتیں۔ اور صحیح قول سے
ثابت ہے کہ آپ نے سورۃ آل عمران کی آخری دس آیتیں پڑھیں۔[1]

آیات کے شمار میں اختلاف ہے اور اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم وقفے کے لئے آیتوں کے سرے پر ٹھیر جایا
کرتے تھے جب وقفے کا موقع کا معلوم کر لیا جاتا تو آپ اس کو تمام کرنے کے لئے اگلی آیت سے وصل بھی فرمایا کرتے تھے
جس سے سننے والے کو یہ گمان ہوتا تھا کہ وہ ٹھیراؤ کی جگہ فصل نہ تھا یعنے وہاں آیت ختم نہیں ہوئی تھی۔[2] ابن العربیؒ
کہتے ہیں:۔

"آیات کا شمار قرآن کی پیچیدہ اور مشکل باتوں میں سے ہے کیونکہ اس کی آیتوں میں بڑی، چھوٹی، منقطع
ہونے والی، آخر کلام پر ختم ہونے والی اور ایسی آیات بھی ہیں جو دوران کلام ہی میں ختم ہو جاتی ہیں۔"[3]

آیتوں کی تعداد میں اہل مکہ، اہل مدینہ، اہل شام، اہل بصرہ اور اہل کوفہ میں جو اختلاف ہے وہ بہت ہی کم اور معمولی اختلاف ہے۔
اختلاف کی وجہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ ہندوستان میں جو قرآن طبع ہوتے ہیں ان میں آیتوں کے نشان کوفی قرآن
کے مطابق ڈالے جاتے ہیں۔ اہل کوفہ کے پاس قرآن کی جملہ آیتیں چھے ہزار دو سو چھتیس ۶۲۳۶ ہیں۔ یہ تعداد بواسطہ عبدالرحمن
السلمی حضرت علیؓ سے مروی ہے۔[4]

قرآن کی چالیس سورتوں کی تعداد آیات میں سب کا اتفاق ہے۔ ان سورتوں کے نمبر موجودہ ترتیب میں حسب
ذیل ہیں:۔

۱۲، ۱۵، ۱۶، ۲۵، ۳۳، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۴، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۶، ۶۸، ۷۶، ۷۷،
۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۵، ۸۶، ۸۸، ۹۰، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۱۰۰، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰،
۱۱۱، ۱۱۳۔

حسب ذیل چار سورتوں کی تعداد آیات میں اختلاف نہیں ہے البتہ ان میں از روئے تفصیل اختلاف ہے:۔
۲۸، ۲۹، ۷۲، ۱۰۳۔

باقی ستر سورتوں کی آیتوں کی تعداد میں کسی قدر اختلاف ہے۔ سورۂ فاتحہ کی کسی نے سات آیتیں قرار دی ہیں اور کسی نے چھے ۶۔
بعض نے بسم اللہ کو بھی جزء سورۃ قرار دے کر اس کو بھی ایک آیت شمار کیا ہے۔ چھوٹی سورتوں میں کسی نے ایک آیت
کم اور کسی نے ایک آیت زیادہ شمار کی ہے۔ بڑی سورتوں میں جن میں پچاس ۵۰ سے دو سو پچاسی ۲۸۵ آیات ہیں، تین چار آیتوں کے

[1] اتقان، نوع ۱۹۔ [2] اتقان، نوع ۱۹۔ [3] اتقان، نوع ۱۹۔ [4] اتقان، نوع ۱۹۔

شمار میں اسی قسم کا فرق ہے۔

اوقاف | اوقاف کا علم بھی توقیفی یعنے روایتی ہے۔ صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ صلعم ہی سے اوقاف کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں :۔

"رسول اللہ صلعم پر کوئی سورۃ نازل ہوتی تو ہم سب آپ سے اس سورۃ کے حلال و حرام کی تعلیم حاصل کرتے اور ان مقامات کو معلوم کرتے جہاں قرأت میں ٹھیرنا سزاوار ہے[1]۔"

قرآن کا طرزِ کلام بات چیت کا سا ہے۔ اس لئے کہیں تھوڑا توقف کرنا پڑتا ہے اور کہیں زیادہ اور کہیں تو بالکل ٹھیرجانا پڑتا ہے۔ بعض جگہ بے موقع ٹھیر جانے سے آیت کا مطلب کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ اس لئے قرأت کی صحت اور آسانی کے لئے وقف کی علامتیں مقرر کردی گئی ہیں جو حسبِ ذیل ہیں :۔

○ یہ آیت کی علامت ہے۔ جب ایک بات پوری ہوجاتی اور جملہ ختم ہوجاتا ہے تو ایسا دائرہ بنا دیا جاتا ہے۔

لا اگر دائرے پر لفظ "لا" لکھا ہو تو سمجھنا چاہئے کہ بات پوری نہیں ہوی اس لئے وہاں نہ ٹھیرنا چاہئے۔

ط یہ وقف مطلق کی علامت ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہاں بات پوری ہوگئی۔ یہاں ٹھیرنا بہتر ہے۔

م یہ وقفِ لازم کا اشارہ ہے۔ یہاں ٹھیرنا ضرور ہے ورنہ معنے کچھ کے کچھ ہو جائینگے۔

ج اس سے وقف جائز مراد ہے۔ یہاں چاہے ٹھیرے چاہے نہ ٹھیرے دونوں برابر ہیں۔

قف امر ہے جس کے معنے ہیں "ٹھیر جاؤ" اگر نہ ٹھیرے تو کچھ قباحت نہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ اتنی دیر تو ٹھیرے جتنی دیر سانس لینے میں لگتی ہے۔

س سکتے کا اشارہ ہے کبھی بجائے س کے سکتہ بھی لکھ دیتے ہیں۔ اس سے مراد اتنا ٹھیرنا ہے کہ سانس نہ ٹوٹے۔

ص یہ رخصت کی علامت ہے یعنے اس بات کی رخصت (اجازت) ہے کہ چاہے تو ملا کر پڑھے یا اگر تھک جائے تو ٹھیر جائے۔

ز سے مراد تجاوز ہے یعنے یہاں سے تجاوز کرنا چاہئے اگر ٹھیر جائے تو بھی جائز ہے۔

صلے اشارہ ہے "الوصل اولیٰ" کی طرف یعنے اس مقام پر ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔

صل سے مراد ہے کہ نہ ملا کر پڑھنا بہتر ہے اگر ملا کر پڑھے تو قباحت نہیں۔

ق قیل کی علامت ہے یعنے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہاں وقف ہے لیکن اکثر علماء یہاں نہ ٹھیرنا بہتر کہتے ہیں۔

ک کذالک کا مخفف ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ یہاں بھی وہی وقف ہے جو اوپر گذرا۔

---

[1] اتقان نوع ۲۸ بحوالہ نحاس۔

جہاں دو علامتیں ہوں وہاں اوپر کی علامت کو نیچے کی علامت پر ترجیح ہے۔

مذکورہ علامات علماء نے وقتاً فوقتاً ایجاد کی ہیں ورنہ بقول ابن کثیرؒ کہ صحابہؓ ان چیزوں میں سے جو مصاحف میں احداث کی گئیں بجز تین نقطوں کے (دیکھئے علامتِ آیت) جو آیتوں کے سرے پر دئے جاتے تھے اور کسی چیز کو جانتے نہ تھے[1]۔ امام سیوطیؒ نے ایک عالم کا قول نقل کیا ہے کہ

"مصحف میں سب سے پہلے جو نئی بات کی گئی وہ یہ تھی کہ آیتوں کے آخر میں نقطے دئے گئے، اس کے بعد ابتدا و انتہا کی علامت کے نقطے لگائے گئے[2]۔"

رفتہ رفتہ آیتوں کی علامت کے نقطے دائرے بن گئے اور ابتدا اور انتہا کی علامت کے نقطوں نے اوقاف کی مختلف شکلیں اختیار کرلیں۔

رکوع | علامہ زمخشریؒ لکھتے ہیں :-

"قرآن کو فصل فصل کرنے اور اس کو بہت سی سورتوں میں تقسیم کر دینے کے بے حد فائدے ہیں × × × ایک فائدہ یہ ہے کہ جب جنس کے تحت انواع اور اصناف پائی جائینگی تو وہ اس وقت ایک ہی باب میں ہونے کی بہ نسبت زیادہ بہتر اور شاندار ہوجائیگی۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ پڑھنے والا کتاب کے ایک باب یا سورۃ کو ختم کرنے کے بعد دوسرا باب شروع کرنے کے لئے اپنی طبیعت میں تازہ جوش محسوس کرتا ہے اور زیادہ مستعدی کے ساتھ تحصیل علم میں مصروف ہوتا ہے ورنہ اگر ساری کتاب ایکساں ہو تو اس کی طبیعت منتشر ہوجائیگی اور طوالت اس کو ایک بوجھ معلوم دیگی۔ اسی طرح مسافر کو راستے میں میلوں اور فرسخوں کے نشان ملنے سے ایک طرح کی تسکین ہوتی ہے کہ اتنا سفر تو ختم ہوچکا اور آگے چلنے کی ہمت پیدا ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے قرآن کے بھی متعدد اجزا کردئے گئے[3]۔"

قتادہؒ کا بیان ہے :-

"ابتدا میں مصحف میں صرف نقطے دئے گئے۔ پھر اس کے خمس (یعنے پانچ پانچ آیتوں کے حصے) مقرر ہوئے۔ اس کے بعد عشر (دس دس آیتوں کے حصے) مقرر ہوئے[4]۔"

علماء نے سہولت اور آسانی کے لئے قرآن کو تیس پاروں پر تقسیم کرکے ہر پارے کو ربع، نصف، ثلث، پرا اور ربع، نصف، ثلث کو رکوعوں پر اور رکوع کو خمس اور عشر پر تقسیم کیا تھا۔ رکوع، خمس اور عشر کی حسب ذیل علامتیں ہیں :-

ع رکوع کی علامت ہے۔

ھ یہ خمسہ کی ہ ہے اس سے مراد پانچ آیتیں ہیں۔

---

[1] اتقان، نوع ۷۶۔ [2] اتقان، نوع ۷۶۔ [3] اتقان، نوع ۱۹ بحوالہ کشاف۔ [4] اتقان، نوع ۷۶۔

ع سے مراد عشرہ یعنے دس آیتیں ہیں۔
عب ع سے عشرہ اور ب سے بصریین مراد ہیں یعنے بصریوں کے نزدیک دس آیتیں ہوئیں۔
خب خ سے خمسہ اور ب سے بصریین کا اشارہ ہے کہ بصریوں کے نزدیک پانچ آیتیں ہوئیں۔

پارے اور منزلیں حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں:۔

"(مجھ سے) رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ قرآن ایک مہینے میں ختم کرو میں نے عرض کیا کہ مجھ میں (اس سے زیادہ) قوت ہے (آپ مدت گھٹاتے گئے تو عبداللہ بن عمرو یہی کہتے گئے کہ مجھ میں اس سے زیادہ قوت ہے) یہاں تک کہ آپ نے فرمایا اچھا ایک ہفتہ میں ختم کیا کرو اور اس پر زیادتی نہ کرنا"[1]

امام بخاریؒ کہتے ہیں:۔

"بعض نے تین رات اور پانچ رات میں قرآن ختم کرنا بیان کیا ہے، زیادہ اقوال سات رات میں ختم کرنے کے ہیں"[2]
قرآن کی تلاوت اس طرح ہونی چاہیئے کہ اس کے الفاظ صحت کے ساتھ ادا ہوں، سکون، وقف، اور وصل کا لحاظ رہے، آیات کے مطالب زیرِ نظر رہیں اور مضامینِ قرآن پر غور و فکر ہو یہ باتیں اسوقت حاصل ہو سکتی ہیں جب قرآن آہستہ آہستہ پڑھا جائے۔ اس لئے رسول اللہ صلعم نے قرآن کو ایک مہینے میں ختم کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور سات روز سے کم میں ختم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ انہی احکام کی بنا پر علماء نے قرآن کو تیس پاروں اور سات منزلوں میں تقسیم کیا ہے تاکہ تلاوت میں سہولت اور آسانی ہو۔

پاروں کی تقسیم محض مقدار کے لحاظ سے کی گئی ہے۔ اس تقسیم میں اس بات کی بالکل رعایت نہیں رکھی گئی ہے کہ جس آیت پر ایک پارہ ختم ہوتا ہے اس آیت کا مطلب پورا بھی ہوتا ہے یا نہیں۔ مثلاً پانچواں پارہ والمحصنٰت سورۂ نساء کے چوتھے رکوع کی دوسری آیت سے شروع ہوتا ہے۔ پہلی آیت کے دائرے پر "لا" کی علامت ہے جس سے مراد یہ ہے کہ یہاں کلام پورا نہیں ہوا اس لئے یہاں نہ ٹھیرنا چاہئے بلکہ دوسری آیت کے ساتھ وصل کرنا چاہئے تاکہ مطلب پورا ہو۔ "لا" کی علامت کے متعلق محدثین کا بڑا اختلاف ہے۔ بعض قرّاء اور محدثین کہتے ہیں کہ ٹھیرے اور اکثر کا قول ہے کہ نہ ٹھیرے اور یہی مشہور ہے۔ اسی طرح ساتواں پارہ واذا سمعوا سورۂ مائدہ کے گیارہویں رکوع کی چھٹی آیت سے شروع ہوتا ہے۔ پانچویں آیت میں یہ بیان ہوا ہے کہ مسلمان دشمنی کے اعتبار سے یہود کو بڑا سخت پائینگے اور دوستی کے اعتبار سے نصاریٰ مسلمانوں کے قریب تر ہیں۔ اس کی وجہ کچھ تو اسی آیت میں بیان ہوئی ہے اور کچھ بعد کی آیت میں اس لئے اگر پانچویں آیت سے پارہ شروع ہوتا تو بہتر تھا۔ ایک آیت کی کمی یا زیادتی سے پارے کے حجم میں کوئی قابلِ لحاظ فرق نہ آتا۔

تیرھویں پارے میں سورۂ یوسف کے ساتویں رکوع کی تیسری آیت سے حضرت یوسفؑ یا زلیخا کا ایک قول شروع

---

[1] بخاری: باب فی کم یقرأ القرآن [2] بخاری: باب فی کم یقرأ القرآن۔

ہو کر چوتھی آیت میں ختم ہوا ہے اس لئے اس جز کی ابتدا یا تو تیسری آیت سے ہوتی یا پانچویں سے۔

چودھواں پارہ سورۃ الحجر کی دوسری آیت سے شروع ہوتا ہے۔ پہلی آیت صرف اسی قدر ہے الۤرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ○ اگر پارے کی ابتدا سورۃ کی ابتدا کے ساتھ ہوتی تو مناسب ہوتا جیسا کہ اس کے بعد کا پارہ سُبْحٰنَ الَّذِیْ سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت سے شروع ہوا ہے اسی طرح چھبیسواں[۲۶]، اٹھائیسواں[۲۸]، انتیسواں[۲۹] اور تیسواں[۳۰] پارہ بھی سورۃ کی پہلی آیت سے شروع ہوا ہے۔

تئیسواں پارہ سورۃ یٰسٓ کے دوسرے رکوع کی آٹھویں آیت سے شروع ہونا چاہئے تھا کیونکہ اسی آیت سے اس شخص کا قصہ شروع ہوتا ہے جو شہر کے پرلے سرے سے دوڑتا آیا تھا۔ اس کا قول اسی آیت سے شروع ہو کر پندرھویں[۱۵] آیت میں ختم ہوتا ہے۔ اس لئے اس پارے کو دسویں آیت سے شروع کرنا کسی قدر بے جوڑ معلوم ہوتا ہے۔

ستائیسویں پارے کی ابتدا ذاریات کے دوسرے رکوع کی پہلی آیت سے ہوتی تو مناسب ہوتا کیونکہ اس آیت سے حضرت ابراہیمؑ کے مہمانوں کا قصہ شروع ہوتا ہے۔ درمیانی چھوٹی چھوٹی سات آیتوں کو چھوڑ کر دوسرے قصے سے پارے کا آغاز پڑھنے والے کو بے جوڑ معلوم ہوتا ہے۔

مذکورہ چھے مقامات کے سوا باقی تمام پاروں کی تقسیم مناسب طور پر ہوئی ہے۔ ان میں آٹھ پارے تو سورتوں کی پہلی آیت سے شروع ہوتے ہیں اور رچھے پاروں کا آغاز رکوع کی پہلی آیت سے ہوتا ہے۔

جس طرح ایک مہینے میں قرآن ختم کرنے کے لئے اس کو تیس پاروں میں تقسیم کیا گیا ہے اسی طرح ایک ہفتہ میں ختم کرنے کے لئے قرآن کی سات منزلیں مقرر کی گئی ہیں۔ سہولت کے لئے ہر منزل کی پہلی سورۃ کا ایک ایک حرف لے کر اس کا مجموعہ فمی بشوق بنایا گیا ہے یعنے سات منزلیں سات دن میں اس طرح پڑھے کہ ان کی ابتدا حروف فمی بشوق سے ہو۔ ف سے مراد سورہ فاتحہ م سے مائدہ ی سے یونس ب سے بنی اسرائیل ش سے شعرا و سے والصّافات اور ق سے سورۃ قٓ ہے۔ پہلی منزل فاتحہ سے، دوسری مائدہ سے، تیسری یونس سے، چوتھی بنی اسرائیل سے، پانچویں شعرا سے، چھٹی والصافات سے اور ساتویں سورۃ قٓ سے شروع ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ترتیب حضرت علیؓ سے منقول ہے[۱]۔

میری تالیف

یہاں تک قرآن کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے نزول وحی کی کیفیت، قرآن کی نوعیت اور اس کا دوسری الہامی کتابوں کے ساتھ مقابلہ، فضائل قرآن، علوم قرآن، محکم متشابہ، نص، ظاہر، مجمل، مؤول، نسخ، انشا، جمع قرآن، آیات اور سورتوں کی ترتیب، قرآن کی تقسیم و تفصیل وغیرہ کے حالات کسی قدر وضاحت کے ساتھ معلوم ہو چکے ہونگے جس سے ناظرین اس کا اچھی طرح اندازہ کر سکتے ہیں کہ میں نے قرآن کو کس غور و فکر کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کے متعلق کس قدر وسیع تحقیقات کی ہیں۔ اس سے

[۱] مظاہر حق: جلد ۲ صفحہ ۲۳۵۔

اس بات کا اندازہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں نے اپنے معلومات اور خیالات کو کتابی صورت میں کس طریقے سے پیش کیا ہے۔ اب میں اپنی اصل تالیف کا جس کا یہ رسالہ مقدمہ ہے، کچھ حال بیان کرنا چاہتا ہوں۔

موضوع "سببِ تالیف" میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ میں نے قرآن کی آیات کو مطالب اور مضامین کے لحاظ سے مختلف ابواب میں جمع کر دیا ہے اور ہر باب کے خاتمے پر اس باب کی آیات کی تفسیر بطور فوائد کے لکھ دی ہے۔ اس طرح قرآن کی تمام آیتیں نزولی ترتیب میں مضمون وار مکی اور مدنی کتابوں میں مرتب ہو گئی ہیں اور تمام قرآن ان دو کتابوں میں ترجمے اور تفسیر کے ساتھ موجود ہے۔ اس لحاظ سے میری تالیف کا موضوع قرآن کی تفسیر ہی ہے۔

امام جلال الدین سیوطیؒ نے علوم قرآن پر ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام "اتقان فی علوم القرآن" ہے۔ اس کتاب میں امام موصوف نے بڑی محنت اور جانفشانی سے قرآن کے تقریباً تمام علوم جمع کر دئیے ہیں اور ہر علم کے انواع واقسام مثلاً عام وخاص، مجمل ومبین، محکم ومتشابہ، ظاہر ونص، کیفیتِ نزول، اسبابِ نزول، وقتِ نزول، جائے نزول، اعجاز، طریقہ استنباطِ مسائل وغیرہ کو تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ تمام انواع علحدہ علحدہ ابواب میں بیان ہوئے ہیں۔ اس کتاب کو بھی قرآن کی تفسیر کہا جاتا ہے اگرچہ اس میں مسلسل قرآن نقل نہیں ہوا ہے اور نہ رواجِ عام کے مطابق تمام آیتوں کی تفسیر کی گئی ہے۔ امام موصوف نے یہ جدت کی ہے کہ ان تمام ضروری باتوں کے جو عموماً کتب تفاسیر میں ہر سورۃ اور ہر آیت کے متعلق بیان ہوتی ہیں، جدا جدا عنوان قرار دے کر ہر عنوان میں وہ سورتیں اور آیتیں بیان کر دی ہیں جو اس عنوان سے تعلق رکھتی ہیں۔

امام موصوف نے علوم قرآن کی ترتیب میں جو طریقہ اختیار کیا ہے وہی طریقہ میں نے قرآن کے مطالب اور مضامین کے مرتب کرنے میں اختیار کیا ہے۔ مطالب وعلوم قرآن کی ترتیب میں اتقان اور کتاب الہدیٰ کا یکساں ہونا ایک اتفاقی امر ہے کیونکہ جس وقت میں نے اپنی تالیف شروع کی تھی اس وقت اتقان کے نام سے بھی واقف نہ تھا۔

سُورتوں کی نزُولی ترتیب

اس وقت مصحف میں سورتوں کی جو ترتیب ہے اس کو تیرہ سو برس کے رواج نے اس قدر اہمیت دیدی ہے کہ اس میں کسی قسم کا ردوبدل کسی طرح بھی جائز نہیں ہو سکتا۔ قرآن کی ایک سو چودہ ۱۱۴ سورتیں جب کبھی ایک مصحف میں پیش کی جائیں تو اسی ترتیب میں پیش کی جائیں جس ترتیب میں وہ تیرہ سو برس سے موجود ہیں۔ دنیا نے آیتوں اور سورتوں کی اسی ترتیب کو قرآن قرار دیا ہے اور قرآن ہمیشہ اسی ترتیب میں رہیگا۔

میری تالیف کا مقصد موجودہ ترتیب میں قرآن کی تفسیر نہیں ہے بلکہ قرآن کے مطالب اور مضامین کو واقعات اور احکام کی تاریخانہ ترتیب میں پیش کرنا ہے۔ اسی مقصد کے حصول کے لئے میں نے آیتوں اور سورتوں کے نزول کی تاریخ بڑی جستجو و

تحقیق کے بعد مرتب کی ہے۔

آیات کی ترتیب رسول اللہ صلعم ہی کی مقرر فرمائی ہوی ہے یہ پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ ہر آیت کے نزول کے بعد آپ اس آیت کا مقامِ ترتیب معین فرما کر اس کو لکھوا دیا کرتے تھے۔ اس لئے آپ کی زندگی میں کسی ایک صحابیؓ نے بھی آیتوں کو ان کے نزول کے لحاظ سے مرتب کرنے کی جرأت نہیں کی۔ آپ کے بعد اگر کوئی ایسا کرنا چاہتا بھی تو اس کی کوشش ناتمام رہتی۔ کیونکہ جب خود آپ ہی نے اس کا التزام نہیں فرمایا تو صحابہؓ نے بھی اس طرف اپنی توجہ نہیں دی۔ جس کی وجہ سے کسی کو بھی قرآن کی تمام آیتوں کی صحیح صحیح نزولی ترتیب یاد نہیں رہی۔ محمد بن سیرینؒ کہتے ہیں :۔

"پھر میں نے عکرمہؓ سے کہا کہ کیا صحابہؓ نے قرآن کی ترتیب اس کے نزول کے لحاظ سے اس طرح کی ہے کہ جو پہلے نازل ہوا اسے پہلے اور جو اس کے بعد نازل ہوا اس کو اس کے بعد رکھا؟ تو عکرمہؓ نے جواب دیا کہ اگر تمام جن وانس فراہم ہو کر اسے اس طرح مرتب کرنا چاہیں تو بھی نہ کر سکینگے۔"[1]

سورتوں کی نزولی ترتیب کے مختلف اقسام قرار دیئے گئے ہیں۔ ابن النقیب لکھتے ہیں :۔

"قرآن منزل کی چار قسمیں ہیں۔ محض مکی، محض مدنی، وہ جس کا کچھ حصہ مکی ہے اور کچھ حصہ مدنی ہے، وہ جو نہ مکی ہے اور مدنی (یعنے اس کا نزول کسی اور جگہ ہوا)۔"[2]

قرآن کی اصل نزولی تقسیم جو بعض صحابہؓ مثلاً ابن عباسؓ، قتادہؓ وغیرہ سے ثابت ہے اور جس پر جمہور علماء کا اتفاق ہے وہ صرف مکی اور مدنی ہے۔

مکی اور مدنی سورتوں کا تعین رسول اللہ صلعم سے مروی نہیں ہے۔ قاضی ابو بکر لکھتے ہیں :۔

"مکی اور مدنی کی پہچان میں صرف صحابہؓ اور تابعینؒ کی یاد کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ خود رسول اللہ صلعم سے اس بارے میں کوئی قول وارد نہیں ہوا ہے۔"[3]

اسی لئے بعض بعض سورتوں کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ اسی طرح ان کے طریقۂ شناخت میں بھی اختلاف ہے۔ مستدرک کی ایک روایت میں علقمہؒ کہتے ہیں :۔

"قرآن کے جس حصہ میں یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے وہ مدینہ میں نازل ہوا اور جس حصے میں یَا اَیُّھَا النَّاسُ کے ساتھ خطاب ہے اس کا نزول مکہ میں ہوا تھا۔"[4]

میمونؒ بن مہران سے مروی ہے :۔

"قرآن میں جہاں جہاں یَا اَیُّھَا النَّاسُ یا یَا بَنِیْ اٰدَمَ آیا ہے وہ مکی ہے اور جہاں یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا آیا ہے وہ مدنی ہے۔"[5]

---

[1] اتقان، نوع ۱۔ [2] اتقان، نوع ۱ بحوالۂ تفسیر ابن النقیب۔ [3] اتقان، نوع ۱ بحوالۂ کتاب الانتصار۔ [4] اتقان، نوع ۱ بحوالۂ مستدرک۔ [5] اتقان، نوع ۱۔

مذکورہ روایات کے متعلق ابن الحصار کا بیان ہے :۔

"جن لوگوں نے نسخ کی بحث پر زیادہ توجہ کی ہے انھوں نے اس روایت کو باوجود اس کے ضعیف ہونے کے بھی قابلِ اعتماد تسلیم کیا ہے۔ حالانکہ اگر دیکھا جائے تو ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ سورۂ نساء بالاتفاق مدنی سورۃ ہے لیکن اس کا آغاز یٰاَیُّھَا النَّاسُ ہی سے ہوا ہے۔ اسی طرح سورۂ حج سب کے نزدیک مکی سورۃ ہے مگر اس میں یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا موجود ہے"[۱]

امام سیوطیؒ لکھتے ہیں :۔

"ایک اور عالم کا قول ہے اگر مذکورہ بالا روایت کو عام طور پر مطلقاً صحیح مانا جائے تو اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ سورۂ بقرہ جو مدنی سورۃ ہے اس میں یٰاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ اور یٰاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ موجود ہے۔ اسی طرح سورۂ نساء مدنی سورۃ ہے مگر اس کا آغاز یٰاَیُّھَا النَّاسُ سے ہوا ہے"[۲]

بعض یہ کہتے ہیں کہ مکی سورتیں وہ ہیں جو ہجرت سے پہلے یا ہجرت کے بعد مکہ میں نازل ہوئیں اور مدنی سورتیں وہ ہیں جن کا نزول مدینہ میں ہوا مگر اس پر یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ قرآن کا وہ حصہ جو حالتِ سفر میں نازل ہوا نہ تو مکی کہلایا جا سکتا ہے اور نہ مدنی۔ بعضوں کا یہ خیال ہے کہ جس حصے میں اہلِ مکہ سے خطاب کیا گیا ہے وہ مکی ہے اور جس حصہ میں اہلِ مدینہ سے مخاطبت ہے وہ مدنی ہے۔ مگر یہ قاعدہ بھی صحیح نہیں کیونکہ قرآن میں بعض مقام ایسے بھی ہیں جہاں نہ تو اہلِ مکہ مخاطب ہے اور نہ اہلِ مدینہ سے بلکہ ان سے عام مخاطبت ظاہر ہوتی ہے۔ اکثر علماء نے یحییٰ بن سلام کی روایت کی بناء پر یہ فیصلہ کیا ہے کہ قرآن کا جو حصہ ہجرت سے پہلے نازل ہوا وہ مکی ہے خواہ وہ کہیں نازل ہوا ہو۔ ہجرت کے بعد جس قدر قرآن اترا وہ سب کا سب مدنی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، قتادہؓ، عکرمہ، حسین بن ابی الحسنؒ اور جابر بن زیدؓ سے سورتوں کی جو نزولی ترتیب مروی ہے وہ بھی اسی قول کی مؤید ہے۔ اس لئے اصل نزولی تقسیم مکی اور مدنی ہی ہو سکتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سورتوں کی نزولی ترتیب کے متعلق فرماتے ہیں :۔

"حالت یہ تھی کہ جس وقت مکہ میں کسی سورۃ کے نزول کا آغاز ہوتا تو وہ مکہ ہی میں لکھ لی جاتی تھی اور پھر اللہ تعالیٰ کو اس سورۃ میں جس قدر بڑھانا منظور ہوتا اسے بڑھاتا جاتا۔ سب سے پہلے قرآن کا جو حصہ اترا وہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ تھا۔ (اس کے بعد آپ نے وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ تک کی تمام مکی سورتیں سلسلہ وار بیان فرمائی ہیں) پھر آپ نے فرمایا یہ وہ سورتیں ہیں جو مکہ میں نازل ہوئیں۔ اس کے بعد مدنی سورتوں کا نزول اس ترتیب سے شروع ہوا پہلے سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ پھر الْاَنْفَال[۳] (اس طرح تمام مدنی

---

[۱] اتقان، نوع ا۔ [۲] اتقان، نوع ا۔ [۳] اتقان، نوع ا بحوالہ فضائل القرآن لابن الفریسؒ۔

سورتیں ایک کے بعد ایک سورۂ براۃ تک بیان ہوئی ہیں)۔

عکرمہؓ اور حسین بن ابی الحسنؒ کہتے ہیں :۔

اللہ تعالےٰ نے مکہ میں جس قدر قرآن نازل فرمایا وہ یہ ہے۔ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ (اس کے بعد تمام مکی سورتیں سورۂ عنکبوت تک بیان ہوئی ہیں) اور مدینہ میں یہ سورتیں نازل ہوئیں وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ (اس کے بعد تمام مدنی سورتیں سورۂ براۃ تک بیان ہوئی ہیں)۔[1]

مشہور تابعی جابرؓ بن زیدؒ کا بیان ہے :۔

اللہ تعالےٰ نے مکہ میں جس قدر قرآن نازل فرمایا اس میں سب سے پہلے اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ کا نزول ہوا پھر نٓ وَالْقَلَمِ (اسی طرح وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ تک) اور جس قدر قرآن مدینہ میں نازل فرمایا وہ یہ ہے سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ (اسی طرح سورہ براۃ تک)۔[2]

مذکورہ روایات میں سورتوں کی جو تفصیل بیان ہوئی ہے وہ ایک دوسرے سے کسی قدر مختلف ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی تفصیل میں سورہ فاتحہ کا ذکر نہیں ہے۔ عکرمہؓ اور حسین بن ابی الحسنؒ کی تفصیل میں سورۂ فاتحہ، سورۂ اعراف اور سورۂ مریمؑ نہیں ہیں۔ بیہقی نے اس تفصیل کے خاتمے پر راوی کا یہ بیان نقل کیا ہے :۔

"اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مذکورہ روایت میں سورۂ فاتحہ، سورۂ اعراف اور سورہ مریمؑ یہ تینوں مکہ میں نازل ہونے والی سورتیں ساقط ہو گئی ہیں یعنے بیان نہیں ہوئیں"[3]

جابر بن زیدؒ کی تفصیل میں سورۂ فاتحہ تو موجود ہے مگر اس میں حسب ذیل سورتیں مذکور نہیں ہیں :۔

سبا، ابراہیم، النساء، اذا زلزلت، الحدید، القتال (محمد)، الرعد، الرحمٰن، الانسان (دہر)، الطلاق، لم یکن (بینۃ)، الحشر، المائدہ۔

حضرت ابن عباسؓ اور جابر بن زیدؒ کی تفصیل میں مدنی سورتیں سورۂ بقرہ سے شروع ہوئی ہیں مگر عکرمہؓ اور حسین بن ابی الحسنؒ کی تفصیل میں ویل للمطففین سے آغاز ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ تفصیلات کہیں کہیں ترتیب میں بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مزید وضاحت کے لئے ذیل میں ایک فہرست دی جاتی ہے جس میں مذکورہ چاروں تفاصیل اور میری ترتیب بھی درج ہے۔

مکی سورتیں۔

سورۃ کا نام	ابن عباسؓ	عکرمہؓ	حسین بن ابی الحسنؒ	جابرؓ	میری ترتیب	
اقرأ باسم ربك	۱	۱	۱	۱	۱	

[1] اتقان، نوع ۱ بحوالہ بیہقیؒ۔ [2] اتقان نوع ۷ بحوالہ ابن ابیضؒ۔ [3] اتقان نوع ۱ بحوالہ بیہقیؒ۔

سورۃ کا نام	ابن عباسؓ	عکرمہؓ	حسین بن ابی الحسنؓ	جابرؓ	میری ترتیب	
نٓ	۲	۲	۲	۲	۲	
یاایہا المزمل	۳	۳	۳	۳	۳	
یاایہا المدثر	۴	۴	۴	۴	۴	
فاتحۃ الکتاب	×	×	×	۵	۵	ابن عباسؓ، عکرمہؓ اور حسین بن ابی الحسنؓ کی تفصیل میں سورۂ فاتحہ
تبت یدا ابی لہب	۵	۵	۵	۶	۶	مذکور نہیں ہے۔ جابرؓ کی تفصیل میں سورۂ فاتحہ پانچویں نمبر پر ہے
اذا الشمس کورت	۶	۶	۶	۷	۷	میں نے بھی اس کو پانچویں نمبر پر رکھا ہے۔
سبح اسم ربک الاعلیٰ	۷	۷	۷	۸	۸	
واللیل اذا یغشیٰ	۸	۸	۸	۹	۹	
والفجر	۹	۹	۹	۱۰	۱۰	
والضحیٰ	۱۰	۱۰	۱۰	۱۱	۱۱	
الم نشرح	۱۱	۱۱	۱۱	۱۲	۱۲	
والعصر	۱۲	۱۲	۱۲	۱۳	۱۳	
والعادیات	۱۳	۱۳	۱۳	۱۴	×	میری ترتیب میں یہ سورۃ مدنی سورتوں میں ۹۶ نمبر پر ہے۔
انا اعطینٰک	۱۴	۱۴	۱۴	۱۵	×	〃 〃 〃 ۹۷ نمبر پر 〃
الہٰکم التکاثر	۱۵	۱۵	۱۵	۱۶	×	〃 〃 〃 ۹۸ نمبر پر 〃
ارایت الذی	۱۶	۱۶	۱۶	۱۷	۱۴	
قل یاایہا الکافرون	۱۷	۱۷	۱۷	۱۸	۱۵	
الم تر کیف فعل ربک بالفیل	۱۸	۱۸	۱۸	۱۹	۱۶	
قل اعوذ برب الفلق	۱۹	۱۹	۱۹	۲۰	۱۷	
قل اعوذ برب الناس	۲۰	۲۰	۲۰	۲۱	۱۸	
قل ھو اللہ احد	۲۱	۲۱	۲۱	۲۲	۱۹	
النجم	۲۲	۲۲	۲۲	۲۳	۲۰	
عبس	۲۳	۲۳	۲۳	۲۴	۲۱	
انا انزلناہ فی لیلۃ القدر	۲۴	۲۴	۲۴	۲۵	۲۲	

سورۃ کا نام	ابن عباس	عکرمہ	حسین بن ابی الحسن	جابر	مستشرقین نولدیکی	
والشمس وضحاها	۲۵	۲۵	۲۵	۲۶	۲۳	
والسماء ذات البروج	۲۶	۲۶	۲۶	۲۷	۲۴	
والتين والزيتون	۲۷	۲۷	۲۷	۲۸	۲۵	
لايلاف قريش	۲۸	۲۸	۲۸	۲۹	۲۶	
القارعة	۲۹	۲۹	۲۹	۳۰	۲۷	
لا اقسم بيوم القيامة	۳۰	۳۰	۳۰	۳۱	۲۸	
ويل لكل همزة	۳۱	۳۱	۳۱	۳۲	۲۹	
والمرسلات	۳۲	۳۲	۳۲	۳۳	۳۰	
قٓ	۳۳	۳۳	۳۳	۳۴	۳۳	
لا اقسم بهذا البلد	۳۴	۳۴	۳۴	۳۵	۳۱	
والسماء والطارق	۳۵	۳۵	۳۵	۳۶	۳۲	
اقتربت الساعة	۳۶	۳۶	۳۶	۳۷	۳۴	
صٓ	۳۷	۳۷	۳۷	۳۸	۳۵	
الاعراف	۳۸	×	×	۳۹	۳۶	عکرمہ اور حسین بن ابی الحسن کی تفصیل میں یہ سورۃ مذکور نہیں ہے
قل اوحی (جن)	۳۹	۳۸	۳۸	۴۰	۳۷	
یٰسٓ	۴۰	۳۹	۳۹	۴۱	۳۸	
الفرقان	۴۱	۴۰	۴۰	۴۲	۴۱	
الملائكة (فاطر)	۴۲	۴۱	۴۱	۴۳	۴۲	
كهيعص (مریم)	۴۳	×	×	۴۴	۴۳	عکرمہ اور حسین بن ابی الحسن کی تفصیل میں یہ سورۃ مذکور نہیں ہے۔
طٰهٰ	۴۴	۴۲	۴۲	۴۵	۴۴	
الواقعة	۴۵	۴۳	۴۳	۴۶	۴۵	
طسٓمٓ الشعراء	۴۶	۴۴	۴۴	۴۷	۴۶	
طسٓ (نمل)	۴۷	۴۵	۴۵	۴۸	۴۷	یہ سورۃ جابر کی تفصیل میں "سلیمان" کے نام سے ذکر کی گئی ہے
القصص	۴۸	۴۶	۴۶	۴۹	۴۸	

سورۃ کا نام	ترتیب ابن عباس	ترتیب عکرمہ	ترتیب حسن بن ابی الحسن	ترتیب جابر	[illegible]	
بنی اسرائیل	۴۹	۴۷	۴۷	۵۰	۷۴	
یونس	۵۰	۴۸	۴۸	۵۱	۴۹	یہ سورۃ جابر کی تفصیل میں "تاسعہ" کے نام سے بیان ہوئی ہے
هود	۵۱	۴۹	۴۹	۵۲	۵۰	
یوسف	۵۲	۵۰	۵۰	۵۳	۵۱	
الحجر	۵۳	۵۱	۵۱	۵۴	۵۲	
الانعام	۵۴	۵۲	۵۲	۵۵	۵۳	
الصافات	۵۵	۵۳	۵۳	۵۶	۵۴	
لقمان	۵۶	۵۴	۵۴	۵۷	۵۵	
سبا	۵۷	۵۵	۵۵	×	۵۶	جابر کی تفصیل میں یہ سورۃ مذکور نہیں ہے۔
الزمر	۵۸	۵۶	۵۶	۵۸	۵۷	
حٰمٓ المومن	۵۹	۵۷	۵۷	۵۹	۵۸	
حٰمٓ السجدہ (فصلت)	۶۰	۵۹	۵۹	۶۰	۵۹	
حٰمٓ عٓسٓقٓ (شوریٰ)	۶۱	۶۰	۶۰	۶۸	۶۰	
حٰمٓ الزخرف	۶۲	۶۱	۶۱	۶۱	۶۱	
الدخان	۶۳	۵۸	۵۸	۶۲	۶۲	
الجاثیۃ	۶۴	۶۲	۶۲	۶۳	۶۳	
الاحقاف	۶۵	۶۳	۶۳	۶۴	۶۴	
الذاریات	۶۶	۶۴	۶۴	۶۵	۶۵	
الغاشیۃ	۶۷	۶۵	۶۵	۶۶	۷۷	
الکہف	۶۸	۶۶	۶۶	۶۷	۶۶	
النحل	۶۹	۶۷	۶۷	۷۱	۶۷	
انا ارسلنا نوحا (نوح)	۷۰	۶۸	۶۸	۷۲	۶۸	
ابراهیم	۷۱	۶۹	۶۹	×	۶۹	جابر نے اس سورۃ کا ذکر نہیں کیا ہے۔
الانبیاء	۷۲	۷۰	۷۰	۷۰	۷۱	

سورۃ کا نام	ابن عباس	عکرمہ	حسین بن ابی الحسن	جابر بن زید	[illegible]	
المومنون	۷۳	۷۱	۷۱	۷۴	۷۲	
تنزیل السجدۃ	۷۴	۷۲	۷۲	۶۹	۷۳	
الطور	۷۵	۷۳	۷۳	۷۳	۷۵	
تبارک الملک	۷۶	۷۴	۷۴	۷۵	۷۶	
الحاقۃ	۷۷	۷۵	۷۵	۷۶	۷۸	
سأل (معارج)	۷۸	۷۶	۷۶	۷۷	۷۹	
عم یتساءلون (نبا)	۷۹	۷۷	۷۷	۷۸	۸۰	
النازعات	۸۰	۷۸	۷۸	۷۹	۸۱	
اذا السماء انفطرت	۸۱	۸۰	۸۰	۸۰	۸۲	
اذا السماء انشقت	۸۲	۷۹	۷۹	۸۱	۸۳	
الروم	۸۳	۸۱	۸۱	۸۲	۸۴	
العنکبوت	۸۴	۸۲	۸۲	۸۳	۸۵	
ویل للمطففین	۸۵	۸۳	۸۳	۸۴	۸۶	عکرمہ اور حسین بن ابی الحسن کی تفصیل میں یہ سورۃ مدنی سور کے شروع میں اسی نمبر پر مذکور ہے

مدنی سورتیں۔

سورۃ کا نام	ابن عباس	عکرمہ	حسین بن ابی الحسن	جابر بن زید	[illegible]	
البقرۃ	۸۶	۸۴	۸۴	۸۵	۸۷	
الانفال	۸۷	۸۶	۸۶	۸۷	۸۸	
آل عمران	۸۸	۸۵	۸۵	۸۶	۸۹	
الاحزاب	۸۹	۸۷	۸۷	۸۸	۹۲	
الممتحنہ	۹۰	۸۹	۸۹	۹۰	۹۳	
النساء	۹۱	۹۰	۹۰	×	۹۴	جابر نے اس سورۃ کا ذکر نہیں کیا ہے۔
اذا زلزلت	۹۲	۹۱	۹۱	×	۹۵	″ ″ ″
الحدید	۹۳	۹۲	۹۲	×	۹۹	″ ″ ″
القتال (محمد)	۹۴	۹۳	۹۳	×	۱۰۰	″ ″ ″

سورۃ کا نام	بروایت ابن عباس	بروایت عکرمہ	بروایت حسن بن ابی الحسن	بروایت خازن	بروایت جابر بن زید	
الرعد	۹۵	۹۴	۹۴	×	×	جابر نے اس سورۃ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ میرے پاس یہ سورۃ مکی ہے نمبر ۷
الرحمٰن	۹۶	۹۵	۹۵	×	۱۰۱	″ ″ ″
الانسان (دہر)	۹۷	۹۶	۹۶	×	×	″ ″ ″ میرے پاس یہ سورۃ مکی ہے نمبر ۳۹
الطلاق	۹۸	۹۷	۹۷	×	۱۰۲	″ ″ ″
لم یکن (بینہ)	۹۹	۹۸	۹۸	×	×	″ ″ ″ میرے پاس یہ سورۃ مکی ہے نمبر ۴۰
الحشر	۱۰۰	۹۹	۹۹	×	۹۱	″ ″ ″
اذا جاء نصر اللہ	۱۰۱	۱۰۰	۱۰۰	۹۱	۱۱۳	
النور	۱۰۲	۱۰۱	۱۰۱	۹۲	۱۰۳	
الحج	۱۰۳	۱۰۲	۱۰۲	۹۳	۹۰	
المنافقون	۱۰۴	۱۰۳	۱۰۳	۹۴	۱۰۴	
المجادلۃ	۱۰۵	۱۰۴	۱۰۴	۹۵	۱۰۵	
الحجرات	۱۰۶	۱۰۵	۱۰۵	۹۶	۱۰۶	
التحریم	۱۰۷	۱۰۶	۱۰۶	۹۷	۱۰۷	
الجمعۃ	۱۰۸	۱۰۸	۱۰۸	۹۸	۱۰۸	
التغابن	۱۰۹	۱۰۹	۱۰۹	۹۹	۱۰۹	
الصف	۱۱۰	۱۰۷	۱۰۷	۱۰۰	۱۱۰	جابر نے اس سورۃ کو "سبح الحواریین" کے نام سے بیان کیا ہے
الفتح	۱۱۱	۱۱۰	۱۱۰	۱۰۱	۱۱۱	
المائدہ	۱۱۲	۸۸	۸۸	×	۱۱۴	جابر نے اس سورۃ کا ذکر نہیں کیا ہے

مذکورہ ترتیب میں خفیف سی تبدیلی

رسول اللہ صلعم پر پہلی وحی میں سورۂ علق کی پہلی پانچ آیتیں نازل ہوئی تھیں اس لئے سورۂ علق کو پہلی سورۃ شمار کیا جاتا ہے۔ پہلی وحی کے کچھ عرصے کے بعد دوسری وحی نازل ہوئی جس میں سورۂ مدثر کی پہلی سات آیتیں اتریں۔ اس کے بعد کئی وحی پے در پے اتریں جن کو بعد میں سورتوں کی شکل میں ترتیب دے دیا گیا۔ پہلی چار سورتیں انہی ابتدائی وحی کا مجموعہ ہیں۔

سورۂ فاتحہ کے مکی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ سوائے ابو ہریرہؓ، مجاہدؒ، زہریؒ، عطاؒ، سوادہ بن زیادؒ اور عبداللہ بن عبید بن عمیرؒ کے تقریباً باقی تمام صحابہؓ اور تابعینؒ کی رائے میں یہ سورۃ مکی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس سورۃ کی تعریف سورۂ

حجر میں بیان ہوئی ہے۔ سورۂ حجر بالاتفاق مکی سورۃ ہے اور اس کا نزولی نمبر ۵۲ ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ مکہ
ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی تھی، اسی لئے حضرت جابر بن زیدؒ نے اس کو پانچویں نمبر پر رکھا ہے۔

سورۂ فلق، سورۂ ناس اور سورۂ اخلاص کی بنسبت اختلافِ رائے ہے۔ بعض مکی کہتے ہیں اور بعض مدنی
ابنِ عباسؓ، عکرمہؒ، حسین بن ابی الحسنؒ، اور جابرؒ نے ان سورتوں کو مکی سورتوں میں بیان کیا ہے۔ اس لئے میں نے بھی
کو مکی ابتدائی سورتوں میں رکھا ہے۔

سورۂ کوثر مذکورہ تفاصیل میں مکی سورتوں میں بیان ہوئی ہے مگر اکثر لوگوں کی رائے میں یہ مدنی سورۃ ہے۔ اما
سیوطیؒ لکھتے ہیں :-

"صحیح یہ ہے کہ یہ مدنی سورۃ ہے۔ امام نوویؒ نے شرح مسلم میں اس حدیث کی بنا پر اسی بات کو ترجیح دی ہے جس
حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے کہ انسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلعم ہم میں تشریف فرما تھے یکایک آپ پر غنودگی
طاری ہوئی، اس کے بعد آپ نے مسکراتے ہوئے سر اٹھا کر فرمایا مجھ پر ابھی ایک سورۃ نازل ہوئی ہے۔ پھر
آپ نے پڑھا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ"[۱]

اس لئے میں نے اپنی ترتیب میں سورۂ کوثر کو مدنی سورتوں میں درج کیا ہے۔

سورۂ والعادیات بھی مذکورہ تفاصیل میں مکی سورتوں میں بیان ہوئی ہے مگر اکثر لوگوں نے حضرت ابنِ عباسؓ
کی اس روایت سے جس کی حاکم وغیرہ نے تخریج کی ہے، استدلال کرتے ہوئے اس کو مدنی سورۃ قرار دیا ہے۔ اس سورۃ کے
متعلق امام سیوطیؒ لکھتے ہیں :-

"اس کے بارے میں دو قول ہیں۔ اس سورت کے مدنی ہونے پر اس روایت سے استدلال کیا جاتا ہے جس
کی حاکم وغیرہ نے ابنِ عباسؓ سے تخریج کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے ایک فوجی جماعت کہیں
روانہ کی تھی اور ایک مہینے تک اس جماعت کی کوئی خبر نہیں آئی چنانچہ اس وقت والعٰدیات کا
نزول ہوا"[۲]

اسی بنا پر میں نے اس سورۃ کو مدنی سورتوں میں شامل کیا ہے۔

سورۂ تکاثر بھی مذکورہ تفاصیل میں مکی سورتوں میں بیان ہوئی ہے مگر متعدد شواہد سے اس کا مدنی ہونا ثابت ہے
امام سیوطیؒ لکھتے ہیں :-

"اس سورۃ کے مدنی ہونے پر جو قولِ مختار ہے اس پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جس کی ابنِ ابی حاتمؒ نے بریدہؓ
سے تخریج کی ہے کہ یہ سورۃ دو انصاری قبیلوں کے بارے میں جنھوں نے ایک دوسرے پر فخر جتایا تھا، نازل

---

[۱] اتقان نوع ۱۔ [۲] اتقان، نوع ۱۔

سورۃ کا نام	نمبر ابن عباس	نمبر [illegible]	نمبر [illegible]	نمبر جابر	نمبر [illegible]	
الرعد	۹۵	۹۴	۹۴	×	×	جابر نے اس سورۃ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ میری بابت سورۃ مکی ہے نمبر ۷
الرحمٰن	۹۶	۹۵	۹۵	×	۱۰۱	〃 〃 〃
الانسان (دہر)	۹۷	۹۶	۹۶	×	×	〃 〃 〃 میری پاس یہ سورۃ مکی ہے نمبر ۳۹
الطلاق	۹۸	۹۷	۹۷	×	۱۰۲	〃 〃 〃
لم یکن (بینہ)	۹۹	۹۸	۹۸	×	×	〃 〃 〃 میری پاس یہ سورۃ مکی ہے نمبر ۴۰
الحشر	۱۰۰	۹۹	۹۹	×	۹۱	〃 〃 〃
اذاجاء نصر اللہ	۱۰۱	۱۰۰	۱۰۰	۹۱	۱۱۳	
النور	۱۰۲	۱۰۱	۱۰۱	۹۲	۱۰۳	
الحج	۱۰۳	۱۰۲	۱۰۲	۹۳	۹۰	
المنافقون	۱۰۴	۱۰۳	۱۰۳	۹۴	۱۰۴	
المجادلۃ	۱۰۵	۱۰۴	۱۰۴	۹۵	۱۰۵	
الحجرات	۱۰۶	۱۰۵	۱۰۵	۹۶	۱۰۶	
التحریم	۱۰۷	۱۰۶	۱۰۶	۹۷	۱۰۷	
الجمعۃ	۱۰۸	۱۰۸	۱۰۸	۹۸	۱۰۸	
التغابن	۱۰۹	۱۰۹	۱۰۹	۹۹	۱۰۹	
الصّف	۱۱۰	۱۰۷	۱۰۷	۱۰۰	۱۱۰	جابر نے اس سورۃ کو "سبح الحواریین" کے نام سے بیان کیا ہے
الفتح	۱۱۱	۱۱۰	۱۱۰	۱۰۱	۱۱۱	
المائدہ	۱۱۲	۸۸	۸۸	×	۱۱۴	جابر نے اس سورۃ کا ذکر نہیں کیا ہے

مذکورہ ترتیب میں خفیف سی تبدیلی

رسول اللہ صلعم پر پہلی وحی میں سورۂ علق کی پہلی پانچ آیتیں نازل ہوئی تھیں اس لئے سورۂ علق کو پہلی سورۃ شمار کیا جاتا ہے۔ پہلی وحی کے کچھ عرصے کے بعد دوسری وحی نازل ہوئی جس میں سورۂ مدثر کی پہلی سات آیتیں اتریں۔ اس کے بعد کئی وحی پے در پے اتریں جن کو بعد میں سورتوں کی شکل میں ترتیب دے دیا گیا۔ پہلی چار سورتیں انہی ابتدائی وحی کا مجموعہ ہیں۔

سورۂ فاتحہ کے مکی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ سوائے ابو ہریرہؓ، مجاہدؒ، زہریؒ، عطاؒ، سوادہ بن زیادؒ اور عبداللہ بن عبید بن عمیرؒ کے تقریباً باقی تمام صحابہؓ اور تابعینؒ کی رائے میں یہ سورۃ مکی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس سورۃ کی تعریف سورۂ

حجر میں بیان ہوتی ہے۔ سورۂ حجر بالاتفاق مکی سورۃ ہے اور اس کا نزولی نمبر ۵۲ ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ مکہ کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی تھی، اسی لئے حضرت جابر بن زیدؓ نے اس کو پانچویں نمبر پر رکھا ہے۔

سورۂ فلق، سورۂ ناس اور سورۂ اخلاص کی نسبت اختلاف رائے ہے۔ بعض مکی کہتے ہیں اور بعض مدنی۔ ابن عباسؓ، عکرمہؒ، حسین بن ابی الحسنؒ اور جابرؒ نے ان سورتوں کو مکی سورتوں میں بیان کیا ہے۔ اس لئے میں نے بھی کو مکہ کی ابتدائی سورتوں میں رکھا ہے۔

سورۂ کوثر مذکورہ تفاصیل میں مکی سورتوں میں بیان ہوئی ہے مگر اکثر لوگوں کی رائے میں یہ مدنی سورۃ ہے۔ امام سیوطیؒ لکھتے ہیں :-

"صحیح یہ ہے کہ یہ مدنی سورۃ ہے۔ امام نوویؒ نے شرح مسلم میں اس حدیث کی بنا پر اسی بات کو ترجیح دی ہے جس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے کہ انسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلعم ہم میں تشریف فرما تھے یکایک آپ پر غنودگی طاری ہوئی، اس کے بعد آپ نے مسکراتے ہوئے سر اٹھا کر فرمایا مجھ پر ابھی ایک سورۃ نازل ہوئی ہے۔ پھر آپ نے پڑھا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ"[1]

اس لئے میں نے اپنی ترتیب میں سورۂ کوثر کو مدنی سورتوں میں درج کیا ہے۔

سورۂ والعادیات بھی مذکورہ تفاصیل میں مکی سورتوں میں بیان ہوئی ہے مگر اکثر لوگوں نے حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت سے جس کی حاکم وغیرہ نے تخریج کی ہے، استدلال کرتے ہوئے اس کو مدنی سورۃ قرار دیا ہے۔ اس سورۃ کے متعلق امام سیوطیؒ لکھتے ہیں :-

"اس کے بارے میں دو قول ہیں۔ اس سورت کے مدنی ہونے پر اس روایت سے استدلال کیا جاتا ہے جس کی حاکم وغیرہ نے ابن عباسؓ سے تخریج کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے ایک فوجی جماعت کہیں روانہ کی تھی اور ایک مہینے تک اس جماعت کی کوئی خبر نہیں آئی، چنانچہ اس وقت والعادیات کا نزول ہوا"[2]

اسی بنا پر میں نے اس سورۃ کو مدنی سورتوں میں شامل کیا ہے۔

سورۂ تکاثر بھی مذکورہ تفاصیل میں مکی سورتوں میں بیان ہوئی ہے مگر متعدد شواہد سے اس کا مدنی ہونا ثابت ہے امام سیوطیؒ لکھتے ہیں :-

"اس سورۃ کے مدنی ہونے پر جو قول مختار ہے اس پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جس کی ابن ابی حاتمؒ نے بریدہؓ سے تخریج کی ہے کہ یہ سورۃ دو انصاری قبیلوں کے بارے میں جنھوں نے ایک دوسرے پر فخر جتایا تھا، نازل

---

[1] اتقان نوع ۱۔ [2] اتقان، نوع ۱۔

ہوئی تھی۔ اور ترمذی نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ جب تک یہ سورۃ نازل نہیں ہوئی تھی اس وقت تک ہم لوگوں کو عذابِ قبر کے بارے میں شک رہا کرتا تھا۔ عذابِ قبر کا ذکر مدینہ ہی میں ہوا تھا جیسا کہ صحیح حدیث میں یہودیہ عورت کے قصے کے ساتھ وارد ہوا ہے [1]۔"

میں نے اپنی ترتیب میں اس سورۃ کو بھی مدنی سورتوں میں درج کر دیا ہے۔

سورۂ رعدؔ سورۂ دہرؔ اور سورۂ بیّنہ مذکورہ تفاصیل میں مدنی سورتوں میں بیان ہوئی ہیں۔ مگر تحقیقات سے ثابت ہوا کہ دراصل یہ سورتیں مکی ہیں، البتہ ان کی چند آیتیں مدنی ہیں۔ ان چند آیات کے سوا ان سورتوں کا باقی تمام مضمون مکی ہے۔

سورۂ رعد کے متعلق امام سیوطیؒ لکھتے ہیں :۔

"سورۂ رعد بجز چند آیات کے باقی تمام مکی ہے [2]۔"

سورۂ دہر کے متعلق لکھتے ہیں :۔

"ایک قول کی رو سے مدنی اور دوسرے قول کی رو سے مکی ہے مگر ایک آیت اس سے مستثنیٰ کی جاتی ہے یعنے وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا [3]"

سورۂ بیّنہ کے متعلق لکھتے ہیں :۔

"بقول ابن الفرسؒ اس کا مکی ہونا بہت زیادہ مشہور ہے [4]۔"

ان وجوہات کی بنا پر میں نے اپنی ترتیب میں ان سورتوں کو مکی سورتوں میں درج کیا ہے۔ اس کی وجہ سے مکی اور مدنی سورتوں کی تعداد میں کوئی فرق نہیں آیا کیونکہ اس سے پہلے تین مکی سورتیں مدنی سورتوں میں منتقل ہو چکی ہیں اس لئے مکی اور مدنی سورتیں بہ ترتیب ۸۶ و ۲۸ ہی رہیں۔

سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں معراج کا ذکر ہے۔ معالم التنزیل وغیرہ کتب سے ثابت ہے کہ محققین کے نزدیک معراج کا واقعہ ہجرت سے ایک سال پیشتر ہوا تھا۔ ماسوا اس کے اس سورۃ میں ہجرت کے متعلق یہ دعا ہے "اے میرے پروردگار تو مجھے اچھی طرح (مدینہ) داخل کیجیو اور اچھی طرح (مکہ سے) نکالیو اور مجھکو اپنے ہاں سے (کافروں پر) کامیابی کو تسلط غلبہ دیجیو (۸۰)ع"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۃ مکہ کے آخری زمانے میں اتری تھی۔ اس لئے میں نے اس کو مکہ کی وسطی سورتوں سے جہاں اس کا نمبر ۵۰ تھا مکہ کی آخری سورتوں میں ۷۴ نمبر پر منتقل کر دیا ہے۔

سورۂ حج کے مدنی ہونے میں کچھ بھی شک نہیں۔ سوائے ابن عباسؓ کی اس روایت کے جو بطریق مجاہدؒ مروی ہے باقی تمام آثار سے اس کا مدنی ہونا ثابت ہے۔ خود ابن عباسؓ کی مذکورہ تفصیل میں جو عثمان بن عطا خراسانیؒ کے طریق سے مروی ہے یہ سورۃ مدنی سورتوں میں بیان ہوئی ہے۔ حج مدینہ میں فرض ہوا تھا۔ کفار کے ساتھ لڑائی کا حکم بھی مدینہ ہی میں ہوا تھا۔ یہ دونوں

---

[1] اتقان نوع ۱۔ [2] اتقان، نوع ۱۔ [3] اتقان، نوع ۱۔ [4] اتقان، نوع ۱۔

حکم پہلے پہل مدینہ کی پہلی سورۃ البقرہ میں اترے تھے۔ قراین سے پایا جاتا ہے کہ سورۂ حج مدینہ کے اوایل زمانے میں جنگِ بدر کے بعد اور جنگِ اُحد سے پہلے اتری تھی۔ چھٹویں رکوع میں ہے :۔

"جن (مسلمانوں) سے (کافر) لڑتے ہیں (اب) ان کو (بھی کافروں سے لڑنے کی) اجازت ہے اس لئے کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور کچھ شک نہیں اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے ① (یہ وہ مظلوم ہیں) جو صرف یہ کہنے پر کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، ناحق اپنے گھروں سے نکال دئے گئے" اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے نہ ہٹاتا رہتا تو صومعے اور گرجے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے ڈھائی جا چکی ہوتیں۔ اور اللہ اس شخص کی ضرور مدد کرتا ہے جو اس کی مدد کرتا ہے۔ بے شک اللہ زبردست (اور) غالب ہے ② یہ (یعنی مسلمان) وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو دسترس دیں تو نماز پڑھینگے اور زکواۃ دینگے اور اچھے کام کے لئے کہینگے اور برے کاموں سے منع کرینگے اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے ③"

آٹھویں رکوع میں ہے :۔

"اور جن مسلمانوں نے اللہ کی راہ میں وطن چھوڑا پھر شہید ہو گئے یا مر گئے" الآیہ

اس لئے یہ مناسب نہیں کہ اس سورۃ کو مدینہ کی آخری سورتوں میں رکھا جائے۔ میں نے اس کو مدینہ کی آخری سورتوں سے مدینہ کی ابتدائی سورتوں میں منتقل کر کے سورۂ انفال نمبر ۸۰ کے بعد جس میں پہلی جنگِ بدر کا ذکر ہے اور سورۂ آل عمران نمبر ۱۹ سے پہلے جس میں جنگِ اُحد کا ذکر ہے رکھ دیا ہے۔

سورۂ حشر میں غزوۂ بنی نضیر کا ذکر ہے جو جنگِ احزاب سے پہلے کا واقعہ ہے۔ اس لئے میری ترتیب میں یہ سورۃ نمبر ۱۰۱ سے منتقل کی جا کر سورۂ احزاب کے پہلے نمبر ۲۰ پر رکھی گئی ہے۔

آخری سورۃ اس بارے میں بہت کچھ اختلاف ہے کہ کونسی سورۃ سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے۔ بعض لوگ سورۂ برأۃ (توبہ) کو آخری سورۃ قرار دیتے ہیں۔ بعض سورۂ مائدہ کو اور بعض سورۂ نصر کو۔ اس بارے میں جو اقوال بیان ہوئے ہیں ان کے متعلق قاضی ابوبکرؒ لکھتے ہیں :۔

"ان تمام اقوال میں سے کوئی ایک قول بھی رسول اللہ صلعم تک مرفوع نہیں ہے جس نے جو کچھ کہا ہے وہ ایک طرح کے اجتہاد اور ظنِ غالب سے کہا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ان لوگوں میں جس نے رسول اللہ صلعم کی وفات کے دن یا آپ کی علالت سے کچھ ہی دنوں پہلے جو کچھ زبانِ مبارک سے سنا اسی کو بیان کر دیا اور دوسرے نے اس کے بعد کچھ اور سنا جسے پہلے جس نے شاید نہ سنا تھا۔"[ا]

میں نے اس کی بہت کچھ چھان بین کی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ تینوں سورتیں آخری زمانے میں نازل ہوئی ہیں۔ سورۂ برأۃ کا بڑا حصہ فتح مکہ کے بعد نازل ہوا ہے۔ فتح مکہ اور رسول اللہ صلعم کی وفاتِ شریف کا درمیانی اٹھارہ مہینے کا مختصر زمانہ بڑی بھیڑ بھاڑ

ا۔ اتقان، نوع ۶، بحوالہ کتاب الانتصار قاضی ابی بکرؒ۔

کا زمانہ تھا۔ جنگ حنین، غزوہ طایف اور غزوہ تبوک کی تیاری اور پھر سخت گرمیوں میں سفر انہی پریشانیوں اور مصروفیتوں میں حالت سفر میں تبوک کے مقام پر سورۂ توبہ کا ایک معتد بہ حصہ نازل ہوا۔ بارھویں رکوع میں ارشاد ہے:۔

"(مسلمانو) جب تم (جہاد سے لوٹ کر) ان (منافقین) کے پاس واپس جاؤ گے تو وہ تم سے عذر کرنے لگینگے تو (ان سے) کہہ دینا کہ عذر مت کرو ہم ہرگز تمھاری بات نہیں مانینگے۔ خدا نے ہم کو تمھارے سب حالات بتلا دیے ہیں" الآیہ

سورۂ براۃ (توبہ) کا پہلا، دوسرا اور تیسرا رکوع فتح مکہ سے پہلے کا ہے۔ دوسرے رکوع میں وعدہ کیا گیا ہے کہ اللہ مسلمانوں کے ہاتھوں کفار مکہ کو سزا دیگا اور رسوا کریگا اور ان پر مسلمانوں کو فتح دیگا۔ تیسرے رکوع میں یہ فرمایا گیا ہے کہ کافروں کو کوئی حق نہیں ہے کہ کفر کی گواہی دیتے ہوئے اپنے جیسے کافروں سے اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں۔ فتح مکہ کے بعد خانۂ کعبہ میں اعلان کر دیا گیا کہ مشرکین اس سال کے بعد خانۂ کعبہ کے پاس پھٹکنے بھی نہ پائینگے۔ اس وقت تک جہاد کی ضرورت باقی تھی۔ اس سورۃ میں جہاد جاری رکھنے پر مسلمانوں کو اکسایا گیا ہے۔ حنین اور تبوک کے غزوہ کا بیان بھی اسی سورۃ میں ہے۔ ان امور سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اس سورۃ کے نزول کی ابتدا فتح مکہ سے پہلے ہوئی اور غزوۂ تبوک کے بعد ختم ہوئی۔

حقیقت یہ ہے کہ بڑی سورتوں کا نزول مہینوں میں ختم ہوتا تھا۔ اس دوران میں چھوٹی چھوٹی سورتیں بھی نازل ہو جاتی تھیں۔ سورۂ براۃ کے گیارھویں رکوع میں ہے:۔

"اور جب کوئی (نئی) سورۃ نازل ہوتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ (ہو کر) جہاد کرو تو جو ان میں دولت مند ہیں وہ تم سے اجازت طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجئے کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ رہ جائیں ۞"

سولھویں رکوع میں ہے:۔

"جب کوئی (نئی) سورۃ نازل ہوتی ہے تو منافقوں میں سے بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اس سورۃ نے تم میں کس کا ایمان زیادہ کیا ہے" الآیہ

اور جب کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے تو ان (منافقوں) میں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتا ہے (اور پوچھتا ہے کہ) بھلا تمھیں کوئی دیکھتا ہے؟ پھر (پیغمبر کے پاس سے) پھر جاتے ہیں" الآیہ

بڑی سورتوں کے دوران نزول میں جو چھوٹی سورتیں نازل ہوتی تھیں ان کو علحدہ لکھوا دیا جاتا تھا اور پھر جوں جوں بڑی سورتوں کی آیتیں نازل ہوتیں وہ اپنی اپنی سورتوں میں شامل کر دی جاتی تھیں۔ رسول اللہ صلعم سورتوں کے نام ان کے نزول کے ساتھ ہی یا دوران نزول میں مقرر فرما دیتے اور ان کی پیشانی پر بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ لکھوا دیتے تھے مگر معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ براۃ کا نام مقرر نہیں ہوا تھا اور نہ اس کی پیشانی پر بسم اللہ لکھوائی گئی تھی۔ اسی لئے خلیفۂ سوم حضرت عثمانؓ کو سورتوں

کی ترتیب کے وقت سورۂ براۃ کو علیحدہ سورۃ قرار دینے میں پس وپیش ہوا تھا اور انھوں نے براۃ کے مضمون کو انفال کے مضمون سے ملتا جلتا دیکھ کر براۃ کو اپنی ترتیب میں انفال کے بعد رکھ دیا اور ان دونوں کے درمیان بسم اللہ کی سطر نہیں لکھوائی۔[1]

سورۂ براۃ بڑی ہی غضب ناک سورۃ ہے۔ اس میں مشرکوں اور منافقوں کی بری طرح خبر لی گئی ہے اور ان پر خدا کا قہر ٹوٹتا ہے۔ اکثر صحابہؓ اس سورۃ کو سورۃ العذاب اور سورۃ الفاضحہ (یعنی رسوا کرنے والی) کہا کرتے تھے۔ اس سورۃ کے خاتمے پر رسول اللہ صلعم کو اظہارِ استغنا اور توکل کا حکم دیا گیا ہے کہ

"لوگو، تمھارے پاس تمھیں میں سے ایک رسول آئے ان پر تمھاری تکلیف شاق گزرتی ہے ان کو تمھاری بھلائی کا ہوکا ہے، مسلمانوں پر نہایت درجہ شفیق (اور) مہربان ہیں ۞ پھر (بھی) اگر یہ لوگ سرتابی کریں تو (اے محمد ان سے صاف صاف) کہدو کہ مجکو خدا بس کرتا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں میں اسی پر بھروسا رکھتا ہوں اور وہی عرشِ عظیم کا مالک ہے" ۞ ع

سورۂ نصر کے مدنی ہونے میں کسی کا خلاف نہیں البتہ اس کے آخری سورۃ ہونے میں اختلاف ہے۔ مسلم نے حضرت ابن عباسؓ سے جو روایت بیان کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے آخر میں سورۂ نصر نازل ہوئی۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے جو بطریق جبیرؓ بن نفیر حاکم وغیرہ نے بیان کی ہے، سورۂ مائدہ کا سب سے آخر میں نازل ہونا ثابت ہے۔ ضمرہ بن حبیب اور عطیہ بن قیس نے مرفوعًا کہا ہے کہ مائدہ قرآن کی آخری سورۃ ہے۔ مائدہ کے سیاقِ کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۃ سب سے آخر میں نازل ہوئی تھی۔ احمد کی ایک روایت میں اسماؓ بنت یزید کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلعم عضبا (اونٹنی کا نام) پر سوار تھے، اس کی باگ میرے ہاتھ میں تھی کہ سورۂ مائدہ نازل ہوئی۔ قریب تھا کہ اس کے بوجھ سے اونٹنی کا بازو ٹوٹ جائے۔ احمد کی ایک اور روایت میں عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ سورۂ مائدہ کے نزول کے وقت رسول اللہ صلعم سوار تھے سواری اس کی متحمل نہ ہو سکی آخر آپ اتر پڑے۔

سورۂ مائدہ میں باقی تمام احکام نازل ہوگئے اور ساتھ ہی تکمیلِ دین، اتمامِ نعمت اور خوشنودیٔ الٰہی کی بشارت بھی دیدی گئی۔ پہلے رکوع ہی میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

آج (یعنی ۹ ذی حجہ، عرفے کے دن، حجۃ الوداع کے موقع پر) ہم نے تمھارے لئے تمھارا دین کامل کر دیا اور ہم نے اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور ہم نے تمھارے لئے (اسی) دینِ اسلام کو پسند فرمایا۔"

مذکورہ آیت کے متعلق یہودیوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اس آیت کو جو تم پڑھتے ہو اگر یہ ہمارے بارے میں نازل ہوتی تو ہم اسے عید کا دن بناتے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا میں خوب جانتا ہوں کہ یہ آیت کب اور کہاں اتری اور اس وقت رسول اللہ صلعم کہاں تشریف فرما تھے۔ یہ عرفے کا دن تھا اور ہم عرفات میں تھے۔ سفیان (نیچے کے راوی) کا بیان ہے مجھے اس میں تردد

---

[1] ترمذی، ابواب تفسیر القرآن۔

ہے کہ عرفہ کے دن جمعہ تھا یا نہ تھا۔[۵]

برخلاف اور پیغمبروں کے رسول اللہ صلعم کی عمر کے آخری دن نہایت اطمینان کے ساتھ گذرے۔ آپ کو اس کی پوری پوری طمانیت تھی کہ جس مشن کی تبلیغ کے لئے سیکڑوں پیغمبر آئے اور ہر پیغمبر اپنے مشن کو اپنے جانشین کے لئے نامکمل حالت میں چھوڑ گیا اور آنے والے جانشین کی بشارت دیتا گیا، وہ مشن آپ کی بدولت تکمیل کے درجے کو پہنچ گیا۔ اور آپ کے بعد کسی پیغمبر کے آنے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ اس کا بین ثبوت مذکورہ آیت ہے۔

آخری سورۃ یعنے سورۂ مائدہ کا خاتمہ اس سوال و جواب پر ہوا ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اور حضرت عیسیٰؑ مسیح میں ہوگا۔ ان آیات میں ایک طرح کی پیشین گوئی ہے کہ تہذیب اور ترقی یافتہ دنیا میں اسلام اور عیسائیت، مسلمانوں اور عیسائیوں کا مقابلہ قیامت تک رہیگا۔ قیامت کے دن حضرت مسیح سے ان کی نام نہاد امت کے متعلق خاص طور پر جواب طلب کیا جائیگا تو وہ عرض کرینگے:۔

میں نے ان سے کچھ نہیں کہا بجز اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا وہ یہ کہ تم خدا کی عبادت کرو جو میرا اور تمھارا سب کا پروردگار ہے۔ اور جب تک میں ان میں رہا ان (کے حالات کی) خبر رکھتا تھا پھر جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھا لیا تو تو ان کا نگران تھا اور تو ہر چیز سے خبردار ہے ⑪ اگر تو ان کو (ان کے کرتوت کے بدلے) عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخشدے تو بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے ⑫۔ خدا فرمائیگا کہ یہ وہ دن ہے کہ سچوں کو (یعنے خدا کے فرمان برداروں کو) ان کی سچائی ہی فائدہ دیگی ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہینگے، اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش، یہی بڑی کامیابی ہے ⑬ آسمان اور زمین اور جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے سب پر اللہ ہی کی بادشاہت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ⑭ ع ۱۶"

غور کرو یہ کیسا امید افزا اور موزوں خاتمہ ہے۔

مندرجۂ بالا وجوہات کی بنا پر نزولی ترتیب میں تھوڑی سی تبدیلی کرنے کے بعد میں نے اپنی تالیف میں سورتوں کی جو نزولی ترتیب قرار دی ہے وہ حسب ذیل ہے:۔

مکی سورتیں

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵
علق	قلم	مزمل	مدثر	فاتحہ	لہب	تکویر	اعلیٰ	لیل	فجر	ضحیٰ	انشراح	عصر	ماعون	کافرون

۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰	۲۱	۲۲	۲۳	۲۴	۲۵	۲۶	۲۷	۲۸	۲۹	۳۰
فیل	فلق	ناس	اخلاص	نجم	عبس	قدر	شمس	بروج	تین	قریش	قارعہ	قیامت	ہمزہ	مرسلات

---

[۵] بخاری، باب قولہ الیوم اکملت لکم دینکم۔

۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷

نمل۔ شعراء۔ واقعہ۔ طٰہٰ۔ مریم۔ فاطر۔ فرقان۔ رحمٰن۔ دہر۔ یٰسین۔ جن۔ اعراف۔ صٓ۔ قمر۔ قٓ۔ طارق۔ بلد۔

۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰

شوریٰ۔ فُصِّلت (حٰمٓ سجدہ)۔ مومن۔ زمر۔ سبا۔ لقمان۔ صافات۔ انعام۔ حجر۔ یوسف۔ ہود۔ یونس۔ قصص۔

۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳

سجدہ۔ مومنون۔ انبیاء۔ رعد۔ ابراہیم۔ نوح۔ نحل۔ کہف۔ ذاریات۔ احقاف۔ جاثیہ۔ دخان۔ زخرف۔

۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵

عنکبوت۔ روم۔ انشقاق۔ انفطار۔ نازعات۔ نبا۔ معارج۔ حاقہ۔ غاشیہ۔ ملک۔ طور۔ بنی اسرائیل۔

۸۶

تطفیف۔

مدنی سورتیں

۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸

بقرہ۔ انفال۔ آل عمران۔ حج۔ حشر۔ احزاب۔ ممتحنہ۔ نساء۔ زلزال۔ کوثر۔ عادیات۔ تکاثر۔

۹۹ ۱۰۰ ۱۰۱ ۱۰۲ ۱۰۳ ۱۰۴ ۱۰۵ ۱۰۶ ۱۰۷ ۱۰۸ ۱۰۹ ۱۱۰ ۱۱۱ ۱۱۲

توبہ۔ فتح۔ صف۔ تغابن۔ جمعہ۔ تحریم۔ حجرات۔ مجادلہ۔ منافقون۔ نور۔ طلاق۔ بینہ۔ محمدؐ۔ حدید۔

۱۱۳ ۱۱۴

نصر۔ مائدہ۔

قرآن کا ترجمہ

قرآن فقط عربوں ہی کی رہنمائی کے لئے نہیں بلکہ تمام عالم کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے۔ جب تک دنیا کی تمام زبانوں میں قرآن کے ترجمے نہ کئے جائیں دنیا اس کلام الٰہی سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتی۔ مگر حالت یہ ہے کہ غیر قوموں میں پیغام الٰہی کی اشاعت تو کجا خود ہم جو مسلمان کہلاتے ہیں، جو حصولِ ثواب کے لئے رات دن قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، اس کے مضامین اور مطالب سے تقریباً بالکل ناواقف ہیں۔ اس کی یا تو یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ ہماری مادری زبانوں میں قرآن کا ترجمہ موجود نہیں ہے یا اگر ہے بھی تو چونکہ مسلمانوں کی عام تعلیم و تربیت کی بنیاد صحیح اصول پر مبنی نہیں ہے اس لئے وہ قرآن کو ترجمہ کے ساتھ پڑھنا، اس کے مطالب پر غور و فکر کرنا اس قدر اہم نہیں سمجھتے جس قدر مونھ سے الفاظِ قرآن کا ادا کرلینا اہم سمجھتے ہیں۔ یہ تو عام مسلمانوں کی حالت ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر افسوسناک منظر یہ ہے کہ اچھے اچھے پڑھے لکھے، علم دوست مسلمان بھی قرآن سے تقریباً بالکل بے بہرہ اور ناآشنا ہیں۔ وہ

ان چھوٹی چھوٹی سورتوں تک کا مطلب نہیں سمجھ سکتے جو روزمرہ نماز میں پڑھی جاتی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ترجمہ کیسا ہی اچھا کیوں نہ ہو پھر بھی ترجمہ ترجمہ ہی ہے۔ اس میں اصل عبارت کی خوبی اور فصاحت و بلاغت نہیں آسکتی۔ ہر ایک زبان میں کئی الفاظ ایسے ہوتے ہیں جن کے مترادف یعنے ہم معنی الفاظ دوسری زبان میں نہیں ملتے اس لئے کسی زبان کے ایک لفظ کا ترجمہ دوسری زبان میں مختلف مواقع کے لحاظ سے مختلف الفاظ میں کرنا پڑتا ہے۔ اس سے اکثر لوگ یہ غلط قیاس قایم کر لیتے ہیں کہ ایک لفظ کے کئی کئی معنے ہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ وہ لفظ اپنی زبان میں باعتبار اصل وضع کے ایک ہی معنی رکھتا ہے مگر اس کا مفہوم اس قدر وسیع ہوتا ہے کہ دوسری زبان کا کوئی ایک لفظ ہر موقع کے لئے اس کا صحیح صحیح قایم مقام نہیں ہو سکتا۔ اس لئے موقع اور محل کے لحاظ سے مختلف الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں بعض جگہ ایک لفظ کے ترجمے کے لئے جملہ یا جملوں کی ضرورت پڑتی ہے اس پر بھی اس کا مفہوم کامل طور سے ادا نہ ہو سکا تو حاشیہ پر مزید وضاحت کرنی پڑتی ہے۔

اس وقت بجز قرآن کے کوئی اور الہامی کتاب اپنی اصل نزولی زبان میں موجود نہیں ہے۔ موجودہ توراۃ کی عبرانی وہ عبرانی نہیں ہے جس میں توراۃ اتری تھی اور جو حضرت موسیٰؑ کی زبان تھی۔ انجیلیں حضرت عیسیٰؑ کے بعد یونانی زبان میں لکھی گئیں جو حضرت عیسیٰ کی مادری زبان نہ تھی۔ اب تو یہ ترجمے بھی مروج نہیں ہیں۔ ان ترجموں کے ترجمے ہیں جن کو آجکل اہل کتاب اپنی مادری زبانوں میں پڑھا کرتے ہیں۔ کیا یہ ترجمے قرآن کے جواب تک اپنی اصل نزولی زبان میں موجود ہے ہمسر ہو سکتے ہیں؟ سیل وغیرہ نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ وہ قرآن کی اصل خوبی کو ترجموں میں ظاہر کرنے سے قاصر رہے ہیں۔

جن زبانوں پر عربی زبان کا اتنا گہرا اثر پڑا ہے کہ وہ بادی النظر میں عربی زبان کی شاخیں معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً فارسی ترکی اور اردو۔ ان زبانوں کے روزمرہ میں سیکڑوں عربی الفاظ داخل ہو گئے ہیں۔ ان کا رسم الخط بھی عربی رسم الخط کے تابع ہے۔ ان زبانوں میں قرآن کا ترجمہ زیادہ آسانی اور صحت کے ساتھ ہو سکتا ہے اور قرآن کے بہت سے الفاظ کسی قدر تغیر کے ساتھ ترجمے میں بھی باقی رہ سکتے ہیں۔ اگر ترجمہ آیات کے ساتھ ساتھ ہو تو ان دونوں کو بار بار پڑھنے سے عربی زبان سے اس قدر آشنا تو ہو جا سکتے ہیں کہ آیات کے ذکر کے ساتھ ہی ان کا مفہوم بھی خیال میں آجا سکتا ہے۔ کیا یہ بدبختی نہیں ہے کہ ہندوستان کے مسلمان باوجود اس کے کہ قرآن کے اردو تراجم موجود ہیں اور اردو کے روزمرہ میں سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں عربی الفاظ داخل ہو گئے ہیں، پھر بھی قرآن کو سمجھ کر پڑھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

اردو ترجمے مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ کو قرآن کے پہلے اردو مترجم ہونے کا فخر حاصل ہے۔ سنہ ۱۲۰۵ ہجری میں آپ نے موضح القرآن کے نام سے قرآن کا پہلا اردو ترجمہ کیا جو تمام اردو تراجم کا ماخذ ہے۔ اس کے بعد مولانا شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے اردو ترجمہ کیا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں ترجمے صحت ترجمہ کے لحاظ سے آج تک بھی مستند سمجھے جاتے ہیں۔ مگر چونکہ ان میں عربی نحوی ترکیب کا زیادہ لحاظ رکھا گیا ہے اس لئے ترجمہ میں ایسی پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں کہ اکثر جگہ مطلب سمجھ میں نہیں آتا اور لوگ بہت جلد اکتا جاتے تھے۔ شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب مرحوم کو خدا اس کا بہتر اور اچھا بدلہ عنایت کرے کہ انھوں نے فصیح

اور با محاورہ اردو میں قرآن کا ترجمہ کر کے ان اردو داں مسلمانوں کو جو عربی زبان سے ناواقف ہیں تاریکی سے روشنی میں آنے کا سامان بہم پہنچا دیا۔ گو یہ ترجمہ زبان کی شستگی اور کلام کی شائستگی کے لحاظ سے ممتاز درجہ رکھتا ہے مگر پھر بھی عیوب سے خالی نہیں۔ جا بجا مشکل اور غریب الفاظ اور محاورات مثلاً اربیوان، بھنڈا، پھکل، تو تو تھو، ٹنٹ، جکوتا، داجن، عقل پر پتھر پڑنا، کیسری کونک وغیرہ کی بھرمار نے اس میں اس قسم کی ادبیت پیدا کر دی ہے کہ عام لوگ فرہنگ یا استاد کی مدد کے بغیر ان نامانوس الفاظ اور محاورات کو سمجھ نہیں سکتے۔ یورپ کی ہر زبان میں ادب کی بہترین کتاب بیبل ہے۔ جسے ہر درجے اور ہر طبقے کا آدمی اچھی طرح سمجھ لیتا ہے۔ قرآن کا اردو ترجمہ بھی اسی طرح عام فہم ہونا چاہئے تاکہ اس سے عورت، مرد، بچے، جوان، بوڑھے، جاہل، عالم، دلی، لکھنؤ کے اہل زبان اور ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے باشندے یکساں مستفید ہو سکیں۔ یہ کام درحقیقت شخص واحد کا نہیں بلکہ علماء کی ایک جماعت کا ہے۔ یوں تو سولھویں صدی عیسوی سے بہت پہلے ہی کئی لوگوں نے بیبل کا انگریزی ترجمہ کر دیا تھا مگر ۱۵۲۵ء اور ۱۵۳۵ء کے مابین ولیم ٹنڈیل کی کوششوں نے انگریزی بیبل کی وضع قطع درست کر دی۔ کنگ جیمس نے اپنے دور حکومت میں بیبل کی مزید اصلاح اور ترمیم کے لئے مشہور علماء کی ایک جماعت مقرر کر دی تھی جس کی مساعی کا نتیجہ وہ اتھرائزڈ ورشن ہے جو ۱۶۱۱ء میں تیار ہوا اور جو اب تک تمام گرجاؤں میں مستعمل ہے۔ انیسویں صدی کے تعلیم یافتہ گروہ کی اس سترھویں صدی کی بیبل سے تشفی نہیں ہوتی تھی اس لئے کنٹربری میں علماء کی ایک مجلس نے بیبل کے ماہرین کی دو جماعتیں مقرر کر کے عہد عتیق اور عہد جدید کی نظر ثانی کا کام ان کے سپرد کر دیا۔ اسی قسم کی دو جماعتیں امریکہ میں بھی مقرر ہوئیں۔ انگریزی اور امریکن دونوں جماعتوں کی پندرہ برس کی لگاتار محنت اور کوشش کے بعد ۱۸۸۱ء میں عہد جدید کا اور ۱۸۸۵ء میں عہد عتیق کا ریوائزڈ ورشن شایع ہوا۔ بعض اہل زبان علماء نے اس آخر الذکر بیبل پر کنگ جیمس کی بیبل کو اس لئے ترجیح دی ہے کہ اس کے چھوٹے چھوٹے سیدھے سادھے جملوں اور میٹھے میٹھے الفاظ کو ہر شخص آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا اور ان سے لطف اندوز ہو سکتا ہے گو آخری ورشن کی خوبی یہ ہے کہ وہ کنگ جیمس کے ورشن سے زیادہ صحیح ہے۔

ہندوستان میں عربی کے مستند علماء کی کمی نہیں ہے صرف مسلمانان ہند کی توجہ درکار ہے۔ مستند علماء کی ایک مجلس اس کے لئے مقرر کر دی جائے کہ وہ قرآن کے تمام موجودہ تراجم کو پیش نظر رکھ کر ایک ایسا صحیح اور سلیس ترجمہ تیار کر دے کہ ہند کے اس سرے سے اُس سرے تک کے تمام لوگ اس سے یکساں طور پر بغیر کسی دقت کے مستفید ہو سکیں۔

مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم کے ترجمے میں سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ محاوروں کی غیر معمولی پابندی نے بعض بعض مقامات میں آیتوں کے مطلب کو کچھ کا کچھ کر دیا ہے مثلاً سورۂ بقرہ ۸۷ رکوع ۲۳ میں هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ کے صحیح معنے یہ ہیں "وہ (یعنے عورتیں) تمھارا پردہ ہیں اور تم (یعنے مرد) ان کا پردہ ہو" یعنے تم دونوں ایک دوسرے کی پردہ پوشی کرتے ہو۔ مگر مولوی صاحب مرحوم نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے "وہ تمھارے دامن کی جگہ ہیں اور تم ان کی چولی کی جگہ ہو" یہ ظاہر ہے کہ چولی دامن کا محاورہ دو چیزوں میں محض لزوم ثابت کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اب غور کرو کہ اس محاورے نے آیت کے اصل مفہوم کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ سورۂ یوسف ۵۱ رکوع ۲ میں إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ یعنے "ہم ایک دوسرے سے آگے نکلنے کو دوڑنے لگے" کو "ہم تو

جا کر کبڈی کھیلنے لگے" کر دیا گیا ہے اور پھر لفظ کبڈی کے متعلق حاشیہ پر یہ غلط تاویل کی گئی ہے :-

"نَسْتَبِقُ نکلا ہے استباق سے جس کے لغوی معنی ہیں کئی آدمیوں کا اس طرح پر دوڑنا کہ دیکھیں کون آگے نکلے چونکہ ایک طرح کا استباق کبڈی میں بھی ہوتا ہے اس لئے ہم نے اپنے محاورے کے مطابق کبڈی ترجمہ کر دیا ہے۔"

گھوڑ دوڑ کی طرح آدمیوں کی دوڑ کو استباق کہتے ہیں جو آج کل ہندوستان میں بھی مروج ہے۔ کبڈی ہندوستانی کھیل ہے اور اس سے تقریباً ہر ہندوستانی واقف ہے۔ کبڈی میں مذکورہ قسم کے استباق کا شائبہ تک بھی نہیں کیونکہ کبڈی میں دونوں طرف کے کھلاڑی اس لکیر کے پاس پاس رہتے ہیں جو دونوں کے درمیان ہوتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ بھیڑیے نے یوسفؑ کو یوسفؑ کے بھائیوں کی موجودگی میں کھا لیا حالانکہ یوسفؑ کے بھائی یہ کہتے ہیں "ہم ایک دوسرے سے آگے نکلنے کو دوڑنے لگے اور یوسفؑ کو اپنے اسباب پاس چھوڑ گئے تو اسے بھیڑیا کھا گیا۔" یعنے جب وہ دوڑتے دوڑتے دور نکل گئے تو ان کی غیر موجودگی میں یہ حادثہ واقع ہوا۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔

اس ترجمے میں بہت سی عبارت اپنی طرف سے بھی بڑھائی گئی ہے جس سے ترجمہ حدِ ترجمہ سے نکل گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اظہار محذوفات وغیرہ کے لئے خطوطِ ہلالی میں مختصر سی وضاحت کی ضرورت ہوتی ہے مگر اس سے اصل ترجمے کے سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔ مگر اس ترجمہ میں مترجم کی وضاحت نے بعض بعض جگہ سخت دشواریاں پیدا کر دی ہیں مثلاً سورۂ قمر ۵۴ کی پہلی آیت اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ کا ترجمہ یہ ہے کہ "قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہوگیا" یہاں خطوطِ ہلالی میں کسی قسم کی وضاحت کی کچھ بھی ضرورت نہ تھی مگر پھر بھی مولوی صاحب مرحوم نے اپنی طرف سے وضاحت کر کے اصل ترجمے میں دو قسم کے احتمال پیدا کر دیئے ہیں۔ آپ نے اس کا اس طرح ترجمہ کیا ہے "قیامت پاس آگئی اور (پیغمبر کے معجزے سے) چاند شق ہوگیا (کہ قربِ قیامت کی یہ بھی ایک نشانی ہے)۔"

میں نے معجزے کے باب میں وہ تمام آیتیں جمع کر دی ہیں جن میں کفار کی طرف سے معجزے کی فرمائش اور خدا کی جانب سے اس کا جواب مذکور ہے۔ ان آیات سے صاف ظاہر ہے قرآن میں آنحضرت صلعم کے متعلق بجز قرآن کے کوئی اور معجزے کا ذکر نہیں ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمۃ تفہیماتِ الٰہیہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

"قرآنِ مجید میں (آنحضرتؐ کے متعلق) کسی معجزے کا ذکر نہیں ہے اور ہمارے نزدیک شق القمر معجزات میں سے نہیں ہے۔ ہاں وہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے کہ قریب ہوئی ساعت اور پھٹ گیا چاند۔"

میرا ترجمہ | قرآن کے مضامین کو مختلف عنوانوں میں تقسیم کرتے وقت میں نے مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم کے ترجمہ سے کام لیا تھا۔ کیونکہ اس وقت میرے پاس جیل میں یہی ایک ترجمہ تھا۔ بعد میں ترجمہ کو اصل عبارت کے ساتھ مقابلہ کرتے وقت اس میں بہت کچھ بے جا تصرف پا کر میں نے شاہ صاحبؒ کا اور تقریباً تمام دوسرے مترجموں کے ترجمے جمع کئے، ان کا باہم مقابلہ کیا۔ مگر مجھے کوئی ایسا ترجمہ نہ ملا کہ میں اسے من و عن اپنی کتاب میں نقل کر لیتا۔ اس لئے میں نے نظرِ ثانی کے وقت ہر باب کی ہر آیت کے ترجمے کو مختلف ترجموں سے مقابلہ کیا۔ کسی ترجمے سے کوئی موزوں لفظ اور کسی ترجمے سے کوئی مناسب فقرہ لے کر مسودہ کی اصلاح کر لی۔ بعض بعض الفاظ کے متعلق بڑی کد و کاوش کرنی پڑی لغت

اور تفاسیر کی متعدد کتابوں کو دیکھنا پڑا۔ اگر میں یہ کہوں کہ اس طرح خود میں نے پورے قرآن کا ترجمہ کیا ہے تو یہ خلافِ واقعہ نہیں۔ میں نے یہ کام بے حد احتیاط کے ساتھ کیا ہے اور اس بات کا اطمینان دلا سکتا ہوں کہ میرے ترجمہ کا کوئی لفظ، کوئی فقرہ ایسا نہیں ہے کہ جس کی سند کسی لغتِ قرآن یا تفسیر یا ترجمہ میں نہ ملے۔

ہر ایک مضمون کی تمام آیتیں اپنے اپنے مضمون میں جمع ہو جانے کی وجہ سے ترجمہ میں بے حد آسانی ہوئی۔ اکثر الفاظ کے مترادفات ہم مضمون آیتوں ہی میں مل گئے اور مماثل آیتوں کے ترجمے میں یکسانیت ہو گئی۔ دوسرے ترجموں میں یہ بات نہیں ہے کیونکہ مترجم کو کسی آیت کا ترجمہ کرتے وقت یہ اچھی طرح یاد نہیں رہ سکتا کہ اسی قسم کی اور آیتیں قرآن میں کہاں کہاں ہیں۔

جو الفاظ شرعی اصطلاحات بن گئے ہیں وہ ترجمہ میں اسی طرح بحال رکھے جا کر صفحے کے دامن پر واضح کر دئے گئے ہیں مثلاً عبادت، تسبیح، استغفار، توکل، نبی، رسول وغیرہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کا ترجمہ ہر جگہ نہیں کیا گیا ہے۔

ہر ایک آیت علحدہ علحدہ نقل کی گئی ہے۔ کسی سطر میں دو آیتوں کے اگلے پچھلے ٹکڑے نہیں لکھے گئے۔ ہر آیت کا ترجمہ اس کے مقابل درج کیا گیا ہے۔ بعض بعض جگہ کوئی مطلب تین چار آیتوں میں ختم ہوتا ہے تو وقف کے دائروں پر "لا" لکھ دیا کرتے ہیں۔ اکثر مترجموں نے ان سب آیتوں کا ایک ہی جملہ میں ترجمہ کر دیا ہے جس سے پہلی آیت کے نیچے تیسری یا چوتھی آیت کے الفاظ کا ترجمہ آگیا ہے اور قاری عربی کے ساتھ اردو کو بڑی دقت سے مطابق کر سکتا ہے۔ میں نے اس قسم کے مقامات پر بھی ہر آیت کا ترجمہ اسی آیت کے مقابل رکھا ہے اور آیت کے ختم پر آیت کے گول نشان کے بجائے آیت کا نمبر اوپر ہٹا کر لکھ دیا ہے۔ اس سے قاری بغیر کسی رکاوٹ کے پہلی آیت کو دوسری، تیسری اور چوتھی آیتوں کے ساتھ ملا کر پڑھ سکتا اور آسانی کے ساتھ ہر آیت کا ترجمہ معلوم بھی معلوم کر سکتا ہے۔

جہاں جہاں ضمیر کا مرجع مشتبہ پایا گیا وہاں ضمیر پر خط کھینچ کر حاشیہ پر بیان کر دیا گیا ہے کہ اس ضمیر کا اشارہ فلاں فلاں لفظ کی طرف ہو سکتا ہے۔ مزید وضاحت کی ضرورت ہوئی تو صفحے کے دامن پر اس کی تشریح بھی کر دی گئی۔ اس قسم کے موقعوں پر اکثر مترجمین نے ضمیر کے مرجع متن ہی میں خطوط ہلالی میں لکھ دئے ہیں۔ یہ ایک طرح کا بے جا تصرف ہے۔ کیونکہ ضمیروں کے اکثر مرجع قیاسی ہیں اور قیاس میں بسا اوقات غلطی ہوا کرتی ہے۔

وضاحت کے لئے خطوطِ ہلالی بہت ہی کم استعمال کئے گئے۔ صرف اسی جگہ ایسا کیا گیا ہے جہاں وضاحت کی بہت سخت ضرورت تھی اور اس کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔

کتاب الہدیٰ کی ترتیب

میں نے قرآن کی تمام آیتوں کو مضامین اور مطالب کے لحاظ سے دو سو ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ سورتوں کو بھی

علحدہ ابواب قرار دے کر ان میں وہ رکوع نقل کردئے ہیں جو کسی اور باب میں مضمون کے لحاظ سے پورے پورے درج نہیں ہوے تھے۔ مضامین کے دو سو۲۰۰ ابواب انیس۱۹ حصوں میں اور سورتوں کے ایک سو چودہ۱۱۴ باب سات حصوں یا منزلوں میں تقسیم کئے گئے ہیں۔ مکی سورتوں اور مضامین کے مجموعہ کو مکی کتاب اور مدنی سورتوں اور مضامین کے مجموعہ کو مدنی کتاب سے موسوم کیا گیا ہے۔ ضخامت کے بڑھ جانے کی وجہ سے مکی کتاب دو جلدوں میں ہوگی اور غالباً مدنی کتاب کو بھی دو جلدوں میں منقسم کرنا پڑیگا۔ مقدمہ، تفصیلی فہرستیں، انڈکس (کشافیہ)، نقشے اور مقامات کی تصاویر وغیرہ ایک علحدہ جلد میں ہونگی جس کا نام کشاف الہدیٰ ہوگا۔

مکی کتاب کی ترتیب حسب ذیل ہے:۔

جلد ۱ - حصہ ۱ - خالق و مخلوقات

۲ - قصص

۳ - پیغمبر آخر الزماں

جلد ۲ - ۴ - چل سورہ یعنے نزول کے لحاظ سے قرآن کی پہلی چالیس سورتیں

۵ - معتقدات

۶ - قرآن کی دوسری نزولی منزل یعنے اکتالیس۴۱ سے اکاون۵۱ تک کی سورتیں

۷ - اعمال

۸ - قرآن کی تیسری نزولی منزل یعنے باون۵۲ سے پینسٹھ تک کی سورتیں

۹ - عالم معاد

۱۰ - قرآن کی چوتھی نزولی منزل یعنے آخری مکی سورتیں چھیاسٹھ۶۶ سے چھیاسی۸۶ تک

۱۱ - عہد مکہ

مدنی کتاب کے حصے حسب ذیل ہیں۔

جلد ۳ - حصہ ۱۲ - عبادات

۱۳ - جہاد

۱۴ - قرآن کی پانچویں نزولی منزل یعنے مدینہ کی پہلی پانچ سورتیں

۱۵ - غزوات (بدر، احد، احزاب)

۱۶ - بنی اسرائیل (غزوۂ بنی نضیر و بنی قریظہ وغیرہ)

۱۷ - فتح (حدیبیہ و خیبر و منافقین وغیرہ)

۱۸ - آخری غزوے (فتح مکہ، حنین، طایف، تبوک، نصاریٰ وغیرہ)

۱۹- قرآن کی چھٹی نزولی منزل یعنے مدینہ کی وسطی سورتیں

۲۰- اخلاق

۲۱- تدبیر منزل

۲۲- معاملات

۲۳- سیاسیات

۲۴- رسول اللہ صلعم اور آپ کے معاصرین

۲۵- حجۃ الوداع و وصال رسول اکرم صلعم

۲۶ قرآن کی ساتویں نزولی منزل یعنے آخری سورتیں

مذکورہ تفصیل کا اجمال یہ ہے کہ مکی کتاب میں عقائد، قصص اور عہد مکہ کے حالات بیان ہوئے ہیں۔ مدنی کتاب عبادات معاملات اور عہد مدینہ کی تاریخ پر مشتمل ہے۔

عقائد۔ قرآن پانچ چیزوں پر ایمان لانے کی تعلیم دیتا ہے:۔

وجود و توحید باری تعالیٰ، ملائکہ، انبیاء و رسل، الہامی کتب، روز جزا۔

ان میں توحید ہی قرآن کی خاص الخاص تعلیم اور ازالۂ شرک اس کا مہتم بالشان مقصد ہے۔ جو شخص خدا کے وجود کا قائل ہو اور اسے واحد اور لاشریک یقین کرے وہ مومن ہے۔ جو خدا کا کسی کو کسی طرح سے بھی شریک بنائے وہ مشرک اور کافر ہے۔ قرآن کا یہ اعلانِ عام ہے کہ:۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ⓵	بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین (یعنے ہر قوم و مذہب والے) جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لائے اور اچھے کام کرتے رہے تو ان کے لئے ان کا اجر ان کے پروردگار کے ہاں ہے۔ اور ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے ⓵ ع بقرہ ۸

مذکورہ آیت میں "جو لوگ ایمان لائے" سے مراد عرفی مسلمان ہیں۔ قرآن میں تقریباً ہر جگہ مسلمانوں کو اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے خطاب کیا گیا ہے۔ ایمان لائے ہوئے لوگوں کو یہ کہنا کہ اگر تم اللہ پر ایمان لاؤ تو اللہ کے ہاں تمھارے لئے اس کا اجر ہے، بادی النظر میں محلِ بحث بات معلوم ہوتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں میں بھی جو مومن کہلاتے اور اپنے آپ کو مومن سمجھتے ہیں، اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں جو مومن کہلانے کے مستحق نہیں۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا ۖ قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَ	عرب کے دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے (اے محمدؐ ان)

لٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ط — کہدو کہ تم ایمان نہیں لائے لیکن (یوں) کہو کہ ہم اسلام لے آئے اور ایمان تو ہنوز تمہارے دلوں میں داخل ہوا ہی نہیں ۞ ع

حجرات ۱۰۶-

مسلمان، یہود اور عیسائی جو اہلِ کتاب اور تین جلیل القدر پیغمبروں کے متبع ہیں اور جداگانہ شریعتیں رکھتے ہیں، صابی جو نہ کسی پیغمبر کے پیرو، نہ اہلِ کتاب اور نہ صاحبِ شریعت، یہ فلسفیانہ عقائد کے لوگ تھے، غرض ہر قوم و مذہب والے اگر اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لائے اور اچھے کام کرتے رہے تو وہ اپنے کئے کا اجر اپنے پروردگار کے ہاں پائیں گے۔ انسان کی اخلاقی زندگی کا دارومدار اللہ اور روزِ آخرت کے عقیدہ پر ہے۔ ذرا انسان کے دل سے یہ عقیدہ نکال ڈالئے اور پھر دیکھئے کہ وہ شتر بے مہار کی طرح ہر قسم کی ذمہ داریوں کو کس بے پروائی سے ٹھکرا دیتا ہے۔ اگر کسی متمدن قوم کے اکثر افراد حکومت کی سزا کے خوف سے ارتکابِ جرائم سے بچتے ہیں تو اس سے نہ حقیقی امن وامان قایم ہو سکتا ہے اور نہ انسان کے اخلاق کی صحیح صحیح اصلاح ہو سکتی ہے۔ کیونکہ حکومتوں کے قوانین انسان کے دلوں سے کچھ تعلق نہیں رکھتے۔ یہ تو خدا کے وجود کا اقرار اور اعتراف ہی ہے جو دلوں پر حکومت کرتا اور انسان کو بداخلاقیوں کے ارتکاب تو ارتکاب اس کے قصد، ارادہ اور خیال تک سے بھی بچاتا ہے۔ تمام دنیوی قوانین کی بنیاد انہی اخلاقی اصول پر مبنی ہے جن کی تعلیم مذہب نے دی ہے۔ خدا اور روزِ جزا پر ایمان لانے کے ساتھ اس بات کا اعتراف بھی کرنا پڑتا ہے کہ خدا نے انسان کو اپنے اعمال کا ذمہ دار بنا دیا، باصطلاح مذہب اس کو مکلف ٹھیرا دیا تو بذریعۂ وحی اور بواسطۂ انبیاءؑ انسان کو اس کی تعلیم بھی دیدی کہ فلاں فلاں عملِ صالح یعنے اچھے کام ہیں اور فلاں فلاں جرایم یا برے کام ہیں۔

فرشتوں پر ایمان لانا تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ گو تمام مذاہب کے لوگ ایک پاک اور برتر وجود کے جو زمین، آسمان اور ساری کائنات پر مسلط اور حکمراں ہے، قائل تھے مگر اس اعتراف میں بہت بڑا نقص یہ تھا کہ وہ اس کو دنیوی حکمرانوں کی طرح سمجھتے اور خیال کرتے تھے کہ جس طرح دنیوی حکومت میں وزرا وغیرہ بادشاہوں کا ہاتھ بٹاتے ہیں اسی طرح خدا کی حکومت میں بھی خدا کی مانند مگر اس سے کسی قدر کم اور ہستیاں بھی ہیں جو نظامِ قدرت میں اس کی شریک اور سہیم ہیں۔ وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ ماتحتی خداوند ہر قسم کی حاجت روائی کر سکتے ہیں۔ اسی عقیدہ کی وجہ سے وہ ان ماتحتی خداوندوں کی پرستش بھی کرتے تھے۔ قرآن نے ان تمام باطل عقائد کی تردید کر دی اور یہ اعلان کر دیا کہ خدا ایک ہے، یکتا ہے، بے مثل ہے، کوئی اس کے کام میں شریک نہیں۔ کوئی اس کا مشیر اور مددگار نہیں اور کوئی اس کا نائب اور قایم مقام نہیں۔ کفار جن روحوں کو دنیا کے کاروبار کے مختلف صیغوں پر مسلط اور حکمراں سمجھتے، ان کو خدا کا شریک بناتے اور دیوتا یا ماتحتی خداوند سمجھ کر ان کی پرستش کرتے تھے، قرآن نے ان سب کو باطل کر دیا اور اصل حقیقت ظاہر کر دی کہ خدا کی مخلوق میں روحیں بھی ہیں اور بعض روحوں سے جو ملائکہ یا فرشتے ہیں، دنیا اور آخرت کے مختلف کام متعلق بھی ہیں مگر یہ روحیں نہ تو کسی کو نفع پہنچا سکتی ہیں نہ نقصان اور نہ خدا کی جناب میں بغیر اس کی اجازت کے کسی کی سفارش ہی کر سکتی ہیں۔ فرشتے نہ کسی قسم کی ذاتی حیثیت رکھتے ہیں اور نہ ذاتی اختیار، وہ خدا کا فقط ایک امر یا حکم ہیں اور بس۔

مسلمانوں کے لئے عقائد کی تعلیم کا اصل سرچشمہ قرآن اور فقط قرآن ہی ہے۔ قرآن پر ایمان لانے کے معنے یہ ہیں کہ جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہے وہ خدا کا کلام ہے، اس کو سچ جانیں اور اس پر عمل کریں۔ یہ بھی ہمارے عقیدہ کا جز لازم ہے کہ رسول اللہ صلعم پر جو کچھ بذریعۂ وحی نازل ہوا تھا وہ سب کا سب بے کم و کاست بعینہٖ قرآن میں موجود ہے۔ عقاید کے بارے میں ہمارے لئے یہ ایک بہت بڑی آسانی ہے کہ ہم کسی ایسے عقیدے کے ماننے پر مجبور نہیں ہیں جو قرآن میں مذکور نہیں۔ اسی اصول کی بنا پر میں نے معتقدات کی آیات کی تفسیر میں خارجی اقوال سے ان کی تشریح نامناسب سمجھ کر فقط قرآن ہی سے مدد لی ہے۔

قصص قرآن کا تقریباً تین چوتھائی حصہ قصص سے بھرا ہوا ہے۔ ان قصوں کے بیان کی غرض محض قصہ یا تاریخ گوئی نہیں ہے بلکہ لوگوں کو عبرت دلانا اور سبق سکھانا مقصود ہے

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ — (اے محمد) یہ غیب کی خبریں ہیں جن کو ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں ⑨ ۱۲ع

لَقَدْ كَانَ فِىْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَىْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ⑦ — (اے محمد) کچھ شک نہیں کہ ان لوگوں کے قصوں میں عقل والوں کے لئے عبرت ہے۔ یہ (قرآن) کوئی بنائی ہوئی بات نہیں ہے بلکہ جو (کتابیں) اس سے پہلے (نازل ہوئی) ہیں ان کی تصدیق (کرتا) ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ایمان والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے ⑦ ۱۲ع یوسف ۵۵۔

چونکہ قرآن

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ⑤ ع مائدہ ۱۱۲۔ — ان کتابوں کی جو اس سے پہلے (نازل ہوئی) تھیں، تصدیق کرتا ہے اور ان کا مہیمن (یعنے محافظ بھی) ہے،

اس لئے اگر اس میں وہ تمام اگلے قصے اور اصولی باتیں جن کو خدا نے اگلی الہامی کتابوں میں نازل کیا تھا، نہوتے تو وہ ادھورا رہ جاتا۔ بیبل مجموعہ ہے عہدِ عتیق اور عہدِ جدید کا۔ اگلے قصے، تاریخانہ حالات، نصایح و مواعظ، اوامر و نواہی اور پیشین گوئیوں کے لحاظ سے اس مجموعہ کی کوئی ایک کتاب بھی جامع اور مکمل نہیں۔ البتہ اس کی ہر ایک پچھلی کتاب اپنی اگلی کتاب کے بعض مضامین کا ضمیمہ ہو سکتی ہے۔ اس کے برعکس قرآن الٰہیات، اخلاقیات اور مقدس تاریخ وغیرہ کا جامع اور کامل دفتر ہے۔ اس کا پڑھنے والا تمام اگلی مقدس کتابوں سے بالکل مستغنی ہے۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِىْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ⑪ — (اے محمد) اور پیغمبروں کے جو حالات ہم تم سے بیان کرتے ہیں ان سے ہم تمہارے دل کی ڈھارس بندھاتے ہیں اور ان میں (جو) حق بات تھی، وہ تمہارے پاس پہنچی اور مومنوں کے

لئے نصیحت اور یاد دہانی ہے ⑪ ع ہود ۵۰۔

کتاب الہدیٰ میں قصص کا حصہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ تمام قصے تاریخانہ سلسلے میں رکھے گئے ہیں۔ اس حصے کی تفسیر کے لئے ادبیات اسرائیلیہؔ میں سے توراۃ، نبیم اور کتبیم یعنے عہد عتیق کی تمام کتابوں کی تحقیقانہ ورق گردانی کی گئی ہے۔ ترگوم، مدارش اور تالمود کے رطب و یابس پر وقت نہیں ضائع کیا گیا۔ حضرت زکریاؑ، یحییٰؑ، مریمؑ اور عیسیٰؑ کے متعلق عہد جدید کی تمام کتابوں کا ناقدانہ مطالعہ کیا گیا ہے۔ روایتی واقعات پر تاریخی اور اثری روشنی ڈالنے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ اس حصۂ کتاب میں زمانہ قبل تاریخ سے رسول اللہ صلعم کی وفات مبارک تک کے تمدن کی مسلسل تاریخ درج ہے۔ مذہبی تخیلات اور عقاید کی تمام تدریجی ارتقائی منزلیں بیان کی گئی ہیں کہ انسان نے پہلے پہل کس طرح خدا کے وجود کا احساس کیا، اس کی خوشنودی اور رضامندی حاصل کرنے کے لئے کیا تدبیر کی، زمانے کے ساتھ ساتھ پرستش کے طریقے کس کس طرح بدلتے گئے، عقائد میں کیا کیا الٹ پھیر ہوتا گیا اور شریعت کس طرح بہ تدریج بنتی گئی یہاں تک کہ دنیا ترقی کرتی ہوئی اس درجے کو پہنچ گئی کہ اللہ کا آخری پیام اس کے آخری قاصد کے ذریعے نازل کردیا جاکر دین و شریعت کی ناکمل عمارت کی تکمیل کردی جائے اور دنیا کو ایک ایسا مکمل ہدایت نامہ عطا کردیا جائے جو ہمیشہ ان کی رہنمائی کرتا رہے اور قیامت تک کسی اور ہدایت نامہ اور رہنما کی ضرورت نہ ہو۔

پیغمبر آخرالزماں اور قرآن دوسرے حصے میں تمدن اور مذہب کی مسلسل تاریخ کے مطالعہ کے بعد یہ معلوم ہوگا کہ چھٹی صدی عیسوی میں دنیا اور اہل دنیا کی کیا حالت تھی اور ایک اخلاقی انقلاب کی کس قدر شدید ضرورت تھی۔ اس تفصیلی مطالعہ کے بعد ہر ایک ناظران واقعات و حالات کا اچھی طرح موازنہ کرسکتا ہے جو تیسرے حصے میں پیغمبر آخرالزماں و نزول قرآن کے عنوان میں بیان ہوئے ہیں۔

چہل سورہ رسول اللہ صلعم کا بروقت ورود مسعود، بعثت کا حال اور نزول وحی کی کیفیت وغیرہ معلوم کرنے کے بعد خود بخود اس کا اشتیاق ہوتا ہے کہ آؤ دیکھیں ابتدائے رسالت میں کونسی سورتیں نازل ہوئیں، ان میں کن باتوں کا مذکور ہے، تبلیغ دین کس پیرایہ میں کی گئی ہے، کفار کی کن بداخلاقیوں پر لعنت و ملامت ہوئی ہے اور کن دلائل سے خدا کی واحدانیت اور شرک کی برائیاں ثابت کی گئی ہیں؟ اسی لئے چوتھے حصے میں قرآن کی پہلی چالیس سورتیں نزولی ترتیب میں مرتب کردی گئی ہیں۔ بجز سورۂ اعراف (۳۶) کے جو چوبیس رکوع کی سورۃ ہے باقی تمام سورتیں ایک سے پانچ رکوع کی ہیں۔ سورۂ اعراف (۳۶) کے سترہ رکوع مضامین کے ابواب میں پورے پورے نقل ہوچکے ہیں اس لئے ان کو دوبارہ سورۂ اعراف (۳۶) کے باب میں نقل نہیں کیا گیا۔ اس باب میں باقی سات رکوع درج ہوئے ہیں۔ نزولی ترتیب کا یہ حصہ چار پاروں کے برابر ہے اسکو ایک منزل قرار دیا گیا ہے۔

ؔ ادبیات اسرائیلیہ سے مراد توراۃ، نبیم، کتبیم، ترگوم، مدارش اور تالمود ہے۔ توراۃ حضرت موسیٰ کی پانچ کتابوں پیدائش، خروج، اخبار، اعداد، استثنا کو کہتے ہیں۔ یہ عہد عتیق کا پہلا سلسلہ ہے۔ نبیم میں یوشع، قضاۃ، سموئیل، اول و دوم، ملوک اول و دوم، یشعیاہ، یرمیاہ، حزقیل اور بارہ چھوٹے پیغمبر ہیں۔ یہ عہد عتیق کا دوسرا سلسلہ ہے۔ کتبیم میں زبور، امثال سلیمان، ایوب، رعوت، نوحہ یرمیاہ، واعظ، آستر، دانیال، عزرا، نحمیاہ، ایام اول و دوم یہ عہد عتیق کا تیسرا سلسلہ ہے۔ ان تینوں سلسلوں کے مجموعہ کو عہد عتیق کہتے ہیں۔ ترگوم توراۃ، نبیم اور کتبیم کی تفسیر و توضیح کا نام ہے۔ آئمہ یہود نے انبیاء کی زبانی روایات کی بنا پر تفسیر کی ہے۔ مدارش درجے میں ہمارے ہاں کی احادیث کی طرح ہے۔ تالمود اسرائیلی فقہ ہے جو کتب سابقہ پر مبنی ہے۔ ترگوم، مدارش اور تالمود ہر قسم کے رطب و یابس اور گپوں سے مملو ہیں۔

ایک زمانے سے پنج سورہ کا رواج چلا آتا ہے، سورۂ یٰسٓ، الرحمٰن، تبارک الذی، واقعہ، مزمل علحدہ چھپوایا جاتا ہے اور لوگ اس کو قرآن کے انتخاب کے طور پر پڑھا کرتے ہیں۔ بعض نے ان پانچ سورتوں میں سورۂ فتح اور نبا کا اضافہ کرکے ہفت سورہ کردیا۔ پھر ان میں اخلاص، فلق اور ناس کا اضافہ کرکے دہ سورہ کردیا گیا۔ بچوں کی تعلیم کے لئے پارۂ عم کو الٹ کر چھپوایا جاتا ہے تاکہ بچے چھوٹی چھوٹی سورتوں سے ترقی کرتے ہوئے بڑی بڑی سورتوں کو پڑھنے کے قابل ہو جائیں۔ میرے خیال میں ہر ایک مبتدی کے لئے چاہئے وہ بچہ ہو یا جوان یا بوڑھا، نزولی ترتیب میں چہل سورہ سے بہتر قرآن کا انتخاب نہیں ہو سکتا۔

یہ مسلم ہے کہ مکی سورتیں مدنی سورتوں سے زیادہ فصیح و بلیغ ہیں اور پھر مکی سورتوں میں بھی ابتدائی سورتیں آخری سورتوں سے زیادہ فصاحت و بلاغت میں ڈوبی ہوئی ہیں ان ہی ابتدائی آیات نے کفار عرب کے دلوں پر اسلام کا سکہ بٹھا دیا تھا۔ قرآن نے عربوں کی فصاحت و بلاغت کا سارا دم دعویٰ بھلا دیا۔ قرآن کو سن کر ایسی چپ سادھی کہ گویا کسی کے موبنہ میں زبان ہی نہ تھی۔

ہر چیز کا پہلا اثر بہت ہی گہرا اور دیرپا ہوتا ہے۔ جب ایک بار کسی چیز کا حسن و قبح صفحۂ دل پر منقوش ہو جاتا ہے تو پھر مشکل سے وہ نقوش مٹائے جا سکتے ہیں۔ خدا کا کلام بھی اسی اصول پر نازل ہوا ہے۔ اس لئے میں نزولی چہل سورہ کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہوں۔ حسن اتفاق سے دوسری جلد کا آغاز چہل سورہ ہی سے ہوا ہے۔ اسی جلد میں تمام مکی سورتیں نزولی ترتیب میں ختم ہو جاتی ہیں۔

عبادات و معاملات مذہب کے دو حصے ہیں عقائد۔ اعمال۔ اعمال کی دو قسمیں ہیں عبادات اور معاملات۔ عقائد کا علم حاصل کرنے کے لئے ہم قرآن کے سوا کسی اور کتاب کے محتاج نہیں۔ عبادات کے متعلق قرآن میں جو احکام ہیں وہ مجمل ہیں۔ ان کی تفصیلی کیفیت اور ان کے ادا کرنے کے طریقے رسول اللہ صلعم کے قول اور فعل سے معلوم کئے جاتے ہیں۔ ہم پر کوئی ایسی عبادت فرض نہیں جو قرآن میں مذکور نہیں۔ رسول اللہ صلعم نے کسی ایسی عبادت کا حکم نہیں دیا جس کا ذکر قرآن میں نہ آیا ہو۔ آپ کی احتیاط آپ کے اس ارشاد سے ظاہر ہے:۔

"جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات نکالی جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے[1]"

اسی طرح معاملات کے احکام بھی قرآن میں مجمل ہیں۔ رسول اللہ صلعم نے ان کی توضیح، تفصیل اور تحدید و تعیین فرمادی ہے۔ آپ نے اپنی طرف سے بھی چند احکام نافذ فرمائے ہیں جو قرآن میں مذکور نہیں۔

حدیث بہر حال قرآن پر ہمارا ایمان ہے اور سنت نبوی پر عمل ہے۔ رسول اللہ صلعم کے قول، فعل، سیرت، حال اور تقریر کو عرف عام میں حدیث کہتے ہیں۔ سیرت سے مراد آپ کے خصائل ہیں۔ تقریر سے کہتے ہیں کہ مثلاً کسی شخص نے آپ کے روبرو کوئی کام کیا یا کوئی بات کہی اور آپ اس سے مطلع ہوئے اور سکوت فرمایا تو اس کام یا بات کے جائز ہونے کا ثبوت آپ کے سکوت سے ملا گو آپ کے قول یا فعل سے اس کا جواز ثابت نہیں۔ اس جگہ آپ کے منع نہ فرمانے یا انکار نہ کرنے اور سکوت کرنے کو تقریر کہینگے۔

صحابہؓ کو یہ زرین موقع حاصل تھا کہ وہ آپ سے ہر ایک بات سیکھ لیتے، لیکن صحابہ کچھ تو فرط ادب سے اور کچھ اس لئے کہ

---

[1] مشکوٰۃ: باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ (رواہ بخاری و مسلم)

قرآن نے سوالات کرنے کی ممانعت کر دی تھی آپ سے بہت کم مسائل دریافت کرتے تھے۔ عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ نے رسول اللہ صلعم سے فقط تیرہ مسائل دریافت کئے تھے جو کل کے کل قرآن میں مذکور ہیں[1]۔ نواس بن سمعانؓ کہتے ہیں کہ جب لوگ آپ کے پاس سے رخصت ہوتے تھے تو کچھ پوچھ کر نہیں جاتے تھے۔ مجھے گناہ اور ثواب کی حقیقت معلوم کرنی تھی، اس کے لئے میں نے ایک سال تک قیام کیا اس کے بعد آپ سے دریافت کیا[2]۔

صحابہؓ اپنی خانگی ضروریات کی وجہ سے ہر وقت حاضر خدمت نہیں رہتے تھے۔ جو صحابہؓ مدینہ سے باہر رہتے تھے ان کو بھی ہر وقت اس کا موقع نہیں مل سکتا تھا اس لئے ان کے پاس احادیث کا جو ذخیرہ تھا وہ یکساں نہ تھا۔ کوئی بات کسی کو معلوم تھی تو کوئی بات کسی اور کو۔ رسول اللہ صلعم کی وفات نے صحابہؓ کو فیض صحبت سے محروم کر دیا۔ اب وہ مشکواۃ نبوت سے اقتباس نور نہیں کر سکتے تھے لیکن انھوں نے اس کان سعادت کے موتیوں کی تلاش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ تکلیفیں اٹھائیں، مصیبتیں برداشت کیں، ایک ایک حدیث کے لئے سیکڑوں کوس کا سفر کیا۔ جو صحابہؓ اس روحانی خزانے کے خازن تھے وہ نہایت شوق کے ساتھ لوگوں کا دامن طلب دولت سعادت سے پر کر دیتے تھے۔

کوئی نئی بات پیش آجاتی اور اس کے متعلق قرآن میں کچھ صراحت نہ ہوتی تو احادیث کی تلاش ہوتی، لیکن جن باتوں کے متعلق سرے سے احادیث موجود ہی نہ تھیں ان کے تصفیہ کا طریقہ استنباط و اجتہاد تھا۔ اگر انفرادی غور و فکر سے وہ مسئلہ حل نہ ہوتا تو صحابہؓ کے سامنے پیش ہوتا اور سب کے مشورے اور اجماع سے طے کیا جاتا تھا۔

صحابہؓ تمام ممالک مفتوحہ میں پھیل گئے تھے۔ ان سے وہ لوگ جنھوں نے رسول اللہ صلعم کی فیض صحبت کی دولت نہیں حاصل کی تھی یا آپ کا پرسعادت زمانہ نہیں پایا تھا، حدیث کی تعلیم حاصل کرتے اور پھر خود دوسروں کو تعلیم دیتے تھے۔ صحابہؓ کے بعد جب تابعینؒ کا زمانہ آیا تو انھوں نے صحابہ سے حاصل کی ہوئی احادیث سے تبع تابعین کو مالا مال کر دیا۔ اس وقت گھر گھر تعلیم و تعلم کا چرچہ تھا۔ ہر شہر میں متعدد ائمہ اور علما پیدا ہو گئے تھے جن کے پاس لوگ مسایل دریافت کرنے جاتے تھے۔ صحابہ اور کبار تابعینؒ کے زمانے میں اگرچہ احادیث اور فقہ کی کثرت سے اشاعت ہوئی مگر یہ سب کچھ زبانی تھا۔ تابعینؒ کے آخر زمانے میں ۱۰۰ھ ہجری کے بعد احادیث کی تدوین اور ترتیب شروع ہوئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے زمانۂ خلافت میں تمام ممالک میں احادیث کی تدوین کے احکام نافذ کر دئیے۔ قاضی سعد بن ابراہیمؒ جو مشہور محدث اور مدینہ کے قاضی تھے اس کام پر مامور ہوئے۔ علامہ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں:-

"سعد بن ابراہیمؒ کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے ہم کو احادیث جمع کرنے کا حکم دیا، ہم نے احادیث کے دفتر کے دفتر لکھے۔ عمر نے اپنے ممالک میں ایک ایک دفتر بھیج دیا[3]۔"

اس میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کس نے حدیثیں جمع کیں۔ بعض ربیع بن صبیحؒ کا نام لیتے ہیں اور بعض سعید بن عروبہؒ کا اور بعض نے اس سلسلہ میں زہریؒ کو بھی داخل کر دیا ہے۔ امام مالکؒ نے مدینہ میں موطا لکھی۔ اس میں اہل حجاز کی صحیح احادیث کو جمع کر دیا۔ ابو محمد عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریجؒ نے مکہ میں اور ابو سلمہ حماد بن سلمہ بن دینارؒ نے بصرہ میں احادیث کو مدون کیا۔ اس کے بعد کثرت سے جوامع،

---

[1] مسند دارمیؒ صفحہ ۲۹۔ [2] مسلم باب تفسیر البر والاثم۔ [3] بیان العلم مطبوعہ مصر صفحہ ۳۶

مسانید اور سنن لکھی گئی ہیں۔ عبید اللہ بن موسیٰ عیسیٰ کوفیؒ، مسدد بن مسرہد بصریؒ، اسد بن موسیٰ امویؒ، نعیم بن حماد خزاعیؒ مقیم مصر، امام احمد بن حنبلؒ۔ اسحٰق بن راہویہؒ، عثمان بن ابی شیبہؒ اور ابوبکر بن ابی شیبہؒ کے مسانید بہت مشہور ہیں۔

اسی اثنا میں علماء نے احادیث کی جانچ پڑتال کی طرف توجہ کی اور اس کے قوانین مدون کئے اور یہ اصولِ حدیث کے نام سے مشہور ہوئے۔ امام سیوطیؒ تدریب الراوی میں لکھتے ہیں :۔

"علوم حدیث کے انواع بے شمار ہیں، حازمی نے کتاب العجالہ میں لکھا ہے کہ علم حدیث بہت سے انواع پر مشتمل ہے جو سَو تک پہنچتے ہیں، ہر نوع ایک مستقل علم ہے۔"

علماء نے علومِ حدیث کی ہر نوع پر متعدد کتابیں لکھی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے قاضی ابو محمد رامہرمزیؒ نے اصولِ حدیث پر قلم اٹھایا تھا۔ امام سیوطیؒ تدریب الراوی میں لکھتے ہیں :۔

"شیخ الاسلامؒ (ابن حجر) نے کہا ہے کہ سب سے پہلے جس نے اصطلاح (یعنے اصولِ حدیث) پر تصنیف لکھی وہ قاضی ابو محمد رامہرمزیؒ ہیں۔ اس کا نام المحدث الفاصل ہے، مگر انھوں نے تمام مسائل نہیں لکھے۔ حاکم ابو عبداللہ نیشاپوری نے بھی تصنیف لکھی مگر انھوں نے اس کو مہذب مرتب نہیں کیا۔ ان کے بعد ابو نعیم اصفہانی آئے، انھوں نے ان کی کتاب پر ایک مستخرج لکھا اور بہت سی باتیں آنے والوں کے لئے چھوڑ دیں۔ ان کے بعد خطیب بغدادی آئے اور قوانینِ روایت میں ایک کتاب لکھی اور اس کا نام الکفایہ رکھا، آدابِ روایت میں بھی ایک کتاب لکھی، اس کا نام الجامع لاداب الشیخ والسامع رکھا۔ فنونِ حدیث میں بہت کم کوئی ایسا فن ہوگا کہ جس پر خطیب نے کوئی کتاب نہ لکھی ہو، بیشک وہ ایسے ہی تھے جیسا حافظ ابوبکر بن نقطہ نے کہا ہے کہ اہلِ انصاف جانتے ہیں کہ خطیب کے بعد تمام محدثین ان کی کتابوں کے محتاج ہیں۔ پھر قاضی عیاض نے الماع لکھی، ابو حفص میانجی نے مالایسع المحدث جہلہ تصنیف کی یہاں تک کہ حافظ امام تقی الدین ابو عمرو عثمان بن صلاح شہرزوری مقیم دمشق تشریف فرما ہوئے اور جب مدرسہ اشرفیہ میں تدریس حدیث کی خدمت پر فائز ہوئے تو انھوں نے اپنی مشہور کتاب (یعنے مقدمہ ابن صلاح) لکھی۔"

اکثر لوگوں نے احادیث کی تدوین میں کامل احتیاط سے کام نہیں لیا تھا اس لئے اکثر کتبِ احادیث میں ہر قسم کی روایتیں جمع ہو گئی ہیں۔ علماء نے حدیث کی کتابوں کے چار طبقے قرار دئے ہیں۔ جن کتبِ احادیث کی روایتیں صحت کے اعلیٰ معیار پر ٹھیک اتر آئیں ان کو پہلے طبقے میں شمار کیا گیا ہے۔ موطا امام مالک، صحیح بخاری اور صحیح مسلم پہلے طبقے کی کتابیں ہیں۔ دوسرے طبقہ میں سننِ ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی اور مسندِ امام احمد داخل ہیں۔ تیسرے طبقہ میں طحاوی، طبرانی، ابو یعلیٰ، ابن ابی شیبہ وغیرہ کا شمار کیا گیا ہے ان میں صحیح، حسن، ضعیف، موضوع، شاذ، منکر ہر قسم کی حدیثیں جمع کر دی گئی ہیں۔ دوسرے اور تیسرے طبقے میں فرق یہ ہے کہ دوسرے طبقے کی کتابوں میں موضوع، منکر اور شاذ روایتیں نہیں ہیں۔ چوتھے طبقہ کی کتابوں مثلاً ابو نعیم، کامل ابنِ عدی، دیلمی، ابنِ حبان، زرقانی، ابنِ عساکر وغیرہ میں وہ روایتیں ہیں جن کو مشہور محدثین نے بالکل قابلِ التفات نہیں سمجھا تھا۔

کتب احادیث میں چھے کتابیں بہت زیادہ مشہور ہیں۔ ان کو صحاح ستہ کہا جاتا ہے:۔

"موطا امام مالک، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی"

امام مالکؒ (پیدائش ۹۵ھ ہجری، وفات ۱۷۹ھ ہجری) نے موطا میں اہلِ حجاز کی صحیح احادیث، صحابہؓ کے اقوال اور تابعین کے فتوے درج کئے ہیں۔ امام شافعیؒ کا قول ہے کہ کتاب اللہ کے بعد امام مالک کی موطا سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں۔

امام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ (پیدائش ۱۹۴ھ ہجری، وفات ۲۵۶ھ ہجری) نے چھے لاکھ احادیث میں سے چار ہزار صحیح احادیث کا انتخاب کرکے بخاری میں درج کیا ہے۔ یہ مسلم ہے کہ صحیح بخاری اصح الکتب ہے۔

امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج قشیری نیشاپوریؒ (پیدائش ۲۰۴ھ ہجری، وفات ۲۶۱ھ ہجری) نے تین لاکھ احادیث میں سے بارہ ہزار صحیح احادیث کا انتخاب کیا تھا۔ انہی منتخب احادیث کے مجموعہ کو صحیح مسلم کہتے ہیں۔ بخاری کے بعد صحیح مسلم کا درجہ ہے۔

ابوداؤد اشعث بن اسحٰق سجستانیؒ (پیدائش ۲۰۲ھ ہجری، وفات ۲۷۵ھ ہجری) نے پانچ لاکھ احادیث میں چار ہزار آٹھ سو حدیثیں انتخاب کرکے اپنی سنن میں درج کی ہیں۔

ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ (پیدائش ۲۰۹ھ ہجری، وفات ۲۷۹ھ ہجری) کی جامع ترمذی تکرار سے معرا ہے۔ اس میں وجوہِ استدلال، احادیث کی صحت، ضعف، غرابت اور راویوں کی کنیت، نام اور القاب بھی درج ہیں۔

ابوعبدالرحمٰن بن شعیب بن علی نسائیؒ (پیدائش ۲۱۵ھ ہجری، وفات ۳۰۳ھ ہجری) نے سنن نسائی کے علاوہ علم حدیث کی بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔

بعض علماء نے موطا امام مالکؒ کے بجائے ابنِ ماجہؒ کو صحاح میں شمار کیا ہے۔ ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابنِ ماجہ میں صحیح احادیث بھی ہیں، حسن بھی ہیں اور ضعیف بھی۔

مضامین کے لحاظ سے احادیث کی حسبِ ذیل آٹھ قسمیں ہیں۔

(۱) عقائد سے تعلق رکھنے والی حدیثیں۔

(۲) شرعی احکام یعنے عبادات اور معاملات کی احادیث۔ ان کو سنن بھی کہتے ہیں۔ فقہ کا دارومدار انہی احادیث پر ہے۔

(۳) رقاق یہ لفظِ رقیق سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں "نرم" رقاق ان حدیثوں کو کہتے ہیں جن سے انسان کے دل میں نرمی پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ سلوک، زہد، دنیا سے نفرت اور آخرت سے رغبت دلانے والی حدیثیں ہیں۔

(۴) آداب۔

(۵) تفسیرِ قرآن۔

(۶) فتن یعنے وہ احادیث جن میں قیامت تک پیدا ہونے والے فتنوں کا ذکر ہے۔ علاماتِ قیامت، دنیا اور حضرت آدمؑ کی پیدائش

اور قصص انبیا بھی اسی میں شامل ہیں۔

(۷) سیرۃ النبی صلعم۔ اس میں نبی صلعم کی سیرت اور ان واقعات کا ذکر ہے جو آپ کو زمانۂ نبوت میں پیش آئے۔

(۸) مناقب: ان میں صحابہؓ کے فضائل وغیرہ مذکور ہیں۔

محدثین نے سب سے زیادہ احادیثِ احکام کی چھان پھٹک کی ہے کیونکہ شریعتِ اسلام کا سارا دارومدار احکام ہی پر ہے۔ احکام سے کما حقہ واقف ہوئے بغیر ہم اللہ اور اس کے رسول کی پوری پوری اطاعت نہیں کرسکتے۔ محققین نے انہی احادیث کو ضروری اور واجب التعمیل سمجھا ہے جن سے قرآن کے کسی حکم کی توضیح، تفصیل، تحدید اور تعیین ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ اور جتنی احادیث تاریخی حالات وغیرہ کی ہیں ان کو سنن زوائد کا درجہ دیا ہے۔ تاریخی حالات، سیرت، مناقب وغیرہ کی حدیثیں احادیثِ احکام کی طرح اہمیت نہیں رکھتیں مگر لوگوں نے ان کو بھی احادیثِ احکام کی طرح ضروری اور اہم قرار دے لیا ہے۔

فقہ صحابہؓ کرام فقہ کی تعلیم رسول اللہ صلعم سے حاصل کرتے تھے۔ جو قبائل مدینہ سے باہر رہتے تھے ان کو حکم ہوا کہ ہر قبیلے سے ایک گروہ حاضرِ خدمت ہو کر دین میں تفقہ حاصل کرے:۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا	اور مناسب نہیں کہ مسلمان سب کے سب (اپنے گھروں
نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا	سے مدینہ کے لئے) نکل کھڑے ہوں تو ایسا کیوں نہیں کرتے
فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا	کہ ہر قبیلے میں سے کچھ لوگ نکلیں جو دین میں تفقہ حاصل کریں
إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿۱۲۲﴾	اور جب اپنی قوم میں واپس جائیں تو ان کو ڈرائیں شاید کہ
	وہ بھی (برے کاموں سے) بچیں ﴿۱۲۲﴾ ع ۵ توبہ ۱۱۲۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

عرب کے ہر قبیلے کی ایک جماعت نبی صلعم کے پاس آتی اور آپ سے دینی امور دریافت کرتی تھی اور دین میں تفقہ حاصل کرتی تھی۔[1]

رسول اللہ صلعم کے بعد مسائل شرعیہ کا دارومدار اکابر صحابہؓ کی ذات پر رہ گیا تھا۔ مشہور فقیہ صحابہؓ نے فقہی مسائل کی علمی و عملی تعلیم میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ کتبِ احادیث میں صحابہؓ کی اس قسم کی کوششیں بہ تفصیل مذکور ہیں کہ کس طرح انھوں نے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کے مسائل سکھائے اور ان کے ادا کرنے کے طریقوں کی عملی تعلیم دی۔

بعض بعض وقت ایسے مسئلے پیش آجاتے تھے کہ جن کے متعلق نہ تو کتاب اللہ میں کوئی صراحت تھی اور حدیثیں موجود تھیں۔ صحابہؓ اس قسم کے مسائل کے متعلق یا تو اپنے ذاتی اجتہاد سے کام لیتے تھے یا ان کو باہمی مشورے سے اجماعی طور پر طے کرتے تھے۔ ترمذی کی ایک روایت میں ہے:۔

عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا گیا کہ کسی نے نکاح کیا اور مہر مقرر نہیں کیا اور مجامعت سے پہلے مرگیا تو عبداللہ بن مسعودؓ

---

[1] خازن، تفسیر سورۂ توبہ۔

نے فرمایا کہ اس عورت کے لئے مہر مثل ہے، چار مہینے دس دن کی عدت ہے اور شوہر کے مال سے حصہ بھی پائیگی۔ معقل بن سنان اشجعیؓ نے کھڑے ہو کر کہا کہ رسول اللہ صلعم نے بھی بروع بنت واشق کے متعلق یہی حکم دیا تھا۔ عبداللہ بن مسعودؓ اس بشارت سے بے حد مسرور ہوئے۔[1]

اہل سنن اور احمدؒ نے بھی اس روایت کی تخریج کی ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ اس کے متعلق میں اپنی رائے سے کہتا ہوں اگر میری رائے درست واقع ہوئی تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر خطا ہوئی تو میری اور شیطان کی طرف سے ہوگی اللہ اور رسول اس سے بری ہیں۔ محدثین کا بیان ہے کہ اشجعیؓ کے قول کے بعد عبداللہ بن مسعودؓ کی خوشی کا باعث یہ تھا کہ ان کا اجتہادی فتویٰ رسول اللہ صلعم کے حکم کے موافق واقع ہوا تھا۔

فقہائے صحابہؓ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور ان کے تلامذہ بہت زیادہ مشہور ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کوفہ میں درس دیا کرتے تھے۔ آپ پہلے صحابی ہیں کہ آپکے فتاویٰ اور احکام کو آپ کے شاگردوں نے قلم بند کر لیا تھا۔ علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:۔

"صحابہؓ میں ابن مسعودؓ کے سوا کسی اور صحابی کے شاگردوں نے ان کے فتاوی اور احکام کو قلم بند نہیں کیا۔"[2]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ مدینہ میں تعلیم دیتے تھے۔ ابوبکر محمد بن موسیٰؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے فتاویٰ کو بیس جلدوں میں جمع کیا ہے۔

موجودہ فقہی مذاہب اربعہ میں فقہ حنفی صرف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فتاویٰ اور احکام پر مبنی ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ (پیدائش ۸۰ھ ہجری، وفات ۱۵۰ھ ہجری) حمادؒ کے مایۂ ناز شاگرد تھے، حماد، ابراہیم نخعیؒ کے جانشین تھے۔ ابراہیم نخعیؒ، علقمہؒ کے قائم مقام تھے۔ علقمہؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ مشہور ہوئے۔ امام ابوحنیفہ پہلے امام ہیں جنھوں نے فقہ کی باقاعدہ اصولی تعلیم کی بنیاد ڈالی، فقہ کے اصول و ضوابط قرار دئے اور شریعت کے آئین و قوانین مقرر کئے۔ امام صاحبؒ کی فقہ کی بنیاد قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس یعنے جو کتاب، سنت اور اجماع سے مستنبط ہو اور تحرّی اور استصحاب حال اس کے تابع ہو، پر قائم ہے۔ امام صاحبؒ کا طریقۂ اجتہاد اور استخراج و استنباط مسائل اس قدر مقبول اور مشہور رہا کہ کوفہ کے فقہا نے آپکے فتاویٰ اور احکام کی پیروی اختیار کر لی۔ شہر کے قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ بھی آپ کے حلقۂ درس میں داخل ہوگئے اور بہت جلد عراق، خراسان اور ماوراء النہر میں فقہ حنفی کا رواج ہوگیا۔ یہ مشہور ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے فقہ کا کھیت بویا، علقمہؒ نے اس کو سینچا، ابراہیم نخعیؒ نے کاٹا، حمادؒ نے دانوں کو بھوسی سے جدا کیا، ابوحنیفہؒ نے پیسا، ابو یوسفؒ نے گوندھا، محمد بن حسنؒ نے روٹیاں پکائیں اور تمام لوگ اس کے کھانے والے ہیں۔[3]

امام مالکؒ (پیدائش ۹۵ھ ہجری، وفات ۱۷۹ھ ہجری) کی فقہ کی بنیاد حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ

---

[1] ترمذی، ابواب النکاح۔ [2] اعلام الموقعین، مطبوعہ احسن المطابع، صفحہ ۱۷۔ [3] در المختار، جلد ۱، صفحہ ۳۔

کے احکام پر قایم ہے۔ آپ نافعؒ کے شاگرد تھے اور نافعؒ عبداللہ بن عمرؓ کی روایتوں کے حافظ تھے۔ آپ نے سعید بن مسیبؒ، عروۃؒ اور قاسمؒ کی بھی شاگردی کی تھی۔ یہ تینوں بزرگ حضرت زید بن ثابتؓ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ آپ کی موطا بے حد مقبول ہوئی تھی۔ آپ کے شاگردوں نے آپ کی فقہ کے اصول کو ترتیب دیا اور فتاویٰ اور احکام کی شرح لکھیں۔ آپ کی فقہ زیادہ تر نواحِ مغرب میں مروج ہوئی۔

امام شافعیؒ (پیدائش ۱۵۰ھ ہجری، وفات ۲۰۴ھ ہجری) کی فقہ زیادہ تر امام مالکؒ کے فتاویٰ اور احکام پر مبنی ہے۔ آپ نے پہلے اصول حدیث پر ایک کتاب لکھی اور پھر انہی اصول پر اپنی فقہ کی بنیاد رکھی۔

امام حنبلؒ (پیدائش ۱۶۴ھ ہجری، وفات ۲۴۱ھ ہجری) کی فقہ امام شافعیؒ کے طریقِ اجتہاد پر قایم ہے۔ آپ مشہور محدث تھے۔ خود امام شافعیؒ آپ کے تبحر کے معترف تھے۔ ابو داؤدؒ نے اپنی سنن امام حنبلؒ کو دکھا کر سند پسندیدگی حاصل کی تھی۔

آیمہ اور فقہاء کے احکام اور فتاویٰ میں جو منصوص کا درجہ رکھتے ہیں یعنے قرآن اور صحیح احادیث سے ماخوذ ہیں ان کے صحیح اور معتبر ہونے میں کوئی شبہ نہیں لیکن جو احکام ان کے ذاتی اجتہاد کا نتیجہ ہیں ان کو نصوص صحیحہ کی طرح قطعیت حاصل نہیں۔ آیمہ اربعہ کو صحیح احادیث کا پورا پورا ذخیرہ نہیں ملا تھا اس لئے ان کو ذاتی اجتہاد سے کام لینا پڑا۔ خود آیمہ اربعہ نے کسی مسئلے کے متعلق حدیث نہ ملنے کی صورت میں اپنے ذاتی اجتہاد سے جو حکم دیا تھا حدیث ملنے کے بعد اس حکم کو منسوخ کر دیا اور حدیث کے مطابق حکم دیا ہے۔ یہ بھی محقق ہے کہ آیمہ اربعہ نے یہ فرمادیا ہے کہ جب کبھی کسی مسئلے کے متعلق صحیح اور معتبر حدیث مل جائے اور ہمارے اقوال اس حدیث کے معارض ہوں تو حدیث پر عمل کیا جائے۔ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے صحیح احادیث کو اکٹھا کر دیا ہے اور ہر شخص کے لئے خزانۂ نبوت کا دروازہ کھولدیا ہے۔ اب ہر کس و ناکس اس کانِ سعادت سے بہرہ ور ہو سکتا ہے۔ ابان بن عثمانؓ سے مروی ہے :۔

"رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ اس بندے کو خوش رکھے جس نے میری کوئی بات سنی پھر اس کو یاد رکھا اور ہمیشہ یاد رکھا اور اس کو جیسا سنا تھا ویسا ہی (لوگوں کو) پہنچا دیا۔ بہت سے حاملِ فقہ، فقیہ نہیں ہوتے اور بہت سے حاملِ فقہ اس کو اپنے سے زیادہ فقیہ کو پہنچا دیتے ہیں[۱]"

تحقیقِ مسایل عبادات کے ابواب پر میں نے جو فوائد لکھے ہیں ان میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج کے متعلق تمام ضروری مسایل وضاحت کے ساتھ بیان کر دئے ہیں۔ یہ آسان تھا کہ میں کسی فقہ کی کتاب سے تمام مسایل من و عن نقل کر دیتا مگر میں نے ایسا کرنا مناسب نہیں سمجھا بلکہ ہر مسئلہ کے متعلق میں نے تحقیق کی ہے کہ وہ کس حد تک قرآن اور احادیث سے تعلق رکھتا ہے، اس کے متعلق صحابہؓ کی کیا رائے ہے اور فقہا نے اس میں کس حد تک قیاس اور اجتہاد سے کام لیا ہے۔ ہر فرع کی میں نے تشریح کر دی ہے، مذاہب اربعہ کے احکام بیان کر دئے ہیں اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ اس بارے میں صحیح حدیث کیا ہے۔

عبادات کی طرح معاملات میں بھی میں یہی کرنا چاہتا تھا مگر معاملات کا صیغہ اس قدر وسیع ہے کہ اس کے وہ تمام قوانین جو

---

[۱] ترمذی، کتاب العلم (رواہ احمد، ابو داؤد، ابن ماجہ، دارمی)۔

فقہا کی محنت اور دماغ سوزی کا نتیجہ ہیں، قرآن کی آیات کے تفسیری فوائد میں نہیں سما سکتے تھے، اس لئے میں نے معاملات میں اصولی باتوں کی توضیح پر اکتفا کرتے ہوئے فروعات کے جھگڑوں سے گریز کیا ہے۔

خاتمہ

صحیح بخاری میں حمید بن عبدالرحمنؒ کہتے ہیں :-

"میں نے معاویہ کو خطبہ میں یہ کہتے سنا کہ میں نے نبی صلعم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اس کو دین کی (باتوں میں) سمجھ عطا فرماتا ہے اور میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور دیتا تو اللہ ہی ہے"[1]

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اس ذرہ بے مقدار کو دین کی باتوں کی سمجھ عطا فرما کر توفیق دی کہ میں اس عظیم الشان نعمت کی مزید اشاعت کی کوشش کروں جس کو اس نے اپنے پیغمبر برحق رسول اکرم محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلعم کو مرحمت فرمایا تھا اور جس کو آپ نے "میں تو قاسم ہوں اور دیتا تو اللہ ہی ہے" کہ کر بلا امتیاز ہر ایک کو بذل فرما دیا۔

بسم اللہ اولاً و آخراً

۱۸ جمادی الاول سنہ ۱۳۴۳ ہجری
مطابق
۱۵-۱۲-سنہ ۱۹۲۴ ابراہیمی

یعقوب حسن
مدراس

---

[1] بخاری باب من یرد اللہ بہ خیرا۔

"یہ برکت والی کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف اتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں پر غور کریں اور عقل والے نصیحت پکڑیں۔"

"اسی نے تم پر کتاب برحق اتاری جو ان الہامی کتب کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے اتریں اور انہی لوگوں کی ہدایت کے لیے تورات اور انجیل اتاری اور فرقان"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

برائے حصۂ اوّل۔ خالق و مخلوقات

از

مولانا سیّد سلیمان ندوی

ہندوستان میں ۱۹۲۰ء کا دورِ ابتلاء، جس میں سیکڑوں پُرجوش فرزندانِ اسلام نے اپنی جان و مال کی قربانیاں چڑھائیں، ہندوستان کی تاریخ کا قابلِ فراموش عہد نہیں، مگر جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے کہ دنیا میں اس ابتلاء و امتحان کے دوروں کی اس لئے ضرورت ہے کہ کھرے کھوٹے، اچھے بُرے، سعید و شقی اور خبیث و طیب کی پہچان ہو سکے۔

وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاۗءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ⑪

اور ان زمانوں کو ہم لوگوں کے درمیان دست بدست پھراتے ہیں، تاکہ خدا اُن لوگوں کو جان لے جن کو ایمان ہے، اور تاکہ تم میں سے وہ اپنے گواہ بنائے۔ اور خدا ظالموں کو پیار نہیں کرتا[11]

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ⑫

اور تاکہ ایمان والوں کو خالص کرے اور کافروں کو مٹا دے ⑫

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ⑬ ع

کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ جنّت میں داخل ہو جائیں اور خدا اُن لوگوں کو نہ جان لے جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا اور صابروں کو نہ جان لے ⑬

وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑥ ع

اور تاکہ تمہارے سینوں میں جو کچھ ہے اُس کی خدا آزمایش کرے اور جو تمہارے دلوں میں ہے اُس کو خالص کرے ⑥

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ⑧ ع آل عمران

یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا مومنوں کو اُسی حالت پر چھوڑ دے جس پر تم ہو، یہاں تک کہ وہ بُرے کو اچھے سے جدا نہ کرے ⑰

ہندوستان کے گذشتہ دورِ ابتلا، اور ایامِ محن اسی لئے تھے کہ ان سے نور و ظلمت، کفر و ایمان، سعادت و شقاوت کی شناخت اور پہچان ہوجائے۔ وہ وقت آیا اور مسلمانوں کے نیک و بد، مومن و کافر، صابر و غیر صابر کی پہچان ہوگئی، اور کتنے سچے اور خالص کلمہ گو ایسے نکلے جنھوں نے خدا کی آواز کو عین مصیبت کی گھڑیوں میں لبیک کہا۔

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ	یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے خدا اور رسول کی آواز کو
مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ	لبیک کہا، حالانکہ اس سے پہلے وہ صدمے اٹھا چکے
لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا	تھے، ان میں سے نیکو کاروں کے لئے بڑی
اَجْرٌ عَظِیْمٌ ① ع آل عمران	مزدوری ہے ①

حالانکہ کمزور دل اور ضعیف ایمان کے لوگ اُن کو کہہ رہے تھے کہ دشمن بڑے سرو سامان اور قوت و تعداد سے تمھارے مقابل ہے، لیکن یہ چیز اور زیادہ اُن کے ایمان کی قوت کو مضبوط کرتی تھی، اور کہتے تھے کہ ہمارے خدا کا سرو سامان اور اُس کی مخفی فوج کی قوت و تعداد ان سے بھی زیادہ ہے۔

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ	یہ وہ ہیں جن کو لوگوں نے کہا کہ دشمنوں نے تمھارے
النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ	لئے بڑی تعداد جمع کر رکھی ہے تو اُن سے
فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا	ڈرو تو اس نے اُن کے ایمان کو اور بڑھا دیا اور انھوں
حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ ② ع آل عمران	نے جواب دیا کہ خدا ہم کو کافی ہے اور وہ بڑا اچھا کارساز ہے ②

نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو سعادتِ اُخروی اور شہرتِ دنیاوی عطا کی، اُن کے ہاتھوں سے بہتیرے نیک کام انجام پائے، کمزوروں نے اُن سے قوت پائی، اندھوں نے اُن سے روشنی حاصل کی، بہروں نے اُن کی آواز سنی، اور خدا نے اُن کے قلوب کو کھول دیا، اور اُن کے سامنے حقائق و معارف کے دروازے وا کر دیئے، اور جب وہ اپنے زندانخانوں سے یوسف وار نکلے اپنے کارناموں کا ایک انبار وہ دنیا کے سامنے لے آئے۔

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ	خدا کے فضل و کرم سے وہ اس طرح واپس آئے کہ ان کو
لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ	کسی بُرائی نے نہیں چھوا اور انھوں نے رضائے الٰہی
اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ ③ ع آل عمران	کی پیروی کی اور اللہ بڑے فضل والا ہے ③

اللہ تعالیٰ کا جو فضل و کرم ان نیک بندوں پر ہوا، ان میں سے سب سے بڑی نعمت اُن کو یہ ملی کہ عالم کے شور و شر سے یکسو ہو کر جب اُن کو خلوت خانۂ محبس کی تنہائیوں میں اپنے دلوں کے ٹٹولنے کا موقع ملا، تو انھیں معلوم ہوا کہ انوارِ الٰہی کی شمعیں کس دل میں روشن ہوتی ہیں، اور اُس وقت غارِ حرا کے تنہا نشین رسولِ امین کے برکات نے اُن پر ظہور کیا، اور یوسفِ زندانی کی "تاویلِ احادیث" کے مسدود دروازے اُن کے سامنے کھل گئے۔

اسلام کی تاریخ ایسے زندانیوں اور تنہا نشینوں کے کارناموں سے ناآشنا نہیں ہے۔ اسلام کے کتنے نامور علماء اور مصنفین گذرے ہیں جن کے قلم کی روانی کو اُن کے پا بزنجیر پاؤں کا سکون ایک لمحہ کے لئے بھی بند نہ کر سکا، جن کے فیوض و برکات کے سیلاب کو قید خانوں کی چار دیواریں ایک لحظہ کے لئے بھی روک نہ سکیں۔ امام ابو حنیفہؒ نے بغداد کے محبس میں بیٹھ کر امام محمد سا شاگرد

پیدا کیا، امام احمد حنبلؒ نے معتصم کے قید خانہ میں مجلس درس کو گرم رکھا، قاضی بکّار مصری نے ابن طولون کے زندان مصر میں ایک کھڑکی سے منہ نکال کر علم کے شائقین کو تعلیم دی، امیہ بن عبدالعزیز اندلسی ۴۸۹ھ میں اسکندریہ آکر قید ہوئے اور اسی حالت میں ہیئت و ریاضی کی متعدد تصنیفات یادگار چھوڑیں، علامہ ابن تیمیہ کی متعدد تصنیفات انھیں مظلومیت کی کوٹھریوں میں انجام کو پہنچی ہیں، شمس الائمہ سرخسی فقہ حنفی کے معلّم ثانی ہیں، ازگند واقع ترکستان کے قید خانہ میں بیٹھ کر مبسوط کی ۱۵ جلدیں تصنیف کیں، ہندوستان میں برطانیہ کے آغازِ قیام کے زمانہ میں مفتی عنایت احمد صاحب نے انڈمین کے دارالہجرۃ میں رہ کر عربی صرف و نحو کی کتاب لکھی۔ مولانا فضل حق خیرآبادی نے وہیں قصائد حبسیات لکھے۔

موجودہ دورِ ابتلاء کے مسلمان محبوسین میں بھی ایسی ہستیاں تھیں جنھوں نے انھیں بند دروازوں میں ابوابِ رحمت کو کھلا پایا، جنھوں نے اپنی انھیں جسمانی بندشوں کے اندر اپنی روحانی کشائشوں کے منظر دیکھے، جنھوں نے غارِ حرا کے راز و نیاز کے اسرار کو قید خانہ کی کوٹھریوں میں بیٹھ کر جانا اور پایا۔ سید حسرت موہانی کی نظمیں، ابوالکلام کی تحریریں، محمد علی کی تقریریں، سب اسی حجلۂ زنداں میں بنیں اور سنوریں۔ مگر مدراس کے دور افتادہ صوبہ نے سب سے زیادہ قربت پائی۔ سیٹھ "یعقوب" حسن نے "یوسف" بن کر جب قید کے دروازوں کے اندر قدم رکھا تھا تو ہم نے انکو خالی ہاتھ اندر بھیجا تھا، مگر جب وہ اپنی مصیبت کے ایام کاٹ کر جیل کے دروازہ پر نمودار ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ وہ خالی نہ تھے، اُن کے ساتھ کتاب الہُدیٰ کے ضخیم مسودات کی گٹھری تھی۔

سیٹھ صاحب گو عربی زبان کے بڑے عالم نہیں اور نہ دینیات کے باقاعدہ طالب العلم ہیں، تاہم انسان کی محنت اس کو سب کچھ بنا سکتی ہے۔ کتاب الہدیٰ میں جو کچھ کام ہے وہ آیتوں کی تلاش اور ترتیب کا ہے۔ سیٹھ صاحب کا دماغ فلسفیانہ اور پُر اسرار طلب واقع ہوا ہے، اس لئے تنہائی کے گھنٹوں میں جب قرآنِ پاک کے سوا اُن کا کوئی مونس و ہمدم نہ تھا اُنھوں نے اس سے پوچھا کہ اسلام کیا ہے؟ فلاں فلاں سوالات کا جواب تمھارے صفحات میں کیا ہے؟ تو اُن کو اُن کے یکجا پانے میں ناکامی ہوئی، متفرق مقامات کی تلاش ہوئی، ایک مطلب کی تمام آیتوں کو چُننا پڑا، طلب نے اُن کی ہمت کو بڑھایا، بالآخر یہ ذخیرہ فراہم ہو گیا جس کا ایک حصّہ تمھارے سامنے ہے۔

سیٹھ صاحب نے کتاب الہُدیٰ کی متعدد جلدوں میں بہ ترتیب ضروری معلوماتِ قرآنیہ کو فراہم کیا ہے مثلاً پہلے حصہ میں توحید، صفات، خلق کائنات، ملائکہ، جن وغیرہ ہر مسئلہ کی قرآنِ پاک کی جسقدر آیتیں تھیں اُن کو یکجا کیا ہے، اُن کا مقابل میں ترجمہ لکھا ہے، اور بعض مشکل مقامات پر اُنھوں نے حاشئے تحریر کئے ہیں، بعض جگہ مطالب کی ایضاح کے لئے توراۃ و انجیل کے مضامین نقل کئے ہیں، کہیں موجودہ فلسفیانہ مباحث سے تعرض کیا ہے، غرض اس طرح اس کتاب سے ہر عامی شخص کو یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اس عقیدہ یا مسئلہ کی نسبت قرآن کی کیا تعلیم ہے اور اس کا کیا فیصلہ ہے اور دور کی ساتھ تاویلات سے گریز کیا ہے بلکہ قرآن کے الفاظ جو کچھ سمجھاتے ہیں وہی سمجھنے کی کوشش کی ہے۔

یہ حصہ شروع سے آخر تک میری نظر سے گذر چکا ہے۔ مجھے صرف ایک دو مقام پر مؤلف سے اختلاف تھا اور الحمدللہ کہ انھوں نے اُن کو میری تحقیق کے مطابق بنا دیا۔ ترجمہ میں غالباً سیٹھ صاحب نے شاہ صاحب اور ڈپٹی صاحب کے ترجموں کو سامنے رکھا ہے اور اس لئے ترجمہ پر غور کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کارِ خیر سے مسلمانوں کو فائدۂ تام پہنچائے اور مصنف کو اجرِ عظیم بخشے۔

دارالمصنفین اعظم گڑھ — ۲ محرم الحرام ۱۳۴۳ھ — سید سلیمان ندوی

کتاب الہدیٰ

کے

حصص

مکّی کتاب

جلد ۱

حصہ ۱ خالق ومخلوقات

۲ قصص

۳ پیغمبر آخرالزماں ونزولِ قرآن

جلد ۲

۴ چہل سورہ یعنے نزول کے لحاظ سے قرآن کی پہلی چالیس۴۰ سورتیں

۵ معتقدات

۶ قرآن کی دوسری منزل یعنے اکتالیس۴۱ سے اکاون۵۱ تک سورتیں

۷ اعمال

۸ قرآن کی تیسری منزل یعنے باون۵۲ سے پینسٹھ۶۵ تک سورتیں

۹ عالمِ معاد

۱۰ قرآن کی چوتھی منزل یعنے آخری کی سورتیں چھیاسٹھ سے چھیاسی۸۶ تک

۱۱ عہد مکہ

مدنی کتاب

جلد ۳

حصہ ۱۲ عبادات

۱۳ جہاد

۱۴ قرآن کی پانچویں منزل یعنے مدینہ کی پہلی پانچ۵ سورتیں

۱۵ غزوات ۔ (بدر، اُحد، احزاب)

۱۶ بنی اسرائیل ۔ (غزوۂ بنی نضیر و بنی قریظہ وغیرہ)

۱۷ فتح ۔ (حدیبیہ، خیبر ۔ منافقین وغیرہ)

۱۸ آخری غزوے (فتح مکہ، حنین، طائف، تبوک، نصاریٰ وغیرہ)

۱۹ قرآن کی چھٹی منزل یعنے مدینہ کی وسطی سورتیں

۲۰ اخلاق

۲۱ تدبیر منزل

۲۲ معاملات

۲۳ سیاسیات

۲۴ پیغمبر صلعم اور آپ کے معاصرین

۲۵ حجۃ الوداع ووصال رسول اللہ صلعم

۲۶ قرآن کی ساتویں منزل یعنے آخری سورتیں

کتاب الہدیٰ

جلد ۱ - مکی کتاب

فہرست مضامین

ابواب

حصہ ۱ - خالق و مخلوقات

فوائد

حصہ ۲ - قصص

ف ۴۲ ۔ عاد کا مسکن ۔
ف ۴۳ ۔ عاد کا تمدن ۔
ف ۴۴ ۔ ذات العماد ۔
ف ۴۵ ۔ عاد کا مذہب ۔
ف ۴۶ ۔ حضرت ہود کی بعثت ۔
ف ۴۷ ۔ حضرت ہود کی تعلیم ۔
ف ۴۸ ۔ عاد کی نافرمانی ۔
ف ۴۹ ۔ عاد اولیٰ کی ہلاکت ۔
ف ۵۰ ۔ آلِ ہود ۔

ب ۱۸ ۔ حضرت صالح اور قومِ ثمود ۔
ف ۵۱ ۔ قومِ ثمود ۔
ف ۵۲ ۔ ثمود کا مقام ۔
ف ۵۳ ۔ ثمود کا تمدن ۔
ف ۵۴ ۔ ثمود کا مذہب ۔
ف ۵۵ ۔ حضرت صالح کی بعثت ۔
ف ۵۶ ۔ نشانیاں اور دلائل
ف ۵۷ ۔ اونٹنی کی نشانی ۔
ف ۵۸ ۔ ثمود پر عذاب ۔

ب ۱۹ ۔ حضرت ابراہیم ۔ [سنہ ۱ سے سنہ ۸۶ ابراہیمی تک]
ف ۵۹ ۔ دنیا کی ابتدائی تاریخ ۔
ف ۶۰ ۔ بابل ۔
ف ۶۱ ۔ توراۃ میں حضرت ابراہیم کا قصہ ۔

ب ۲۰ ۔ حضرت لوط ۔
ف ۶۲ ۔ توراۃ میں حضرت لوط کا قصہ ۔
ف ۶۳ ۔ اخلاقی حالت ۔

ب ۲۱ ۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل [پیدائش سنہ ۸۶ ابراہیمی]
ف ۶۴ ۔ توراۃ میں حضرت اسمٰعیل کا قصہ ۔
ف ۶۵ ۔ حضرت ابراہیم کا عرب میں ورود ۔
ف ۶۶ ۔ مکہ ۔
ف ۶۷ ۔ خانۂ کعبہ ۔
ف ۶۸ ۔ ارکانِ حج ۔
ف ۶۹ ۔ اسلام کی بنیاد ۔

باب	فصل
	ف ۹۸ - حضرت ذوالکفل کی کتاب -
ب ۳۹ - حضرت عزیر - [انتقال سنہ ۱۵۴۳]	ف ۹۹ - حضرت عزیر کی کتاب -
	ف ۱۰۰ - توراۃ کی ازسرِنو تالیف -
ب ۴۰ - ذوالقرنین - [سنہ ۱۴۷۹ سے سنہ ۱۵۱۵]	ف ۱۰۱ - ذوالقرنین کی تحقیق -
	ف ۱۰۲ - شاہِ فارس دارا کی مہمیں -
	ف ۱۰۳ - یاجوج وماجوج -
	ف ۱۰۴ - سدِ سکندری -
ب ۴۱ - ہاروت وماروت -	ف ۱۰۵ - ہاروت وماروت -
ب ۴۲ - لقمان کی نصیحت -	ف ۱۰۶ - حکمت -
	ف ۱۰۷ - لقمان -
ب ۴۳ - حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ -	ف ۱۰۸ - بنی اسرائیل کی تاریخ سنہ ۱۵۵۰ سے سنہ ۲۰۰۰ ابراہیمی تک -
	ف ۱۰۹ - انجیل میں حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ کا حال -
	ف ۱۱۰ - حضرت یحییٰ -
ب ۴۴ - بی بی مریم اور پیدائشِ حضرت عیسیٰ - [سنہ ۲۰۰۰ - ابراہیمی]	ف ۱۱۱ - بی بی مریم اور پیدائشِ حضرت عیسیٰ -
	ف ۱۱۲ - انجیل میں بی بی مریم اور پیدائشِ حضرت عیسیٰ کا قصہ -
ب ۴۵ - حضرت عیسیٰ مسیح -	ف ۱۱۳ - حضرت عیسیٰ کی نبوت کا آغاز -
	ف ۱۱۴ - حضرت عیسیٰ کی تعلیم وتربیت -
	ف ۱۱۵ - حضرت عیسیٰ کا اصطباغ -
	ف ۱۱۶ - شیطان کا حضرت عیسیٰ کو للچانا -
	ف ۱۱۷ - تبلیغِ رسالت -
	ف ۱۱۸ - پہاڑ پر وعظ -
	ف ۱۱۹ - حواری -
	ف ۱۲۰ - شہروں کا دورہ -
	ف ۱۲۱ - بنی اسرائیل کو ملامت -
	ف ۱۲۲ - گرفتاری -
	ف ۱۲۳ - عدالت میں دریافت اور سزا کا حکم -
	ف ۱۲۴ - صلیب پر چڑھانے کا واقعہ -
	ف ۱۲۵ - حضرت عیسیٰ کی آسمان پر مراجعت -

حصہ ۳ پیغمبر آخر الزماں و نزولِ قرآن

ف ۱۵۰. آپ کا نام۔
ف ۱۵۱- ایام رضاعت۔
ف ۱۵۲- ماں اور دادا کا انتقال۔
ف ۱۵۳- سفرِ شام۔
ف ۱۵۴- حضرت خدیجہ کے ساتھ نکاح۔
ف ۱۵۵- ڈھائی ہزار برس کی مذہبی تاریخ۔
ف ۱۵۶- کتبِ مقدسہ میں آنحضرت صلعم کی بشارت۔
ب ۵۶- عرب کے ملک، قوم اور زبان میں قرآن کے اُتاری جانے کی مصلحت۔ ف ۱۵۷- عرب کے ملک، قوم اور زبان میں قرآن کے اُتارے جانے کی مصلحت۔
ب ۵۷- پہلی وحی۔
ف ۱۵۸- آغازِ رسالت۔
ف ۱۵۹- نبوت کے آغاز کی تاریخ۔
ف ۱۶۰- دوسرا پیغام۔
ب ۵۸- دوسری وحی۔
ف ۱۶۱- ابتدائی ہدایات۔
ب ۵۹- ایک ابتدائی وحی۔
ف ۱۶۲- نزول کی کیفیت۔
ب ۶۰- نزول کی کیفیت۔
ف ۱۶۳- سورتوں کی ساخت
ف ۱۶۴- نزولی ترتیب۔

جلد ۲- مکّی کتاب

حصہ ۴- چہل سورہ قرآن کی پہلی منزل

ب ۶۱- سورۃ نمبر ۱- علق ع
ف ۱۶۵- انسان کی سرکشی۔
ف ۱۶۶- ابوجہل
ف ۱۶۷- نماز۔
ب ۶۲ " ۲- قلم ۱ع
ف ۱۶۸- حروفِ مقطعات۔
ف ۱۶۹- قسم۔
۲ع
ف ۱۷۰- پیغمبر صلعم کے اخلاق۔
ف ۱۷۱- ولید بن مغیرہ۔
ف ۱۷۲- لفظِ مسلم۔

ب	سورۃ	ع	ف
			ف ۱۷۳ - تعلیم حق کی اجرت ۔
			ف ۱۷۴ - قرآن تمام دنیاؤں کے لئے نصیحت ہے ۔
ب ۶۳ -	سورۃ نمبر ۳ - مُزّمّل	ع	ف ۱۷۵ - نماز ۔
		ع ربع	ف ۱۷۶ - زکوۃ ۔
			ف ۱۷۷ - جہاد ۔
			ف ۱۷۸ - خدا کو قرض حسنہ ۔
ب ۶۴ -	" ۴ - مُدّثّر	ع	ف ۱۷۹ - پاکی ۔
		ع	ف ۱۸۰ - ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں گروی ہے ۔
			ف ۱۸۱ - شفاعت ۔
ب ۶۵ -	" ۵ - فاتحہ	ع	ف ۱۸۲ - سورۂ فاتحہ ۔
ب ۶۶ -	" ۶ - لہب	ع	ف ۱۸۳ - ابولہب اور اُم جمیلہ ۔
ب ۶۷ -	" ۷ - تکویر	ع	ف ۱۸۴ - دختر کشی ۔
			ف ۱۸۵ - قرآن گرامی قدر فرشتہ کا قول ہے ۔
ب ۶۸ -	" ۸ - اعلیٰ	ع	ف ۱۸۶ - لفظِ قدر کی شرح ۔
ب ۶۹ -	" ۹ لیل	ع نصف	ف ۱۸۷ ۔
ب ۷۰ -	" ۱۰ - فجر	ع	ف ۱۸۸ ۔
ب ۷۱ -	" ۱۱ - ضحیٰ	ع	ف ۱۸۹ - آنحضرت صلعم پر خدا کے احسانات ۔
ب ۷۲ -	" ۱۲ - انشراح	ع	ف ۱۹۰ - شرح صدر یعنی پیغمبر کا سینہ کھولنا ۔
ب ۷۳ -	" ۱۳ - عصر	ع	ف ۱۹۱ - زمانہ کی شہادت ۔
			ف ۱۹۲ - حق اور صبر کی نصیحت ۔
ب ۷۴ -	" ۱۴ - ماعون	ع	ف ۱۹۳ - ایک نالائق آدمی ۔
ب ۷۵ -	" ۱۵ - کافرون	ع	ف ۱۹۴ - مذہبی رواداری ۔
ب ۷۶ -	" ۱۶ - فیل	ع	ف ۱۹۵ - اصحابِ فیل کا قصہ ۔
ب ۷۷ -	" ۱۷ - فلق	ع	ف ۱۹۶ - ہر شر سے خدا کی پناہ ۔
ب ۷۸ -	" ۱۸ - ناس	ع	ف ۱۹۷ - خناس کے شر سے پناہ ۔
ب ۷۹ -	" ۱۹ - اخلاص	ع	ف ۱۹۸ - توحید کی تعریف ۔
ب ۸۰ -	" ۲۰ - نجم	ع ثلاثہ	ف ۱۹۹ - گناہِ کبیرہ اور گناہِ صغیرہ ۔
		ع	ف ۲۰۰ ۔

سورۃ	ع		ف
	ع		ف ۲۰۱ -
ب ۸۱ - سورۃ نمبر ۲۱ - عبس	ع		ف ۲۰۲ - آنحضرت صلعم کو تنبیہ -
ب ۸۲ - " ۲۲ - قدر	ع		ف ۲۰۳ - شبِ قدر -
ب ۸۳ - " ۲۳ - شمس	ع		ف ۲۰۴ - نفس کو بھلائی اور برائی کا الہام -
ب ۸۴ - " ۲۴ - بروج	ع		ف ۲۰۵ - آسمان کے بروج -
ب ۸۵ - " ۲۵ - تین	ع		ف ۲۰۶ - انسان کی فطرت -
ب ۸۶ - " ۲۶ - قریش	ع		ف ۲۰۷ - قریش -
ب ۸۷ - " ۲۷ - قارعہ	ع	جزا	ف ۲۰۸ - جزا و سزا -
ب ۸۸ - " ۲۸ - قیامت	ع		ف ۲۰۹ -
	ع		ف ۲۱۰ -
ب ۸۹ - " ۲۹ - ہمزہ	ع		ف ۲۱۱ -
ب ۹۰ - " ۳۰ - مرسلات	ع		ف ۲۱۲ - ہوا
	ع		ف ۲۱۳ -
ب ۹۱ - " ۳۱ - بلد	ع		ف ۲۱۴ -
ب ۹۲ - " ۳۲ - طارق	ع		ف ۲۱۵ -
ب ۹۳ - " ۳۳ - قٓ	ع	ربع	ف ۲۱۶ -
	ع		ف ۲۱۷ -
	ع		ف ۲۱۸ -
ب ۹۴ - " ۳۴ - قمر	ع		ف ۲۱۹ -
	ع	نصف	ف ۲۲۰ -
	ع		ف ۲۲۱ -
ب ۹۵ - " ۳۵ - صٓ	ع		ف ۲۲۲ -
	ع		ف ۲۲۳ -
	ع		ف ۲۲۴ -
	ع	ثلاثہ	ف ۲۲۵ -
	ع		ف ۲۲۶ -
ب ۹۶ - سورۃ نمبر ۳۶ - اعراف	ع		ف ۲۲۷ -
	ع	جزء ۲	دیکھو ب۴ - آدم، حوا اور ابلیس -

[نوٹ - اس باب ۹۶ میں سورۂ اعراف کے صرف سات رکوع یعنے ۱، ۳، ۴، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۴ - نقل ہوئے ہیں - ان کے سامنے ان کے فوائد کے نمبر دیئے گئے ہیں - باقی رکوع چونکہ مضامین کے لحاظ سے دوسرے ابواب میں درج ہو چکے ہیں اس لئے یہاں ان کو دوبارہ نقل کرنے کے بجائے ان کا حوالہ دیدیا گیا ہے - یہی طریقہ تمام سورتوں میں اختیار کیا گیا ہے]

ع۳ ف ۲۲۸ -
ع۴ ف ۲۲۹ -
ع۵ دیکھو ب ۱۴۹ - اعراف -
ع۶ ربع 〃 〃 بہشت اور دوزخ -
ع۷ 〃 ب ۳ - آسمان، زمین اور ساری کائنات -
ع۸ 〃 ب ۱۶ - حضرت نوح -
ع۹ 〃 ب ۱۷ - قوم عاد اور حضرت ہود -
ع۱۰ 〃 ب ۱۸ - حضرت صالح اور قوم ثمود -
ع۱۱ نصف 〃 ب ۲۶ - حضرت شعیب اور اہلِ مدین -
ع۱۲ 〃 ب ۱۲۳ - قومی مصیبت اور ہلاکت گناہوں کا نتیجہ ہے -
ع۱۳ 〃 ب ۲۸ - حضرت موسیٰ و فرعون -
ع۱۴ 〃 〃 〃
ع۱۵ 〃 〃 〃
ع۱۶ ثلاثہ 〃 〃 اور ب ۲۹ - بنی اسرائیل کی صحرا نوردی -
ع۱۷ 〃 ب ۲۹ 〃
ع۱۸ 〃 〃 〃
ع۱۹ 〃 〃 〃 اور ب ۵۱ بشارت ولادتِ اقدس
ع۲۰ جزء ۳ ف ۲۳۰ -
ع۲۱ ف ۲۳۱ -
ع۲۲ ف ۲۳۲ -
ع۲۳ دیکھو ب ۱۷۲ - تبلیغِ رسالت -
ع۲۴ ربع ف ۲۳۳ -

ب ۹۷ - سورۃ نمبر ۷۲ - جن

ع۱ ف ۲۳۴ -
ع۲ ف ۲۳۵ -

ب ۹۸ 〃 〃 ۳۸ - یٰس

ع۱ ف ۲۳۶ -
ع۲ نصف ف ۳۳۷ -
ع۳ ف ۲۳۸ -
ع۴ ف ۳۳۹ -

حصہ ۵ معتقدات

فصل ۱۸۔محکم ومتشابہ — ف ۳۱۹۔ محکم ومتشابہ۔

۱۹۔ ناسخ ومنسوخ۔ — ف ۳۲۰۔ نسخ۔

ف ۳۲۱۔ منسوخ التلاوت۔

ف ۳۲۲۔ منسوخ الحکم۔

ف ۳۲۳۔ منسوخ الحکم والتلاوت۔

ف ۳۲۴۔ منسیٰ۔

ف ۳۲۵۔ قرآن کی نہ کوئی آیت منسوخ ہوئی نہ کسی آیت کا حکم اور نہ کوئی آیت رفع کی گئی۔

۲۰۔ دینی باتوں میں کرید کرنے کی ممانعت۔ ف ۳۲۶

ب ۱۰۸۔ آیات وبینات۔ — ف ۳۲۷۔ آیت۔

ف ۳۲۸۔ برہان۔

ف ۳۲۹۔ سلطان۔

ف ۳۳۰۔ بینات۔

ف ۳۳۱۔ آیات وبینات کا فرق۔

ف ۳۳۲۔ قرآن میں کن معجزوں کا ذکر ہے۔

ف ۳۳۳۔ پیغمبر آخرالزماں کا عالمگیر اور دائم معجزہ۔

ف ۳۳۴۔ کفار اور اہل کتاب کو معجزہ کی فرمائش کے متعلق جواب۔

ب ۱۰۹۔ لوحِ محفوظ۔ — ف ۳۳۵۔ خفیف سی خفیف حرکت بھی لکھی جاتی ہے۔

حصہ ۶۔ قرآن کی دوسری منزل

ب ۱۱۰۔ سورۃ نمبر ۴۱۔ فرقان — ع۱ — ف ۳۳۶

ع۲ — دیکھو ب ۱۰۲ جہادِ اکبر۔

ع۳ — 〃 〃 〃

ع۴ — 〃 〃 〃

ع۵ ربع — 〃 باب ۱۰۳ توحید باری وقدرتِ الٰہی۔

ع۶ — ف ۳۳۷

ب ۱۱۱۔ 〃 ۴۲۔ فاطر — ع۱ — ف ۳۳۸

ع۲ ف ۳۳۹ -

ع۳ نصف دیکھو ب ۱۷۲ جہادِ اکبر۔

ع۴ ف ۳۴۰

ع۵ دیکھو ب ۱۷۲ جہادِ اکبر۔

ب ۱۱۲ - سورۃ نمبر ۴۳ - مریم

ع۱ ف ۳۴۱ -

ع۲ ثلاثہ دیکھو ب ۱۴۳ بی بی مریم اور پیدائشِ حضرت عیسیٰ۔

ع۳ " ب ۱۰۴ شرک وغیر اللہ پرستی۔

ع۴ ف ۳۴۲

ع۵ دیکھو ب ۱۴۳ قیامت کا یقین۔ ب ۱۷۲ جہادِ اکبر

ع۶ جزء ۵ " ب ۵۶ عرب کے ملک قوم اور زبان میں قرآن کیوں اترا

" ب ۲۷ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون۔

ب ۱۱۳ " ۴۴ - طٰہٰ -

ع۱ ف ۳۴۳

ع۲ دیکھو ب ۲۷ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون۔

" ب ۱۰۹ لوحِ محفوظ۔

ع۳ " ب ۲۸ حضرت موسیٰ و فرعون۔

ع۴ ربع " ب ۲۹ بنی اسرائیل کی صحرانوردی۔

ع۵ ف ۳۴۴

ع۶ ف ۳۴۵

ع۷ دیکھو ب ۴ آدم، حوا اور ابلیس۔

ع۸ " ب ۱۷۲ جہادِ اکبر۔

ب ۱۱۴ - " ۴۵ - واقعہ

ع۱ نصف ف ۳۴۶ -

ع۲ ف ۳۴۷ -

ع۳ ف ۳۴۸ -

ب ۱۱۵ " ۴۶ - شعرا

ع۱ ف ۳۴۹

ع۲ دیکھو ب ۲۷ حضرت موسیٰ و حضرت ہارون۔

ع۳ ثلاثہ " ب ۲۸ حضرت موسیٰ و فرعون۔

ع۴ " " "

ع۵ " ب ۱۹ حضرت ابراہیم۔

باب	سورہ	رکوع		حوالہ
		ع۶		دیکھو ب۱۶ حضرت نوح۔
		ع۷		" ب۱۷ حضرت ہود۔
		ع۸	جز۶	" ب۱۸ حضرت صالح۔
		ع۹		" ب۲۰ حضرت لوط۔
		ع۱۰		" ب۲۶ حضرت شعیب۔
		ع۱۱		" ب۱۴۲ جہادِ اکبر۔
ب۱۱۶۔ سورۃ نمبر	۴۷۔ نمل	ع۱		ف۳۵۰
		ع۲	ربع	دیکھو ب۳۴ حضرت سلیمان۔
		ع۳		" " "
		ع۴		" ب۱۸ حضرت صالح ب۲۰ حضرت لوط
		ع۵		" ب۱۰۴ شرک و غیر اللہ پرستی۔
		ع۶	نصف	" ب۱۴۲ جہادِ اکبر ب۱۴۴ قربِ قیامت۔
		ع۷		ف۳۵۱
ب۱۱۷۔ "	۴۸۔ قصص	ع۱		ف۳۵۲ نیز دیکھو ب۲۷ حضرت موسیٰ و حضرت ہارون۔
		ع۲		دیکھو ب۲۷ "
		ع۳		" " "
		ع۴	ثلاثہ	" اور ب۲۸ حضرت موسیٰ و فرعون۔
		ع۵		" ب۵۵ بشارت و ولادتِ اقدس۔
		ع۶		ف۳۵۳۔
		ع۷	جزء	دیکھو ب۱۰۴ شرک و غیر اللہ پرستی۔
		ع۸		" ب۳۱ قارون کی بخالت۔
		ع۹		ف۳۵۴
ب۱۱۸۔ "	۴۹۔ یونس	ع۱		ف۳۵۵
		ع۲		ف۳۵۶
		ع۳	ربع	دیکھو ب۱۰۳ توحیدِ باری و قدرتِ الٰہی۔
				" ب۱۴۶ عدالت گاہِ محشر۔
		ع۴		" ب۱۰۷ قرآن مجید۔
		ع۵		" ب۱۴۲ جہادِ اکبر۔

ع۶ ف ۳۵۷
ع۷ نصف ف ۳۵۸
ع۸ دیکھو ب ۱۴ دینِ الٰہی کی تبلیغ کے لئے انبیاء کا آنا ۔
ع۹ " ب ۲۸ حضرت موسیٰ و فرعون ۔
ع۱۰ ف ۳۵۹
ع۱۱ دیکھو ب ۱۷۲ جہادِ اکبر ۔

ب ۱۱۹ ۔ سورۃ نمبر ۵۰ ۔ ہود

ع۱ ثلاثہ ف ۳۶۰
ع۲ دیکھو ب ۱۰۷ قرآن مجید ۔
ع۳ " ب ۱۶ حضرت نوح ۔
" ب ۱۷۲ جہادِ اکبر ۔
ع۴ جزء ۸ " ب ۱۶ حضرت نوح ۔
ع۵ " ب ۱۷ قومِ عاد اور حضرت ہود ۔
ع۶ " ب ۱۸ حضرت صالح اور قوم ثمود ۔
ع۷ " ب ۲۲ حضرت اسحٰق ۔
" ب ۲۰ حضرت لوط ۔
ع۸ ربع " ب ۲۶ حضرت شعیب ۔
ع۹ ف ۳۶۱ ۔
ع۱۰ ب ۱۷۲ جہاد اکبر ۔

ب ۱۲۰ ۔ " ۵۱ ۔ یوسف

ع۱ ف ۳۶۲ ۔ نیز دیکھو ب ۳۴ حضرت یوسف
ع۲ دیکھو ب ۳۴ "
ع۳ نصف " " "
ع۴ " " "
ع۵ " " "
ع۶ " " "
ع۷ " " "
ع۸ ثلاثہ " " "
ع۹ " " "
ع۱۰ " " "

ع۱۱ دیکھو باب ۲۴ حضرت یوسف۔
ع۱۲ جزو بتر ۱۲ ف ۳۶۳۔

حصہ ۷۔ اعمال

حصہ ۸۔ قرآن کی تیسری منزل

سورۃ	رکوع		حوالہ
ب۱۲۷۔ سورۃ نمبر ۵۲ ۔ حجر	ع۱		ف۳۸۷
	ع۲		دیکھو ب۳ آسمان، زمین اور ساری کائنات۔
	ع۳		" ب۴ آدم، حوا اور ابلیس۔
	ع۴		ف۳۸۸
	ع۵		دیکھو ب۲۰ حضرت لوط۔
	ع۶	ربع	ف۳۸۹
ب۱۲۸۔ " ۵۳ ۔ انعام	ع۱		ف۳۹۰
	ع۲		دیکھو ب۱۷۳ قریش کی مخالفت۔
	ع۳		" " "
	ع۴	نصف	" " "
	ع۵		" " "
	ع۶		" " "
	ع۷		" " "
	ع۸	ثلاثہ	" " "
	ع۹		" ب۱۴ دینِ الٰہی کی اشاعت۔
			" ب۱۹ حضرت ابراہیم۔
	ع۱۰		" ب۱۰۶ الہامی کتب۔
	ع۱۱		" ب۱۰۷ قرآن مجید۔
	ع۱۲		" ب۳ آسمان، زمین اور ساری کائنات۔
	ع۱۳	جز۱۰	" ب۱۷۳ قریش کی مخالفت۔
	ع۱۴		" " "
	ع۱۵		" " "
	ع۱۶	ربع	" ب۱۷۴ عربوں کے عقاید، خصائل و رسومِ جاہلیت۔
	ع۱۷		" " "
	ع۱۸		" " "
	ع۱۹		" " "

ع۲ نصف — دیکھو ب ۱۷۳ قریش کی مخالفت۔

ب ۱۲۹ - سورۃ نمبر ۵۴ - صافّات — ع۱ — ف ۳۹۱

ع۲ — دیکھو ب ۱۴۶ عدالت گاہِ محشر۔

ع۳ ثلاثہ — 〃 ب ۱۶ حضرت نوح۔

〃 ب ۱۹ حضرت ابراہیم۔

ع۴ — 〃 ب ۲۷ حضرت موسیٰ۔

〃 ب ۲۰ حضرت لوط۔

ع۵ — 〃 ب ۳۷ حضرت یونس۔

〃 ب ۱۷۴ عربوں کے عقاید۔

ب ۱۳۰ 〃 〃 ۵۵ - لقمان — ع۱ — ف ۳۹۲

ع۲ جز ۱۱ — دیکھو ب ۴۲ لقمان کی نصیحت۔

ع۳ — 〃 ب ۲ اللہ کی ذات وصفات۔

ع۴ — 〃 〃 〃

ب ۱۳۱ 〃 〃 ۵۶ - سبا — ع۱ — ف ۳۹۳

ع۲ — دیکھو ب ۳۳ حضرت داؤد۔

〃 ب ۳۴ حضرت سلیمان ب ۴۹ ملکِ سبا۔

ع۳ ربع — 〃 ب ۱۷۴ عربوں کے عقاید۔

ع۴ — 〃 ب ۱۷۳ قریش کی مخالفت۔

ع۵ — 〃 ب ۱۷۴ عربوں کے عقاید۔

ع۶ — 〃 ب ۱۷۳ قریش کی مخالفت۔

ب ۱۳۲ - 〃 〃 ۵۷ - زمر — ع۱ نصف - ف ۳۹۴۔

ع۲ — دیکھو ب ۱۷۳ قریش کی مخالفت۔

ع۳ — ف ۳۹۵۔

ع۴ — دیکھو ب ۱۷۳ قریش کی مخالفت۔

ع۵ — ف ۳۹۶

ع۶ ثلاثہ — دیکھو ب ۲۸۰ جرائم۔

ع۷ — 〃 ب ۱۴۶ عدالت گاہِ محشر۔

ع۸ — 〃 〃 〃

سورۃ	رکوع	حوالہ
ب ۱۳۳ - سورۃ نمبر ۵۸ - مومن	ع ۱	ف ۳۹۷
	ع ۲	ف ۳۹۸
	ع ۳ جز ۱۲	دیکھو ب ۲۸ حضرت موسیٰ و فرعون۔
	ع ۴	″ ″ ″
	ع ۵	ف ۳۹۹۔
	ع ۶	ف ۴۰۰۔
	ع ۷	دیکھو ب ۱۰۳ توحیدِ باری و قدرتِ الٰہی۔
	ع ۸ ربع	″ ب ۱۷۳ قریش کی مخالفت۔
	ع ۹	ف ۴۰۱۔
ب ۱۳۴ - سورۃ نمبر ۵۹ - فصّلت	ع ۱	ف ۴۰۲۔
	ع ۲	ف ۴۰۳۔
	ع ۳	دیکھو ب ۱۴۶ عدالت گاہِ محشر۔
	ع ۴	″ ب ۱۷۳ قریش کی مخالفت۔
	ع ۵ نصف	″ ب ۱۷۴ - عربوں کے عقاید۔
		″ ب ۱۰۷ قرآنِ مجید۔
	ع ۶	ف ۴۰۴۔
ب ۱۳۵ - ″ ″ ۶۰ - شوریٰ	ع ۱	ف ۴۰۵۔
	ع ۲ ثلاثہ	دیکھو ب ۱۰۲ اصولِ دین میں سب مذہبوں کا یکساں ہونا۔
	ع ۳	ف ۴۰۶
	ع ۴	ف ۴۰۷
	ع ۵	ف ۴۰۸
ب ۱۳۶ - ″ ″ ۶۱ - زخرف	ع ۱ جز ۱۳	ف ۴۰۹
	ع ۲	دیکھو ب ۱۷۴ عربوں کے عقاید۔
	ع ۳	″ ب ۱۷۳ - قریش کی مخالفت۔
	ع ۴	ف ۴۱۰
	ع ۵	دیکھو ب ۲۸ حضرت موسیٰ و فرعون۔
	ع ۶	″ ب ۴۵ حضرت عیسیٰ مسیح۔
	ع ۷ ربع	″ ب ۱۷۳ قریش کی مخالفت۔

ب۱۳۷ - سورۃ نمبر ۶۲ - دخان	ع	ف۴۱۱ -
	ع	ف۴۱۲ -
	ع	دیکھو ب۱۴۶ عدالت گاہِ محشر -
ب۱۳۸ ״ ״ ۶۳ - جاثیہ	ع	ف۴۱۳ -
	ع نصف	ف۴۱۴ -
	ع	دیکھو ب۱۳۲ اعمال کے بدلہ میں گروی ہونا -
	ع	״ ب۱۴۶ عدالت گاہِ محشر -
ب۱۳۹ - ״ ״ ۶۴ - احقاف	ع	ف۴۱۵ - نیز دیکھو ب۱۰۱ قرآن مجید -
	ع ثلاثہ	ف۴۱۶ -
	ع	دیکھو ب۱۷ - حضرت ھود -
	ع	ف۴۱۷ -
ب۱۴۰ ״ ״ ۶۵ - ذاریات	ع	ف۴۱۸ -
	ع	ف۴۱۹ -
	ع جزء ۱۴ منزل ۳	ف۴۲۰ -

حصہ ۹ - عالمِ معاد

ب۱۴۱ آدمی کی موت -	ف۴۲۱
ب۱۴۲ - عالمِ برزخ -	ف۴۲۲ - عالمِ برزخ -
ب۱۴۳ - قیامت کا یقین -	ف۴۲۳ - قیامت -
ب۱۴۴ - قربِ قیامت -	ف۴۲۴ - قربِ قیامت -
ب۱۴۵ - قیامت کا حادثہ -	ف۴۲۵ - قیامت کا حادثہ -
ب۱۴۶ - عدالت گاہِ محشر -	
فصل ۱ - خدائی حکومت -	ف۴۲۶
״ ۲ - لوگوں کی حالت -	ف۴۲۷
״ ۳ - اعمال کی بازپرس -	ف۴۲۸
״ ۴ - گواہی -	ف۴۲۹
״ ۵ - اعمال کا تول -	ف۴۳۰

فصل ۹ - کوئی کسی کے کام نہ آئیگا - ف ۴۳۱ -

ب ۱۴۷ - پیغمبروں سے سوال - ف ۴۳۲ -

ب ۱۴۸ - شفاعت - ف ۴۳۳ - شفاعت -

ب ۱۴۹ - بہشت، اعراف اور دوزخ - ف ۴۳۴ - دوسری دنیا -

حصہ ۱۰ - قرآن کی چوتھی منزل

ب ۱۵۰ - سورۃ نمبر ۶۶ - کہف

ع ۱ ف ۴۳۵ -

ع ۲ دیکھو ب ۵۱ - اصحاب کہف -

ع ۳ " " "

ع ۴ ف ۴۳۶ -

ع ۵ ربع دیکھو ب ۵ باغ والوں کا قصہ -

ع ۶ ف ۴۳۷ -

ع ۷ دیکھو ب ۱۰۴ شرک و غیر اللہ پرستی -

ع ۸ ف ۴۳۸ -

ع ۹ دیکھو ب ۳۰ حضرت موسیٰ اور حضرت خضرؑ -

ع ۱۰ " " "

ع ۱۱ نصف " ب ۴ ذوالقرنین

ع ۱۲ ف ۴۳۹ -

ب ۱۵۱ - " ۶۷ - نحل

ع ۱ ف ۴۴۰ -

ع ۲ دیکھو ب ۳ آسمان، زمین اور ساری کائنات -

ع ۳ ف ۴۴۱ -

ع ۴ دیکھو ب ۱۴۶ عدالت گاہ محشر -

ع ۵ ثلاثہ " ب ۱۲۱ تقدیر، ہدایت اور مشیتِ الٰہی -

" ب ۱۷۳ قیامت کا یقین -

ع ۶ " ب ۱۷۶ آخری مقابلہ -

ع ۷ " ب ۱۷۴ عربوں کے عقاید -

ع ۸ ف ۴۴۲ -

سورۃ	رکوع		حوالہ
	ع۹		دیکھو ب ۱۰۳ توحید باری وقدرت الٰہی۔
	ع۱۰		ف ۴۴۳
	ع۱۱	جزء۱۵	دیکھو ب ۱۰۳ توحید باری وقدرتِ الٰہی۔
	ع۱۲		ف ۴۴۴
	ع۱۳		ف ۴۴۵
	ع۱۴		ف ۴۴۶
	ع۱۵		ف ۴۴۷
	ع۱۶	ربع	ف ۴۴۸۔
ب ۱۵۲ - سورۃ نمبر ۶۸ - نوح	ع۱		ف ۴۴۹۔
	ع۲		ف ۴۵۰۔
ب ۱۵۳ - " " ۶۹ - ابراہیم	ع۱		ف ۴۵۱
	ع۲		دیکھو ب ۵۶ عرب کے ملک، قوم اور زبان میں قرآن کیوں اترا۔
	ع۳		ف ۴۵۲۔
	ع۴	نصف	ف ۴۵۳۔
	ع۵		دیکھو ب ۵۶ عرب کے ملک، قوم اور زبان میں قرآن کیوں اُترا۔
	ع۶		" ب ۲۱ حضرت اسماعیل۔
	ع۷		" ب ۵۶ عرب کے ملک، قوم اور زبان میں قرآن کیوں اترا۔
ب ۱۵۴ - " ۷۰ - رعد	ع۱		ف ۴۵۴۔
	ع۲	ثلاثہ	ف ۴۵۵۔
	ع۳		ف ۴۵۶۔
	ع۴		ف ۴۵۷۔
	ع۵		ف ۴۵۸۔
	ع۶	جزء۱۶	ف ۴۵۹۔
ب ۱۵۵ - " ۷۱ - انبیاء	ع۱		ف ۴۶۰۔
	ع۲		دیکھو ب ۱۶۳ قومی مصیبت اور ہلاکت گناہوں کا نتیجہ ہے۔
			" ب ۲ اللہ کی ذات وصفات۔
	ع۳		" ب ۳ آسمان، زمین اور ساری کائنات۔
			" ب ۱۶۲ پیشین گوئی۔
	ع۴		ف ۴۶۱۔

باب	سورة	رکوع		حوالہ
		ع۵ ربع		دیکھو ب ۱۹ حضرت ابراہیم۔
		ع۶	ف ۴۶۲۔	
		ع۷	ف ۴۶۳۔	
ب ۱۵۶	سورۃ نمبر ۷۲۔مومنون	ع۱ نصف	ف ۴۶۴۔	
		ع۲		دیکھو ب ۱۶ حضرت نوح۔
		ع۳		” ب ۱۲۳ قومی مصیبت وہلاکت گناہوں کا نتیجہ ہے۔
		ع۴	ف ۴۶۵۔	
		ع۵ ثلاثہ		دیکھو ب ۲ اللہ کی ذات وصفات۔
		ع۶		” ب ۱۷۶ آخری مقابلہ۔
ب ۱۵۷ ”	۷۳۔ سجدہ	ع۱	ف ۴۶۶۔	
		ع۲	ف ۴۶۷۔	
		ع۳ جزء ۱۷	ف ۴۶۸۔	
ب ۱۵۸ ”	۷۴۔بنی اسرائیل	ع۱	ف ۴۶۹۔	
		ع۲	ف ۴۷۰۔	
		ع۳	ف ۴۷۱۔	
		ع۴		دیکھو ب ۱۷۴ عربوں کے عقاید۔
		ع۵ ربع	ف ۴۷۲۔	
		ع۶	ف ۴۷۳۔	
		ع۷	ف ۴۷۴۔	
		ع۸		دیکھو ب ۱۷۶ آخری مقابلہ۔
		ع۹	ف ۴۷۵۔	
		ع۱۰		دیکھو ب ۱۰۷ قرآن مجید۔
				” ب ۱۰۸ آیات وبینات۔
		ع۱۱ نصف	ف ۴۷۶۔	
		ع۱۲	ف ۴۷۷۔	
ب ۱۵۹ ”	۷۵۔ طور	ع۱	ف ۴۷۸۔	
		ع۲		دیکھو ب ۱۷۶ آخری مقابلہ۔
ب ۱۶۰ ”	۷۶۔ ملک	ع۱ ثلاثہ	ف ۴۷۹۔	

باب	سورۃ	رکوع	حوالہ
		ع۲	ف۴۸۰۔
ب۱۶۱۔ سورۃ نمبر	۷۷۔غاشیہ	ع۱	ف۴۸۱۔
ب۱۶۲۔ "	۷۸۔حاقہ	ع۱	ف۴۸۲
		ع۲ جز۱۸	دیکھو ب۱۰۷ قرآن مجید۔
ب۱۶۳۔ "	۷۹۔معارج	ع۱	ف۴۸۳۔
		ع۲	ف۴۸۴۔
ب۱۶۴ "	۸۰۔نبا	ع۱	ف۴۸۵۔
		ع۲	ف۴۸۶۔
ب۱۶۵۔ "	۸۱۔نازعات	ع۱	ف۴۸۷۔
		ع۲	ف۴۸۸۔
ب۱۶۶۔ "	۸۲۔انفطار	ع۱ ربع	ف۴۸۹۔
ب۱۶۷۔ "	۸۳۔انشقاق	ع۱	ف۴۹۰۔
ب۱۶۸۔ "	۸۴۔روم	ع۱	ف۴۹۱۔
		ع۲	ف۴۹۲۔
		ع۳	دیکھو ب۱۰۳ توحید باری وقدرتِ الٰہی۔
		ع۴	ف۴۹۳
		ع۵ نصف	دیکھو ب۱۲۳ قومی مصیبت و ہلاکت گناہوں کا نتیجہ ہے
		ع۶	ف۴۹۴۔
ب۱۶۹۔ "	۸۵۔عنکبوت	ع۱	ف۴۹۵۔
		ع۲	دیکھو ب۱۶ حضرت نوح۔
			" ب۱۹ حضرت ابراہیم۔
		ع۳	" " "
			" ب۲۰ حضرت لوط۔
		ع۴ ثلاثہ	ف۴۹۶۔
		ع۵	دیکھو ب۱ قرآن مجید۔
		ع۶	" ب۱۷۶ آخری مقابلہ۔
		ع۷	ف۴۹۷۔
ب۱۷۰۔ "	۸۶۔تطفیف	ع۱ جز۱۹ منزل۴	ف۴۹۸۔

حصہ ۱۱ ۔ عہدِ مکہ

	ف ۵۲۵ - فرشتوں اور جنوں کی پرستش -
	ف ۵۲۶ - پرستش کا طریقہ -
	ف ۵۲۷ - تبرک چھینے -
	ف ۵۲۸ - رسوم جاہلیت -
	ف ۵۲۹ - قربانی، نذر و نیاز -
	ف ۵۳۰ - پانسے -
	ف ۵۳۱ - استخارہ -
	ف ۵۳۲ - جوا اور شراب -
	ف ۵۳۳ - خونریزی -
	ف ۵۳۴ - عورتوں کی حالت -
	ف ۵۳۵ - زنا -
	ف ۵۳۶ - وراثت -
	ف ۵۳۷ - سود -
	ف ۵۳۸ - اصلاح کے احکام -
ب ۱۷۵ - معراج -	ف ۵۳۹ - معراج -
ب ۱۷۶ - آخری مقابلہ -	ف ۵۴۰ - ابوطالب اور حضرت خدیجہ کا انتقال -
	ف ۵۴۱ - قریش کے مظالم -
	ف ۵۴۲ - عذاب کا وعدہ -
	ف ۵۴۳ - مسلمانوں کو ہجرت کی ترغیب -
	ف ۵۴۴ - طائف والوں کی بدسلوکی -
	ف ۵۴۵ - قبائل کا دورہ -
	ف ۵۴۶ - یثرب کے انصار -
	ف ۵۴۷ - بیعتِ عقبۂ اولیٰ -
	ف ۵۴۸ - بیعتِ عقبۂ ثانیہ -
	ف ۵۴۹ - نقیبوں کا تقرر -
	ف ۵۵۰ - صحابہ کی ہجرت بجانب مدینہ -
ب ۱۷۷ - مکی آیتوں کی پیشین گوئیاں	ف ۵۵۱ - تاریخی پیشین گوئیاں -
	ف ۵۵۲ - خدا کا مہاجرین سے وعدہ -

جلد ۳ - مدنی کتاب

حصہ ۱۲ - عبادات

ف ۶۰۴ - قنوت -

ف ۶۰۵ - نمازِ عیدین

ف ۶۰۶ نمازِ جمعہ -

ف ۶۰۷ - نمازِ سفر -

ف ۶۰۸ نمازِ خوف -

ف ۶۰۹ - نمازِ جنازہ -

ف ۶۱۰ - عورت کی نماز -

ب ۱۸۰ - روزہ - ف ۶۱۱ - روزہ -

ف ۶۱۲ - روزہ رکھنے کے متعلق ہدایات -

ب ۱۸۰ - زکوٰۃ - ف ۶۱۳ - زکوٰۃ -

ف ۶۱۴ -

ب ۱۸۸ - حج - ف ۶۱۵ - حج -

ف ۶۱۶ - قربانی -

حصہ ۱۳ - جہاد

ب ۱۸۹ - دین میں زبردستی نہیں - ف ۶۱۷

ب ۱۹۰ - جہاد - ف ۶۱۸

ب ۱۹۱ - کافروں سے لڑنے کا حکم - ف ۶۱۹

حصہ ۱۴ - قرآن کی پانچویں منزل

ب ۱۹۲ - سورۃ نمبر ۸۷ - بقر ع ۱ ف ۶۲۰

ع ۲ دیکھو ب ۱۳۳ ہر شخص اپنے اعمال کے بدلہ میں گروی ہے -

ع ۳ ف ۶۲۱

ع ۴ دیکھو ب ۴ حضرت آدمؑ بی بی حواؑ اور ابلیس -

ع ۵ ربع ف ۶۲۲

ع ۶ دیکھو ب ۲۹ بنی اسرائیل کی صحرا نوردی -

ع۷ دیکھو ب۲۹ بنی اسرائیل کی صحرانوردی۔

ع۸ " " "

ع۹ ف۶۲۳۔

ع۱۰ نصف۔ ف۶۲۴۔

ع۱۱ ف۶۲۵۔

ع۱۲ ف۶۲۶۔

ع۱۳ ف۶۲۷۔

ع۱۴ ثلاثہ دیکھو ب۱۸۲ قبلہ۔

ع۱۵ " " "

ع۱۶ جزء۲۰ " " "

ع۱۷ " " "

ع۱۸ " " "

ع۱۹ ف۶۲۸۔

ع۲۰ ف۶۲۹۔

ع۲۱ ف۶۳۰۔

ع۲۲ ف۶۳۱۔

ع۲۳ ربع دیکھو ب۱۸۶ روزہ

ع۲۴ ف۶۳۲۔

ع۲۵ ف۶۳۳۔

ع۲۶ نصف۔ ف۶۳۴۔

ع۲۷ ف۶۳۵۔

ع۲۸ ف۶۳۶۔

ع۲۹ دیکھو ب۲۵۵ طلاق۔

ع۳۰ ثلاثہ " " "

ع۳۱ " " "

ع۳۲ ف۶۳۷

ع۳۳ جزء۲۱ ف۶۳۸

ع۳۴ ف۶۳۹

باب	رکوع	حوالہ
	ع۱۵	دیکھو ب۱۹ حضرت ابراہیم۔
	ع۱۶	ف۶۴۰۔
	ع۱۷	ف۶۴۱۔
	ع۱۸	ف۶۴۲۔
	ع۱۹ ربع	ف۶۴۳۔
	ع۲۰	ف۶۴۴۔
ب ۱۹۳۔ سورۃ نمبر ۸۸۔ انفال	ع۱	ف۶۴۵۔
	ع۲	دیکھو ب۱۹۵ جنگِ بدر۔
	ع۳	ف۶۴۶۔
	ع۴	ف۶۴۷۔
	ع۵ نصف۔	دیکھو ب۱۹۵ جنگِ بدر۔
	ع۶	〃 〃 〃
	ع۷	〃 〃 〃
	ع۸	〃 〃 〃
	ع۹	〃 ب۲۰۲ قواعدِ جنگ۔
	ع۱۰ ثلاثہ	〃 〃 〃
ب ۱۹۴۔ 〃 ۸۹۔ آلِ عمران	ع۱	ف۶۴۸
	ع۲	ف۶۴۹
	ع۳	دیکھو ب۴۳ حضرت زکریا و حضرت یحییٰ۔
		〃 ب۴۴ بی بی مریم و حضرت عیسیٰ۔
	ع۴ جز ۲۲	〃 ب۴۵ حضرت عیسیٰ۔
	ع۵	ف۶۵۰۔
	ع۶	ف۶۵۱۔
	ع۷	ف۶۵۲۔
	ع۸	ف۶۵۳۔
	ع۹ ربع	ف۶۵۴۔
	ع۱۰	ف۶۵۵۔
	ع۱۱	ف۶۵۶۔

ع۱۲ ف ۶۵۷
ع۱۳ نصف۔ دیکھو ب ۱۹۶ جنگِ احد۔
ع۱۴ ف ۶۵۸۔
ع۱۵ ف ۶۵۹۔
ع۱۶ دیکھو ب ۱۹۶۔جنگِ احد۔
ع۱۷ ثلاثہ " " " "
ع۱۸ " " "
ع۱۹ ف ۶۶۰۔
ع۲۰ جزء ۲۳ منزل ۵۔ف ۶۶۱۔

حصہ ۱۵۔غزوات

ب ۱۹۵۔جنگِ بدر۔
ف ۶۶۲۔غزوات وسرایا۔
ف ۶۶۳۔سریۂ سیف البحر۔
ف ۶۶۴۔سریۂ رابغ۔
ف ۶۶۵۔سریۂ حرار۔
ف ۶۶۶۔غزوۂ ودان یا غزوۂ ابوا۔
ف ۶۶۷۔غزوۂ بواط۔
ف ۶۶۸۔غزوۂ سفوان۔
ف ۶۶۹۔غزوۂ ذی العشیرہ۔
ف ۶۷۰۔سریۂ نخلہ۔
ف ۶۷۱۔جنگِ بدر۔

ب ۱۹۶۔جنگِ احد۔
ف ۶۷۲۔غزوہ سویق۔
ف ۶۷۳۔جنگِ احد۔
ف ۶۷۴۔سریۂ رجیع۔
ف ۶۷۵۔سریۂ بیر معونہ۔

ب ۱۹۷۔ بدر کا دوسرا واقعہ۔
ف ۶۷۶۔غزوۂ حمراء الاسد۔

حصہ ۱۶ - بنی اسرائیل -

حصہ ۱۷ - فتح

حصہ ۱۸-آخری غزوے

ب۲۰۶ - فتح مکہ - ف۶۹۶ -
ف۶۹۷ -
ب۲۰۷ - جنگ حنین - ف۶۹۸ -
ب۲۰۸ - غزوۂ طائف وغیرہ - ف۶۹۹ -
ب۲۰۹ - مشرکوں کو اعلان - ف۷۰۰ -
ف۷۰۱
ب۲۱۰ - نصارٰی - ف۷۰۲
ف۷۰۳
ب۲۱۱ - غزوہ تبوک - ف۷۰۴
ب۲۱۲ - اسلام کا بول بالا - ف۷۰۵
ف۷۰۶
ف۷۰۷

حصہ ۱۹-قرآن کی چھٹی منزل

ب۲۱۳ - سورۃ نمبر ۹۰ - حج ع۱ ف۷۰۸ -
ع۲ ف۷۰۹ -
ع۳ ف۷۱۰ -
ع۴ ف۷۱۱ -
ع۵ ربع دیکھو ب۱۸۸ قربانی -
ع۶ ف۷۱۲ -
ع۷ دیکھو ب۱۰۷ قرآن مجید -
ع۸ ف۷۱۳
ع۹ ف۷۱۴
ع۱۰ دیکھو ب۱۸۱ عبادات -
ب۲۱۴ " ۹۱ - حشر ع۱ نصف ف۷۱۵

سبق	سورۃ	رکوع		حوالہ
		ع۲		ف۱۶۔
		ع۳		ف۱۷۔
سبق ۲۱۵ سورۃ نمبر	۹۲ - احزاب	ع۱		ف۱۸۔
		ع۲	ثلاثہ	دیکھو سبق ۱۹۸ مدینہ کا محاصرہ۔
		ع۳		" " "
		ع۴		ف۱۹۔
		ع۵		ف۲۰۔
		ع۶	جزء ۲۲ -	ف۲۱۔
		ع۷		ف۲۲۔
		ع۸		ف۲۳۔
		ع۹		ف۲۴۔
سبق ۲۱۶ "	۹۳ - ممتحنہ	ع۱		ف۲۵۔
		ع۲		ف۲۶۔
سبق ۲۱۷ "	۹۴ نساء	ع۱	ربع	ف۲۷۔
		ع۲		دیکھو سبق ۲۷۰ تقسیم ترکہ۔
		ع۳		" سبق ۲۸۰ جرائم۔
		ع۴		" سبق ۲۶۰ محرمات نکاح۔
		ع۵	نصف	" سبق ۲۸۰ جرائم۔
		ع۶		ف۲۸۔
		ع۷	ثلاثہ	ف۲۹۔
		ع۸		ف۳۰۔
		ع۹		ف۳۱۔
		ع۱۰		دیکھو سبق ۱۹۱ کافروں سے لڑنے کا حکم۔
		ع۱۱		ف۳۲۔
		ع۱۲	جزء ۲۵	ف۳۳۔
		ع۱۳		ف۳۴۔
		ع۱۴		ف۳۵۔
		ع۱۵		دیکھو سبق ۱۸۵ نماز۔

باب	سورۃ	رکوع		حوالہ
		ع۱۶	ربع	دیکھو ب۲۸ جرائم۔
		ع۱۷		ف۳۶۔
		ع۱۸		دیکھو ب۱۷۱ عربوں کے عقاید۔
		ع۱۹		ف۳۷۔
		ع۲۰		ف۳۸۔
		ع۲۱	نصف	ف۳۹۔
		ع۲۲		ف۴۰۔
		ع۲۳		ف۴۱۔
		ع۲۴	ثلاثہ	دیکھو ب۴۵ حضرت عیسیٰ مسیح۔
ب۲۱۸۔ سورۃ نمبر	۹۵-زلزال	ع		ف۴۲۔
ب۲۱۹۔ 〃	۹۶-کوثر	ع		ف۴۳۔
ب۲۲۰۔ 〃	۹۷-عادیات	ع		ف۴۴۔
ب۲۲۱۔ 〃	۹۸-تکاثر	ع		ف۴۵۔
ب۲۲۲۔ 〃	۹۹-حدید	ع۱		ف۴۶۔
		ع۲		ف۴۷۔
		ع۳	جز۲۶	ف۴۸۔
		ع۴		ف۴۹۔
ب۲۲۳۔ 〃	۱۰۰-محمدؐ	ع۱		ف۵۰۔
		ع۲		ف۵۱۔
		ع۳		ف۵۲۔
		ع۴	ربع	دیکھو ب۲۰۳ منافقین۔
ب۲۲۴۔ 〃	۱۰۱-بینہ	ع		ف۵۳۔
ب۲۲۵۔ 〃	۱۰۲-طلاق	ع۱		ف۵۴۔
		ع۲		ف۵۵۔
ب۲۲۶۔ 〃	۱۰۳-نور	ع۱		ف۵۶۔
		ع۲	نصف	دیکھو ب۲۰۹ اتہام۔
		ع۳		〃 〃 〃
		ع۴		ف۵۷

ع۵ ف۷۵۸۔

ع۶ ثلاثہ ف۷۵۹۔

ع۷ دیکھو ب۱۷۹ اطاعت۔

ع۸ ف۷۶۰۔

ع۹ ف۷۶۱۔

ب۲۲۷۔ سورۃ نمبر ۱۰۴۔ منافقون ع۱ ف۷۶۲۔

ع۲ جزء ۲۸ منزل ۶۔ ف۷۶۳۔

حصہ ۲۰۔ اخلاق

ب۲۲۸۔ تہذیب النفس ف۷۶۴۔ تہذیب الاخلاق۔

فصل ۱۔ اصلاح۔ ف۷۶۵۔ اصلاح۔

〃 ۲۔ تزکیہ۔ ف۷۶۶۔ تزکیۃ النفس۔

〃 ۳۔ تقرب خدا۔ ف۷۶۷۔ اچھے اخلاق خدا کے تقرب کا ذریعہ ہیں۔

ب۲۲۹۔ شکر گذاری۔ ف۷۶۸۔ شکر گذاری۔

ب۲۳۰۔ صبر و استقلال۔

فصل ۱۔ صبر مصیبت کی برداشت۔ ف۷۶۹۔ صبر و استقلال۔

〃 ۲۔ صبر قناعت، نفس پر جبر۔ ف۷۷۰۔

〃 ۳۔ صبر استقلال۔ ف۷۷۱۔

ب۲۳۱۔ توکل۔ ف۷۷۲۔ توکل۔

ب۲۳۲۔ تقوٰی۔ ف۷۷۳۔ تقوی۔

[اس حصہ میں ب۲۳۳ سے ب۲۵۰ تک اور اٹھارہ ابواب ہیں جن کی تحت میں تمام ضروری اخلاقی مضامین بطور فوائد درج ہیں۔ چونکہ ان کی آخری ترتیب قرار نہیں پائی ہے اس لئے ان کی فہرست یہاں نقل نہیں کی گئی۔]

ف۷۷۴ سے ف۷۸۵۔

حصہ ۲۱ ۔ تدبیرِ منزل

ب ۲۵۱ سے ب ۲۶۰ تک ف ۷۸۶ سے ف ۸۰۰ تک

[تدبیرِ منزل حکمت کا وہ حصہ ہے جس میں ان روابط اور تعلقات کے محفوظ رکھنے کی کیفیت بیان کی جاتی ہے جو ایک مکان، ایک محلہ، ایک شہر یا ایک ملک کے رہنے والوں میں ہوا کرتے ہیں۔ ان تعلقات کی تقسیم چار انواع میں کی گئی ہے :- (۱) خانگی (۲) ہمسائیگی (۳) شہری (۴) ملکی
پہلی نوع میں ازدواج کے متعلق جتنے مسائل ہیں جیسے نکاح، ولی، اور کن عورتوں کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے وغیرہ امور اور زوجین کی ناموافقت کی وجہ سے جو باتیں پیش آتی ہیں اُن کے دفعیہ یا دونوں کی تفریق کے مسائل جیسے طلاق، خلع، لعان، عدت، نفقہ، ایلا و ظہار وغیرہ۔ اس کے بعد امور خانہ داری حقوقِ زوجین، پرورشِ اولاد وغیرہ ہیں۔ اس حصۂ کتاب میں صرف پہلی نوع کا بیان ہے۔
دوسری نوع کا تعلق اخلاق کے حصہ سے ہے اس لئے اس کو اسی حصہ میں شامل کیا گیا ہے۔
تیسری اور چوتھی نوع سیاسیات سے علاقہ رکھتی ہیں اس لئے اُس حصہ میں اس کی وضاحت کی گئی ہے]

حصہ ۲۲ ۔ معاملات

ب ۲۶۱ سے ب ۲۷۰ تک ف ۸۰۱ سے ف ۸۱۵ تک

[اس حصہ میں بیع، سود، میراث، وصیت، شہادت وغیرہ کی آیتیں متفرق ابواب میں نقل کی گئی ہیں اور ان کی ضمن میں معاملات کے سب ضروری مسائل حل کئے گئے ہیں۔]

حصہ ۲۳ ۔ سیاسیات

ب ۲۷۱ سے ب ۲۸۰ تک ف ۸۱۶ سے ف ۸۴۰ تک

[اس حصہ میں خلافت، حکومت، اطاعتِ اولوالامر، ملکی انتظام، عدالت، تعزیرات وغیرہ کا بیان ہے۔]

حصہ ۲۴۔آنحضرت صلعم اور آپ کے معاصرین

ب۲۸۱ سے ب۲۸۵ تک ف۸۴۱ سے ف۸۵۰ تک

حصہ ۲۵۔حجۃ الوداع و وصال رسول اللہ صلعم

ب۲۸۶ سے ب۲۹۰ تک ف۸۵۱ سے ف۸۶۰ تک

حصہ ۲۶۔قرآن کی ساتویں یعنے آخری منزل

ب۲۹۱۔سورۃ نمبر	۱۰۵۔مجادلہ	ع۱	ف۸۶۱۔
		ع۲	ف۸۶۲۔
		ع۳	ف۸۶۳۔
ب۲۹۲ ۔ "	۱۰۶۔حجرات	ع۱ ربع	ف۸۶۴۔
		ع۲	ف۸۶۵۔
ب۲۹۳ ۔ "	۱۰۷۔تحریم	ع۱	ف۸۶۶۔
		ع۲	ف۸۶۷۔
ب۲۹۴ ۔ "	۱۰۸۔جمعہ	ع۱	ف۸۶۸۔
		ع۲	ف۸۶۹۔
ب۲۹۵ ۔ "	۱۰۹۔تغابن	ع۱ نصف	ف۸۷۰۔
		ع۲	ف۸۷۱۔
ب۲۹۶ ۔ "	۱۱۰۔صف	ع۱	ف۸۷۲۔
		ع۲	ف۸۷۳۔
ب۲۹۷ ۔ "	۱۱۱۔فتح	ع۱	ف۸۷۴۔
		ع۲ ثلاثہ	ف۸۷۵۔
		ع۳	ف۸۷۶۔
		ع۴	ف۸۷۷۔
ب۲۹۸ ۔ "	۱۱۲۔توبہ	ع۱	ف۸۷۸۔

ع۲ ف۸۷۹۔

ع۳ جزء ۲۸ ف۸۸۰۔

ع۴ ف۸۸۱۔

ع۵ ف۸۸۲۔

ع۶ دیکھو باب ۲۰۲ قواعدِ جنگ۔

ع۷ ربع ؍؍ باب ۲۰۳ منافقین۔

ع۸ ف۸۸۳۔

ع۹ دیکھو باب ۲۰۳ منافقین۔

ع۱۰ ف۸۸۴۔

ع۱۱ نصف دیکھو باب ۱۱۱ غزوہ تبوک۔

ع۱۲ ؍؍ ؍؍ ؍؍

ع۱۳ ؍؍ باب ۲۰۳ منافقین

ع۱۴ ثلاثہ ف۸۸۵۔

ع۱۵ ف۸۸۶۔

ع۱۶ ف۸۸۷۔

ع ف۸۸۸۔ باب ۲۹۹ - سورۃ نمبر ۱۱۳ - نصر

ع۱ ف۸۸۹۔ باب ۳۰۰ ؍؍ ؍؍ ۱۱۴ - مائدہ

ع۲ جزء ۲۹۔ ف۸۹۰۔

ع۳

ع۴ دیکھو باب ۲۹ بنی اسرائیل کی صحرانوردی۔

ع۵ ف۸۹۱۔

ع۶ ربع دیکھو باب ۱۰۲ اصولِ دین میں سب الہامی مذہبوں کا یکساں ہونا۔

ع۷ ف۸۹۲۔

ع۸ ف۸۹۳۔

ع۹ نصف ف۸۹۴۔

ع۱۰ ف۸۹۵۔

ع۱۱ ف۸۹۶۔

ع ۱۲ ثلاثہ ف ۸۹۷

ع ۱۳ ف ۸۹۸

ع ۱۴ ف ۸۹۹

ع ۱۵ دیکھو ب ۴۵ حضرت عیسیٰ مسیح -

ع ۱۶ جز ۳۰ منزل ۷ - ختم قرآن " " "

لَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ

البتہ ہم نے قرآن کو نصیحت پکڑنے کے لئے آسان کر دیا ہے پس کوئی ہے جو اس سے نصیحت پکڑے؟

۱۷ ع قمر ۳۴

کتاب الھدیٰ

ا۔ ملی کتاب

اِقْرَأْ

پڑھو

بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ①

اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا ①

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ②	(جس نے) انسان کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا ②
اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ③	پڑھو، اور تمہارا رب بڑا کریم ہے ③
الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ④	جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا ④
عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ⑤	(اور) انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اس کو معلوم نہ تھیں ⑤

ف

ف ۱ - علم - اللہ تعالیٰ نے جب محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پیغمبری کے لئے منتخب فرمایا اور آپ کی ہدایت اور رہنمائی اور آپ کے ذریعے سے دنیا جہان کے سب انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے آپ پر اپنا مقدس کلام (قرآن مجید) اُتارنا شروع کیا تو پہلی وحی جو آپ پر مکہ کے قریب غارِ حرا میں ماہ رمضان کی ایک شب کو نازل ہوئی وہ ان پانچ مختصر آیتوں کی تھی جو اوپر متن میں درج ہیں۔ یہ وحی گویا قرآن شریف کی تمہید ہے، اور تمہید بھی کیسی عمدہ اور موزوں کہ پہلی آیت میں خدا انسانوں سے آپ اپنا تعارف کراتا ہے کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے اور پھر خاص طور پر انسان کی پیدائش کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے ''انسان کو ہم نے گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔'' سورۂ مؤمنون (۲۰) میں انسان کی پیدائش کا ذکر کسی قدر تفصیل سے اس طرح آیا ہے:- ''پھر ہم ہی نے اس کو حفاظت کی جگہ نطفہ بنا کر رکھا ③ پھر ہم ہی نے نطفے کا لوتھڑا بنایا، پھر ہم ہی نے لوتھڑے کا مضغہ بنایا، پھر ہم ہی نے مضغے کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہم ہی نے ہڈیوں پر گوشت مڑھا، پھر ہم ہی نے آخر کار اس کو مخلوق بنا کھڑا کیا، تو خدا بڑا ہی بابرکت ہے جو بنانے والوں میں سب سے بہتر بنانے والا ہے''۔ ⑭ ۱ع - سورۂ حشر (۹۱) میں اس نے اپنے اوصاف (خلقتِ انسانی کے متعلق) اس طرح بیان کئے ہیں:- ''وہی اللہ خالق یعنے پیدا کرنے والا، باری یعنے نمود میں لانے والا، مصوّر یعنے صورت بنانے والا ہے''۔ ⑦ ۳ع - اس نے گوشت کے بے ڈول لوتھڑے پر اپنا کمالِ مصوری صرف کیا، اس میں آنکھ، ناک، کان، ہاتھ، پاؤں بنائے اور اس کو ایک نہایت سڈول خوبصورت پتلا بنا کھڑا کیا۔ خدائے تعالیٰ یہی مصوری جانوروں کے لوتھڑوں پر بھی صرف کرتا اور اُن کو بھی نہایت خوبصورت بناتا ہے۔ انسان اور حیوان دونوں میں خدا نے جان ڈالی اور دونوں کو ان کی ضرورت کے مطابق عقل بھی دی، ایک کو زیادہ اور ترقی پذیر عقل (انسانی) دی اور دوسرے کو کم اور محدود عقل (حیوانی) دی. خدا نے دونوں کو علم بھی دیا ہے، مگر حیوان اور انسان کے علم میں یہ فرق ہے کہ حیوان

ﷺ ''آپ پر اللہ کی رحمت اور سلامتی ہو۔''

کو خدا کی ٹھیرائی ہوئی تقدیر کے مطابق اپنی زندگی بسر کرنے اور اپنی محدود ضروریات بہم پہونچانے کے لئے جس قدر علم کی ضرورت ہے اس کو خدا نے اس میں ودیعت کر دیا ہے۔ یہ فطری علم یا وجدانِ طبعی اس کے حسب ضرورت اس کے ساتھ پیدا ہوتا ہے اور اس میں کمی زیادتی نہیں ہوتی۔ اس کے برخلاف جب انسان پیدا ہوتا ہے تو وہ علم (نظری یا اکتسابی) سے بالکل معرا ہوتا ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ اس کی سمجھ بھی بڑھتی جاتی ہے اور وہ اپنے مشاہدے سے اپنے علم میں ترقی کرتا جاتا ہے۔ لڑکپن میں اس کے ماں باپ علم حاصل کرنے میں اس کی مدد کرتے ہیں۔ پھر وہ جوان ہو کر اپنے ارد گرد کے لوگوں کے تجربوں یعنے اُن کے ذخیرۂ علم اور اپنی ذاتی تحقیقات سے اپنے معلومات میں اضافہ کرتا رہتا ہے، اور یہ سلسلہ اس کی موت تک برابر جاری رہتا ہے۔ فنِ کتابت کے ایجاد ہونے سے پہلے انسان کے معلومات کے ذرائع قُرب وجوار کے اسبابِ تعلیم تک محدود تھے۔ مگر جب لکھنے پڑھنے کا رواج ہوا تو ایک ملک سے دوسرے ملک، ایک قوم سے دوسری قوم، ایک زبان سے دوسری زبان، اور ایک زمانے سے دوسرے زمانے میں علوم منتقل ہونے لگے۔ ان تعلیمی سہولتوں کے باوجود انسان کے معلومات اس مادّی دنیا کے حدود میں حواس خمسہ کے دائرۂ عمل تک محدود تھے۔ بہت سے واقعات جو دنیا میں ہو چکے ہیں مگر وہ ضبط تحریر میں نہیں آئے اور وہ باتیں جو انسان کو موت کے بعد دوسری زندگی میں پیش آنے والی ہیں اُن کے علم کا بظاہر اسباب کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اس کے علاوہ تمدن کی روز افزوں پیچیدگیاں، اشخاص اور اقوام کے باہمی تعلقات کی کشمکش اور شخصی و قومی زندگی کی جدوجہد وغیرہ جیسے اسباب چونکہ انسان کے ضمیر کو گمراہ اور خراب کرتے رہتے ہیں اسلئے دُنیوی علوم کی روشنی کے علاوہ انسان روحانی نورِ ہدایت کا بھی محتاج ہے۔ یہہ نورِ ہدایت یعنے روحانی علم بذریعۂ وحی پیغمبروں کی زبانی انسانوں پر وقتاً فوقتاً اترتا رہا ہے۔ یوں تو اس کا سلسلہ حضرت آدمؑ ہی سے شروع ہو گیا تھا مگر اس میں مسلسل باقاعدگی حضرت نوح علیہ السلام[ف] سے شروع ہوئی جب طوفان کے بعد ایک نئی دنیا قائم ہوئی۔ اور یہہ سلسلہ پیغمبر آخر الزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا۔ اور خدا کا کتابی دین جس کا پہلا صحیفہ ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہوا تھا، جس کے احکام کی دو تختیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کوہِ طور پر اتری تھیں جو بعد میں توراۃ کی کتاب میں دوسری ہدایتوں کے ساتھ نقل کی گئیں، جس کا ترانہ حضرت داؤد علیہ السلام کی زبانی زبور میں گایا گیا تھا، اور جس کا وعظ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام نے گلیل کے ایک پہاڑ پر سنایا تھا، وہ دین اس قرآن مجید میں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ اور مدینہ میں تئیس سال کے عرصے تک نازل ہوتا رہا درجۂ تکمیل کو پہونچ گیا، اسلئے اس کے بعد وحی کا سدِباب ہو گیا۔

[ف] وو اُن پر سلامتی ہو۔

حصہ ۱ - خالق و مخلوقات

باب الفاتحہ

یعنے

قرآن کی افتتاح

حمد اور دعا کے ساتھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(شروع) اللہ کے نام سے (جو) نہایت رحم والا مہربان ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ①	سب تعریفیں اللہ ہی کو (سزاوار) ہیں جو تمام جہان کا پروردگار ہے ①
الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ②	جو نہایت رحم والا مہربان ہے ②
مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ③	جو روز جزا کا مالک ہے ③
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ④	(اے خدا) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں ④
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ⑤	ہم کو سیدھا رستہ دکھا ⑤
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ⑥	ان لوگوں کا رستہ جن پر تو نے فضل کیا ہے ⑥
غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ⑦	نہ ان کا جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کا ⑦

[سورۂ فاتحہ نمبر ۵]

ف

ف ۲ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہکر ایک کام کی ابتدا کرنا ہر سچے مسلمان کا فرض ہے۔ کتاب الہدیٰ کی تالیف بھی جس میں خدائے رحمٰن و رحیم کا کلام پاک یعنے قرآن مجید مضمون وار اور تاریخ وار مرتب کیا گیا ہے اور جس میں سابقہ کتب الٰہی کے (جن کی تصدیق قرآن پاک کرتا ہے) اقتباسات اور پیغمبر آخر الزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث درج ہیں اسی خدائے ذو الجلال والاکرام کے نام سے شروع کی جاتی ہے جس نے سارے جہان کی ہدایت اور رہنمائی اپنے انبیائے برحق اور کتب مقدسہ کے ذریعے سے فرمائی اور جس کی مدد اور ہدایت کے بغیر کوئی کام حسن انجام نہیں پا سکتا۔

ہم جب خدا کا نام لیکر کسی کام کو شروع کرتے ہیں تو در اصل ہم اپنے آپ کو خدا کا کارندہ تصور کرتے ہیں اور اس اختیار پر عمل کرتے ہیں جو ہمارے مختار کار نے ہم کو دے رکھا ہے، اُس قوت اور لیاقت سے کام لیتے ہیں جو اس صاحب قدرت نے ہم میں پیدا کی ہے، اور اس کام کو کرتے ہیں جس کو اس قادرِ مطلق نے ہمارے لئے مقدر کیا ہے۔ اُس وقت ہم اپنے رب کی ایک ہی صفت کو مدِ نظر رکھتے ہیں یعنے یہ کہ وہ سرچشمۂ رحمت ہے۔ وہ ہمیشہ سے رحیم رہا ہے اور آج بھی اُس کی رحمت

جاری ہے اور برابر جاری رہیگی کیونکہ وہ رحمٰن ہے ۔ ہمارے کام میں اُس کی رحمت شامل حال ہو تو ہماری کامیابی یقینی ہے، اور اگر ہم اُس کام کا بیڑا اٹھانے میں یا اُس کی تعمیل میں کوئی نادانستہ غلطی کریں تو اس کی رحمت سے امید ہے کہ وہ اس غلطی کو معاف کرکے صحت اور درستی کی طرف ہماری رہنمائی کریگا ۔

سورۂ نمل میں جو سلسلۂ نزول کے لحاظ سے سینتالیسویں سورۃ ہے جو خط حضرت سلیمان علیہ السلام کا بلقیس ملکۂ سبا کے نام ہے اُس کی ابتدا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی آیت سے ہوئی ہے ۔ یہہ اس سورۃ کے دوسرے رکوع کی سولھویں آیت ہے ۔ محدث ابو داؤدؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں پہچانتے تھے سورتوں کا فصل یعنے فرق یہاں تک کہ آپ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہوئی"۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سورۃ کی پیشانی پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کے لئے فرمادیا اور بسم اللہ کی آیت ہر دو سورتوں میں حدِ فاصل ہوگئی ۔

ف ۳ سورۂ فاتحہ ۔ اس سورۃ کو سورۂ فاتحہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے قرآن مجید کی افتتاح ہوتی ہے ۔ اگر ان سات چھوٹی چھوٹی آیتوں کی پوری طرح تفسیر کی جاے تو معلوم ہوگا کہ یہہ سورۃ سارے قرآن کی تعلیم کا نچوڑ ہے ۔ ایک حدیث میں اس کا نام "ام القرآن" (یعنی قرآن کی جڑ) جو آیا ہے وہ بالکل موزوں ہے ۔ سورۂ حجر (۵۲) کے رکوع ۶ میں خدا فرماتا ہے "ہم نے تم کو سبع مثانی یعنے سات آیتیں دیں جو (نماز میں) دہرائی جاتی ہیں اور (جو) قرآن عظیم ہے"۔ سبع مثانی سے یہاں یہی سورۂ فاتحہ مراد ہے ۔ صحیح بخاری میں ابو سعید بن معلّی کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کیا نہ سکھلاؤں میں تجکو ایک عظیم سورۃ جو قرآن میں ہے بیشتر اس کے کہ تو مسجد سے نکلے ۔ (راوی کا بیان ہے) پھر آنحضرتؐ نے میرا ہاتھ پکڑا اور جب مسجد سے نکلنے لگے تو میں نے کہا یا رسول اللہؐ کیا آپ نے یہہ نہیں فرمایا تھا کہ میں تجکو قرآن کی عظیم سورۃ سکھاؤنگا ۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ وہ سورۃ الحمد للہ رب العالمین ہے جو سات آیتیں ہیں جو نماز میں مکرر پڑھی جاتی ہیں اور وہ قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا"۔

الحمد میں الف لام استغراقی ہے ۔ کلام عرب میں جب یہہ الف لام کسی اسم عام پر آتا ہے تو اس سے اس اسم کے تمام افراد مراد ہوتے ہیں ۔ الحمد میں الف لام حمد کی قسم کی سب باتوں پر مشتمل ہے، اسلئے الحمد کا ترجمہ سب تعریفیں یا ہر قسم کی تعریف کیا گیا ہے ۔ خدا کی تعریف کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اس کی صفتیں بیان کی جائیں ۔ خدا کا تصور اس کی صفتوں ہی سے کیا جاسکتا ہے ۔ ہر قسم کی تعریف کا سزاوار فقط خدا ہی کو سمجھنا چاہئے یعنے یہہ یقین کرنا چاہئے کہ تمام صفتیں فقط اسی میں جمع ہیں ۔ جس طرح وہ اپنی ذات میں واحد ہے اسی طرح وہ اپنی صفات میں بھی واحد ہے ۔ خالق اور مخلوق میں جو رشتہ یا تعلق ہے وہ اس کی صفتوں سے پایا جاتا ہے، اسلئے جب ہم اس کی تعریف کرتے ہیں تو اس رشتہ اور تعلق کو بھی مدنظر رکھتے ہیں ۔

اللہ ۔ عربی زبان میں یہ لفظ فقط خدائے واحد کے لئے بولا جاتا تھا کسی من گھڑت معبود کے لئے نہیں ۔ عرب اپنے دیوتا کو الٰہ اور بصورت جمع آلہہ کہتے تھے اور خدائے واحد کے لئے اللہ کا لفظ استعمال کرتے تھے ۔ اگرچہ اللہ میں الف لام حرفِ تعریف ہے اور اس لفظ میں صفاتی پہلو بھی موجود ہے مگر سب علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ اسم

ذات ہے اور اس کے باقی تمام نام اسمائے صفات ہیں۔
رَبِّ الْعَالَمِیْنَ - خدا نے یہاں اپنے آپ کو تمام عالموں کا اللہ یعنے "الہ العالمین" نہیں کہا کیونکہ اللہ کے لفظ میں کوئی صفت نہیں ہے جو اس کا دوسرے سے علاقہ ظاہر کرے۔ رب ہونے کے لئے مربوب کی، خالق ہونے کے لئے مخلوق کی اور مالک ہونے کے لئے ملک کی ضرورت ہے، بغیر مرحوم کے رحمت کی صفت کا وجود نہیں۔ اللہ بطور خود ہمیشہ سے موجود ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ اس کی ہستی کے لئے کسی اور ہستی کی ضرورت نہیں۔ اسلئے ہم اس مقدس برتر از خیال ہستی کو "اللہ" کہکر خطاب کرتے ہیں اور اس کی حمد و ثنا کا راگ گاتے ہیں۔
خدا نے جب آنحضرت صلعم پر قرآن اتارنا شروع کیا تو اس کی ابتدا اس آیت سے ہوئی:-
اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ - پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا ①
پھر جب دوسری وحی نازل ہوئی تو اس میں فرمایا گیا:-
قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ اٹھو اور (لوگوں کو خدا کے عذاب سے) ڈراؤ ۲
وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ اور اپنے رب کی بڑائیاں بیان کرو ③
ان دونوں پہلی وحیوں میں خدا اپنے رسول سے فرماتا ہے "اپنے رب کے نام سے پڑھو، اپنے رب کی بڑائیاں بیان کرو"۔ مگر سورۂ فاتحہ میں پیغمبر کا رب یا مسلمانوں کا رب یا دعا کرنے والے کا رب نہیں کہا گیا، بلکہ یہہ کہا گیا ہے کہ تمام جہانوں کا رب ہی ہر طرح کی تعریف کا سزاوار ہے۔ بنی اسرائیل نے خدا کو خاص اپنی قوم کا خدا قرار دے رکھا تھا اور اس کو اسرائیل کا خدا، موسیٰ کا خدا کہکر پکارا کرتے اور دوسری قوموں کو دھمکایا کرتے تھے کہ ہمارا خدا تم کو اور تمہارے خداؤں کو شکست دیگا۔ موجودہ توراۃ میں جگہ جگہ یہہ مذکور ہے کہ میں تمہاری قوم کا خدا ہوں اور جب تک وہ راہ راست پر رہیگی میں اس کا خدا بنا رہونگا، اگر وہ مجکو چھوڑ کر دوسرے خداؤں کی پرستش کریگی تو میں بھی اس کا خدا نہ رہونگا، برخلاف اس کے قرآن مجید میں یہودیوں اور مشرکوں کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ وہی خدا ہمارا بھی خدا ہے، تمہارا بھی خدا ہے اور وہی دنیا جہان کا خدا ہے۔
رب کا ترجمہ پروردگار کیا گیا ہے مگر اس لفظ میں جو صفت مضمر ہے وہ فقط پرورش ہی کی نہیں ہے بلکہ تمام مخلوق کی ساری اٹھان اور اس کا مکمل نشو نما بھی اس میں داخل ہے۔ رب سے مراد وہ آقا، وہ مربی اور وہ پروردگار ہے جو بندوں کی ہر طرح سے ہر قسم کی تربیت اور نگہداشت کرتا ہے۔
عالمین جمع ہے عالم کی اور یہہ لفظ مشتق ہے علم سے یعنے سارا جہان جو خدا کے احاطۂ علم میں ہے۔ عرب کے محاورے میں کسی جنس کے گروہ کو بھی عالم کہتے ہیں جیسے عالم حیوانات، عالم نباتات وغیرہ۔ اس لحاظ سے ہر جنس کے تمام گروہ بھی لفظ عالمین سے مراد لئے جا سکتے ہیں۔
اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - اللہ اپنے وجود کا احساس کرانے اور ادنیٰ و اعلیٰ مخلوق کے ساتھ اپنا تعلق بتانے اور اس تعلق مخصوص حیثیت جتانے کے بعد اپنی ایک خاص صفت اسلئے بیان کرتا ہے کہ اس کے بندے اس کی اس صفت کو ملحوظ رکھکر اس کو ہر دعا، ہر نماز، ہر مصیبت، ہر خوشی میں یاد کیا کریں۔ جس طرح مسلمانوں نے اللہ کا لفظ (جس کا پورا پورا امرا

کسی زبان کا کوئی لفظ نہیں) خدا کے لئے مخصوص کر لیا ہے، اسی طرح مسلمانوں کے دل میں خدا کے رحمٰن اور رحیم ہونے کی صفت بھی ایسی جانشین ہو گئی ہے کہ وہ خدا کی اور تمام صفتوں پر غالب ہے ۔ رحمٰن کے لفظ سے مشرکینِ مکہ کو خاص طور پر چڑھ تھی چنانچہ سورہ فرقان (۴۱) کے رکوع ۵ میں مذکور ہے کہ "جب کافروں سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا چیز ہے ۔ کیا جس کے آگے تم ہمیں کہو اسی کو سجدہ کرنے لگیں ۔ اور رحمٰن کا نام سن کر ان کو اور زیادہ نفرت ہوتی ہے (۱۶)"۔ ان کی چڑھ مٹانے کے لئے خدا نے سورہ بنی اسرائیل (۴۷) رکوع ۱۲ میں فرمایا "کہو کہ تم اللہ پکارو یا رحمٰن پکارو جس نام سے بھی پکارو تو اس کے سب نام اچھے ہیں (۱۰)"۔

مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۔ روزِ جزا کا مالک ۔ اس آیت میں دعا کرنے والا روزِ جزا یعنے قیامت کے برحق ہونے پر اپنے اعتقاد کا اظہار کرتا ہے اور خدا کو اس روز کا مالک اور حاکم مانتا ہے ۔ وہ اس بات کا بھی یقین رکھتا ہے کہ سب انسان اُس روز دوبارہ زندہ ہونگے اور اپنے خالق اور پروردگار کے سامنے پیش کئے جائینگے، اس روز ان کے اعمال کا حساب ہوگا، ان کے نیک کاموں کی جزا اور بُرے کاموں کی سزا ملیگی، اس روز خدا ہی کی حکومت ہوگی اور اس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کسی کے حق میں کام نہ آئیگی ۔

کفارِ مکہ روزِ جزا کے قائل نہیں تھے ۔ موجودہ توراۃ میں بھی جزا و سزا کا کچھ ذکر نہیں ہے ۔ حضرت ایوب علیہ السّلام کی کتاب میں روزِ حشر کا ذکر آیا ہے، مگر وہ کتاب حضرت ایوبؑ کے زمانے کے بہت بعد لکھی گئی ہے ۔ زبور میں ایک آدھ جگہ قیامت کا ذکر ہے ۔ البتہ حضرت عیسٰیؑ سے پانچ سو برس قبل حضرت دانیالؑ نے اپنے مواعظ میں جزا و سزا کو بیان کیا ہے مگر اس سے یہودیوں کے عقائد میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ۔ حضرت عیسٰیؑ نے بھی جزا و سزا کی تعلیم دی تھی مگر بعد میں کفارے کے مسئلے نے اس کو نسیاً منسیاً کر دیا ۔ اس عقیدے کی تعلیم قرآن کا جزوِ اعظم ہے ۔ بیسیوں مواقع ہیں جہاں مختلف پیرایوں سے اس مسئلے پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔ جزا و سزا کا یقین نہ ہونے کی وجہ سے مشرکین اور یہود بڑی بے باکی کے ساتھ بلاخوفِ عقوبت جرائم کا ارتکاب کرتے تھے ۔ عیسائیوں کو اس بات کا اطمینان ہے کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر چڑھ کر اپنی امت کے سب گناہوں کا کفارہ ہو گئے، اور ان کو اس کا بھی بھروسہ ہے کہ قیامت کے دن کے حاکم یعنے مالکِ یوم الدّین بھی حضرت عیسٰیؑ ہی ہونگے نہ کہ خدا ۔ اس لئے ان کو کسی قسم کی عقوبت کا کوئی خوف نہیں ۔ برخلاف اس کے قرآن صاف صاف اس کا فیصلہ سنا دیتا ہے کہ اس دن کا مالک خدا کے سوا اور کوئی نہیں ۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں ۔ اس آیت میں عبادت کرنا اور مدد مانگنا ساتھ ساتھ آیا ہے ۔ عبادت بغیر دعا کے اور دعا بغیر عبادت کے ادھوری رہ جاتی ہے ۔ یہود اور نصارٰی کے ہاں فقط دعا ہی دعا ہے، دعا کے سوا کوئی نماز جو اسلام میں عبادت کا بڑا رکن ہے ان کے ہاں نہیں ۔ مشرک اور بت پرست خدا کے وجود کا یقین رکھتے تھے اور اب بھی رکھتے ہیں، وہ دہریوں کی طرح خدا کے منکر نہیں، مگر وہ خدا کو ایک ایسا بادشاہ سمجھتے تھے اور سمجھتے ہیں کہ جس نے اپنی وسیع سلطنت کے کاروبار کو اپنے ماتحتوں کے سپرد کر دیا ہے، اس کو نہ تو اتنی فرصت ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے کہ اپنی ہر ادنیٰ اور اعلیٰ مخلوق کی باتوں پر توجہ کرے یا ان کے کاموں میں دخل دے ۔ مشرکین کی امید و بیم کا مرجع ماتحتی خداوند تھے جو انسانوں کی خاص خاص جماعتوں کی قسمت پر مسلّط سمجھے جاتے

تھے ۔ اس لئے وہ ان ماتحتی خداوندوں کے بت بناتے، ان کی پوجا پاٹ کرتے، ان کے پاس اپنی حاجت لے جاتے، اور ان کو رضامند کرنے کے لئے ان پر بھینٹ چڑھاتے تھے ۔ ان کی یہ ساری کاوش اسی دنیا میں نفع حاصل کرنے اور ضرر سے بچنے کے لئے ہوتی تھی، کیونکہ مرنے کے بعد جی اٹھنے اور اپنے اعمال کا حساب دینے اور ان کا بدلہ پانے کے وہ قائل نہیں تھے ۔ اس آیت میں خدا مسلمانوں سے کہلاتا ہے کہ "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔" مسلمانوں کے ہاں عبادت اور مدد کا مرجع خدا کے سوا کوئی اور نہیں ۔ قرآن نے انسان اور خدا میں ایسا قریبی تعلق پیدا کر دیا ہے کہ ہم براہِ راست اپنی سب حاجتیں خدا ہی سے مانگ سکتے ہیں ۔ خدا قرآن میں بار بار فرماتا ہے کہ میں بندے کی دعا سنتا ہوں اور قبول کرتا ہوں ۔ اس لئے کفار کی طرح ہم اس کے محتاج نہیں ہیں کہ اپنی حاجت روائی کے لئے خدا کے سوا کوئی اور وسیلہ ڈھونڈیں ۔ خدا فرماتا ہے "خالص دین (یعنے فرماں برداری) اللہ ہی کے لئے ہے ۔ اور جن لوگوں نے خدا کے سوا اولیا (یعنے حمایتی) بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم تو ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ خدا سے ہم کو نزدیک کر دیں ۔ تو ان کے اور ان کے (مقابل اہل ایمان کے) باہمی اختلافات کا (قیامت کے روز) اللہ فیصلہ کر دیگا" ۳ ع زمر ۵۵ ۔ پھر خدا کا ارشاد ہے "(اے محمد) جب تم سے بندے تم سے میرے بارے میں دریافت کریں تو (ان کو کہہ دو کہ) میں قریب ہوں ۔ جب کبھی کوئی مجھ سے دعا کرے تو دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں ۔ تو ان کو چاہیئے کہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ بھلائی پائیں" ۳ ع بقرہ ۰ ۔ ان دونوں آیتوں سے صاف ثابت ہے کہ خدا کا تقرب بلاکسی وسیلے کے حاصل ہوتا ہے اور بلاکسی ذریعے کے اس سے دعا کی جا سکتی اور مدد مانگی جا سکتی ہے ۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۔ ہم کو سیدھا رستہ دکھا ۔ پہلی چار آیتوں میں ہم نے خدا کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی توحید فی الذات، توحید فی الصفات، توحید فی العبادات اور اس کے مالک یوم الدین ہونے پر اپنے اعتقاد کا اظہار کیا۔ اس سورہ میں آخری تین آیتیں دعا کی ہیں اور یہ دعا بڑی جامع دعا ہے ۔ ہم خدا سے التجا کرتے ہیں کہ ہم کو سیدھا رستہ دکھا ۔ خدا نے ہر چیز کے لئے ایک راہ مقرر کر دی ہے جس پر وہ اپنی فطرت کے مطابق چلی جا رہی ہے ۔ اسی طرح انسان کے لئے بھی خدا نے ایک راہ تجویز کر دی ہے جس پر قائم رہنے میں اس کی بھلائی اور جس کے چھوڑ دینے میں برائی اور تباہی ہے ۔ اس زندگی میں خدا کے مقرر کئے ہوئے قوانین پر عمل کرنا عین عبادت اور سعادت ہے، اور ان سے انحراف نافرمانی اور شقاوت ہے ۔ ضمیر اور عقل کے علاوہ ہمارے لئے روحانی یعنے دینی ہدایت کی بھی ضرورت ہے اور خدا تعالیٰ نے قرآن کے ذریعے سے ہماری دینی ہدایت فرما دی ہے ۔ قرآن میں نہ صرف معتقدات اور عبادات کی ہم کو تعلیم دی گئی ہے بلکہ حسنِ اخلاق، معاشرت، آداب، معاملات اور سیاسات کا علم بھی سکھایا گیا ہے ۔ یہ ساری شریعت دنیاوی فلاح اور اخروی نجات کی شاہ راہ یعنے صراطِ مستقیم ہے جس پر استقلال اور مستعدی سے قائم رہیں تو ہم منزل کو پہنچ سکتے ہیں ورنہ نہیں ۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۵ۙ　　ان لوگوں کا رستہ جن پر تو نے اپنا فضل کیا ۶

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۵　　نہ ان کا جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کا ۷

دنیا میں ایسی بہت سی قومیں گذری ہیں جو خدا کے قرار دئے ہوئے قوانین پر عمل کرکے اوج سعادت و ترقی پر پہنچیں، اور ایسی بھی قومیں تھیں جو اپنے ضمیر کے خلاف، قانونِ قدرت کے خلاف، شریعت الٰہی کے خلاف عمل کرکے اپنے کرتوت کی بدولت ہلاک اور تباہ ہوگئیں۔ اول الذکر قوموں کے حالاتِ زندگی کے پڑھنے سے ہم کو نیکی کی ترغیب ہوتی ہے اور آخر الذکر اقوام کے واقعات سے ہم عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔ ان تاریخی واقعات کے مشاہدے سے ہم یہہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ خدا کا قانون اور خدا کی سنت کبھی نہیں بدلتی۔ ہماری سلامتی اسی میں ہے کہ ہم ان قوانین کی متابعت کریں نہ کہ مخالفت۔ قرآن شریف کا تین چوتھائی حصہ اگلوں کے سبق آموز واقعات سے بھرا ہوا ہے جن کی طرف ان دو آیتوں میں اشارہ کیا گیا ہے۔

سورۂ فاتحہ کی فضیلت۔ ترمذی نے ایک حدیث (جس کو حسن صحیح کہا گیا ہے) ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ نہیں اتاری گئی توراۃ میں اور نہ انجیل میں اور نہ قرآن میں کوئی سورۃ اس کے مانند اور تحقیق سورۂ فاتحہ سات آیتیں ہیں جو مکرر پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔"

توراۃ تو ایک مقدس تاریخ کی کتاب ہے جس میں سوائے قربانی چڑھانے کے کسی عبادت یا دعا مانگنے کا طریقہ نہیں بتایا گیا، اس میں کوئی دعا بھی نہیں دی گئی ہے۔ زبور منظوم کتاب ہے جس میں بہت سی مناجاتیں ہیں جو بنی اسرائیل کی عبادت میں پڑھی اور گائی جاتی ہیں۔ اس میں بہت سی عمدہ عمدہ دعائیں ہیں مگر کوئی دعا ایسی جامع نہیں ہے جیسی کہ سورۂ فاتحہ۔ متی اور لوقا کی انجیلوں میں ایک دعا دی گئی ہے جس کا نام خداوند کی دعا ہے، جس کو پڑھنا ہر عیسائی اپنا فرض سمجھتا ہے۔ وہ دعا یہاں نقل کی جاتی ہے تاکہ یہہ معلوم ہوجائے کہ سورۂ فاتحہ کے مقابلے میں اس کی قدر و قیمت کیا ہے۔ وہ دعا یہہ ہے: "پس تم اس طرح دعا مانگا کرو کہ ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک ہے ⑨ تیری بادشاہت آئے۔ تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو ⑩ ہماری روز کی روٹی آج ہم کو دے ⑪ اور جس طرح ہم اپنے قرض داروں کو معاف کرتے ہیں تو بھی ہمارے قرض ہمیں معاف کر ⑫ اور ہمیں آزمائش میں نہ لا بلکہ برائی سے ہم کو بچا کیونکہ ہمیشہ کے لئے تیری ہی بادشاہت ہے (تیری ہی) طاقت ہے اور (تیری ہی) شان (و شوکت) ۔ آمین" ⑬ متی باب ۶۔

خلاصہ۔ سورۂ فاتحہ کی اس مختصر تفسیر سے یہہ بات ظاہر ہے کہ جن باتوں کی تعلیم قرآن کا مقصد ہے اور جن کا بیان قرآن کی باقی ایک سو تیرہ سورتوں میں صراحت اور تفصیل کے ساتھ پورا ہوا ہے وہ سب مجملاً اس مختصر سورۃ میں موجود ہے۔ اسی وجہ سے اس کو "ام الکتاب" کہا گیا ہے۔ یہہ سورۃ گویا قرآن مجید کے مضامین اور مطالب کا خلاصہ ہے۔ ہم نے اس خلاصے کو تمہید کے طور پر پہلے باب میں درج کر دیا ہے۔ اب قرآن کے مضامین علیحدہ علیحدہ بابوں میں پیش کئے جاتے ہیں تاکہ ناظرین اس مقدس کتاب کے ہر ایک مضمون کی تمام آیتوں کو ایک جگہ پڑھکر آسانی کے ساتھ ان سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

باب۲ - اللہ کی ذات وصفات

سورۂ نمل ۴۷ — قع ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

(شروع) اللہ کے نام سے (جو) نہایت رحم والا مہربان ہے ۝

سورۂ حشر ۹۱ — اللہ ۱ — عالم الغیب ۲۸ رحمٰن ۲۹ رحیم ۳۰

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝

وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں، وہ غیب کا اور ظاہر کا جاننے والا ہے، وہ نہایت رحم والا مہربان ہے ۝

ملک ۳۳ قدوس ۵۳ — سلام ۳۷ مومن ۶۴ مہیمن ۶۵ — عزیز ۵۸ جبار ۶۰ متکبر ۶۶

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں، وہ بادشاہ ہے، پاک ہے، سلامتی والا ہے، امن دینے والا ہے، نگہبان ہے، زبردست ہے، دباؤ والا ہے، بزرگی والا ہے۔ اللہ پاک ہے تمام شرک کی چیزوں سے ۝

خالق ۴۳ باری ۴۴ مصور ۹۲ — اسماء الحسنیٰ — تسبیح[1] حکیم ۱۶ — قع ۲

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

وہی اللہ پیدا کرنے والا ہے، نمود میں لانے والا ہے، صورت بنانے والا ہے، اس کے لئے سب اچھے نام ہیں۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کی تسبیح[1] کرتا ہے اور وہ غلبے والا (اور) حکمت والا ہے ۝

سورۂ حج ۹۰ — حق ۳۰ — علی ۴۷ کبیر ۶۱

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝

یہ اس لئے ہے کہ اللہ ہی برحق ہے اور جس کو وہ (منکر) اس کے سوائے پکارتے ہیں وہ باطل ہے اور بے شک اللہ عالی شان اور بڑا ہے ۝

لطیف ۶۴ خبیر ۲۵

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۡ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝

کیا تو نے دیکھا نہیں کہ اللہ ہی آسمان سے پانی برساتا ہے، پھر زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔ بے شک اللہ مہربان باخبر ہے ۝

غنی ۲۵ حمید ۲۱ — قع ۳

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝

اسی کا ہے جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ اللہ ہی بے نیاز وسزاوار حمد ہے ۝

ف

[1] تسبیح - خدائے تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے کو تسبیح کہتے ہیں، یہ تسبیح خواہ زبانِ حال سے ہو یا قال سے یا دل سے۔ آسمانوں اور زمین میں جتنی چیزیں ہیں وہ سب زبانِ حال سے اپنے خالق کی پاکی بیان کر رہی ہیں یعنے ان کی ترکیب، ان کا وجود اور ان کی تقدیر خدا کے واحد، لاشریک اور تمام قسم کے عیوب سے پاک اور منزہ ہونے کی شہادت دے رہی ہے۔

نوٹ اسماء الحسنیٰ کی مکمل فہرست مع لغات دس باب کے خاتمے پر دی گئی ہے۔ یہاں ناموں پر جو نمبر ہیں وہ اسی فہرست کے ہیں۔

نوٹ۔ رکوع کا نشان ع اور اقتباس کا نشان ق ہے، رکوع اور اقتباس کا مرکب نشان اس طرح دیا گیا ہے قع۔ اس نشان کے اوپر کا نمبر رکوع کا اور دائرے کے اندر کا نمبر اقتباس کا ہے۔

ترجمہ	آیت	حاشیہ
کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے ان چیزوں کو جو زمین میں ہیں	أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ	خدا نے زمین کی چیزوں کو انسان
تمہارے بس میں کر دیا ہے اور کشتی کو (بھی) جو اس کے	وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَ	کے بس میں کر دیا ہے۔
حکم سے دریا میں چلتی ہے۔ اور (وہی) آسمان کو زمین پر	يُمْسِكُ السَّمَاءَ أَن تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ	
گرنے سے تھامے ہوئے ہے مگر اس کے حکم سے۔ بے شک	إِلَّا بِإِذْنِهِ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ	
اللہ آدمیوں پر نہایت شفیق (اور) مہربان ہے ①	لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ①	رکوع ۹ رؤف ۳۳ رحیم ۳۰
جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کی تسبیح کرتے ہیں،	سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ	سورۂ حدید ۹۹
اور وہ غالب (اور) حکمت والا ہے ①	وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ①	عزیز ۵۴ حکیم ۱۶
آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی کے لئے ہے، وہی جلاتا	لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِي وَ	خدا کی سلطنت
اور مارتا ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ②	يُمِيتُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ②	قدیر ۵۸
وہی اول ہے اور آخر ہے، اور ظاہر ہے اور	هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ	اول ۲ آخر ۳ ظاہر ۳۴
پوشیدہ ہے، اور وہ ہر چیز سے واقف ہے ③	وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ③	رکوع باطن ۷ علیم ۴۴
اور رات اور دن کی تقدیر اللہ ہی ٹھیراتا ہے ①	وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ①	سورۂ مزمل ۳
مشرق اور مغرب (یعنے تمام عالم) کا پروردگار ہے، اس کے سوا	رَّبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا	رب مشرق و مغرب ۲۸
کوئی معبود نہیں، تو اسی کو (اپنا) کارساز بنا ①	هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ○	رکوع وکیل ۹۲
اپنے پروردگار عالی شان کے نام کی تسبیح کرو ①	سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ①	سورۂ اعلیٰ ۸ اعلیٰ ۴۷
جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا، پھر درست بنایا ②	الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ ②	
اور جس نے اس کی تقدیر ٹھیرائی، پھر (اس کو) راہ بتلائی ③	وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ ③	تقدیر ۳۷
اور جس نے (زمین سے) چارہ نکالا ④	وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَىٰ ④	
پھر اس کو کالا کوڑا کر دیا ⑤	فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَىٰ ⑤	
بے شک وہ کھلی بات کو جانتا ہے اور (اُسے بھی) جو چھپی ہے ⑥	إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَىٰ ⑦	رکوع
کہو کہ میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب کی ①	قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ①	سورۂ ناس ۱۸ رب ۲۸
انسانوں کے بادشاہ کی ②	مَلِكِ النَّاسِ ②	ملک ۶۲
انسانوں کے معبود کی ③	إِلَٰهِ النَّاسِ ③	رکوع ۱۰۱

۳۷ تقدیر- ان پانچ آیتوں میں ہر قسم کی مخلوقات کے وجود میں لانے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ خدائے تعالیٰ موجودات عالم کی ہر نوع پر چاہئے وہ از قسم اجرام فلکی ہو یا حشرات الارض چار عمل کرتا ہے (۱) اس کو پیدا کرتا یعنے وجود میں لاتا ہے، (۲) اس کو کامل کرتا یعنے درجۂ کمال کو پہونچاتا ہے، (۳) اس کی تقدیر ٹھیراتا ہے یعنے اس کے وجود میں لانے کی غرض و غایت اور اس کا کام مقرر کرتا ہے، (۴) اس کو اس راہ پر لگا دیتا ہے جس پر چلنے کے لئے وہ بنائی گئی ہے۔ مخلوقات کی ہر ایک نوع اپنی خلقت کی غرض و غایت کو پورا کرنے کے لئے اسی ڈھرّے پر چلی جا رہی ہے جس پر خدا نے اس کو لگا دیا ہے۔ اسی کو تقدیر کہتے ہیں۔ اس کی تفصیل باب ۱۱ (تقدیر، ہدایت و مشیت الٰہی) میں آئیگی۔

نوٹ:- نمبر ۱ سے ۸۶ تک کی سورتیں اور ۸۷ سے ۱۱۴ تک مدنی سورتیں ہیں۔

حاشیہ	آیت	ترجمہ
سورۂ شوریٰ ۶۰	فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ⑪	(وہی) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا (ہے)۔ اس نے تم لوگوں کے لئے تمہاری جنس کے جوڑے بنائے، اور چارپایوں کے جوڑے بھی۔ تم کو روئے زمین پر پھیلا تا رہتا ہے۔ کوئی چیز اس جیسی نہیں، اور وہ سنتا دیکھتا ہے ⑪
سمیع ۳۶ بصیر ۹ آسمان اور زمین کی کنجیاں اللہ کے پاس ہیں۔ باسط ۵ علیم ۴۴	لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑫	آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں، جس کے لئے چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کرتا ہے۔ بے شک وہ ہر چیز سے واقف ہے ⑫
قوی ۵۵ عزیز ۴۵ ق ع	اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ⑲	اللہ اپنے بندوں پر لطف کرنے والا ہے، وہ جسے چاہتا ہے روزی دیتا ہے۔ وہ قوی اور زبردست ہے ⑲
سورۂ ذاریات ۵ رزاق ۳ متین ۷ ق ع	اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ⑬	بے شک اللہ خود بڑا روزی دینے والا، قوت والا، زبردست ہے ⑬
سورۂ طور ۵، برّ ۸ ق ع	اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ⑱	بے شک وہ محسن (اور) مہربان ہے ⑱
سورۂ رحمٰن ۱۰۱	كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ①	سب جو اس کے (یعنی زمین کے) اوپر ہیں فنا ہونے والے ہیں[1]
باقی ۱۰ ذوالجلال والاکرام ۲۷	وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ②	اور (صرف) تمہارے عظمت والے بزرگ رب کی ذات باقی رہیگی ②
	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ③	تو تم اپنے پروردگار کی کونسی کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ③
ہر وقت خدا کام میں لگا ہوا ہے۔	يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ④	اسی سے مانگتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں ہر روز وہ ایک شان میں ہے ④
ق ع	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ⑤	تو تم اپنے پروردگار کی کونسی کونسی نعمتوں سے کروگے ⑤
سورۂ مؤمن ۵۸ علی ۴۷ کبیر ۶۱	فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ⑫	اللہ ہی کی حکومت ہے جو عالی شان (اور سب سے) بڑا ہے ⑫
	هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ⑬	وہی تو ہے جو تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور آسمان سے تمہارے لئے روزی اتارتا ہے۔ اور نصیحت اختیار نہیں کرتا مگر وہ جو بار بار (خدا کی طرف) رجوع کرتا ہے ⑬
	فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ⑭	تو خالص خدا ہی کی فرماں برداری مدنظر رکھکر (اسی کو) پکارو اگرچہ کافر ناپسند کریں ⑭
رفیع ۳۲ ذوالعرش ۷ ۲	رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ⑮	وہ درجوں کا بلند کرنے والا، عرش والا ہے، اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے روح (یعنی وحی) بھیجتا ہے تاکہ وہ ملاقات (یعنی قیامت) کے دن سے ڈرائے[1]

جس دن کہ لوگ (قبروں سے) نکل پڑینگے - اللہ پر کوئی بات ان کی مخفی نہ رہیگی - آج بادشاہت کس کے لئے ہے؟ اللہ ہی کے لئے ہے جو اکیلا (اور) سب پر غالب ہے ⑯

يَوْمَ هُم بَارِزُونَ ۖ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۚ لِّمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ⑯

ع - واحد ۹۳ قہار ۵۶

الٓمٓ ① اللہ - اس کے سوا کوئی معبود نہیں، زندہ، قایم ہے ②

الٓمٓ ① اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ②

سورۂ آل عمران ۸۹ - حی ۴۲ قیوم ۵۹

جو لوگ خدا کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے - اور اللہ زبردست بدلہ لینے والا ہے ④

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ ④

عزیز ۴۵ ذوانتقام ۸۹

بے شک اللہ سے کوئی چیز چھپی نہیں (نہ) زمین میں اور نہ آسمان میں ⑤

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ⑤

وہی ہے جو تمہاری صورتیں (ماں کے) رحموں میں جس طرح چاہتا ہے بناتا ہے - اس کے سوا کوئی معبود نہیں - زبردست ہے حکمت والا ہے ⑥

هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ⑥

مصور ۶ - عزیز ۴۵ حکیم ۱۶

اور جو لوگ علم میں بڑی پایگاہ رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے، اور عقل والوں کے سوا کوئی نصیحت قبول نہیں کرتا ⑦

وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ⑦

راسخ العلم لوگ خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔

(اور علم والے دعا کرتے ہیں) اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو ڈانواں ڈول نہ کر اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت کی، اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرما کیونکہ تو بڑا دینے والا ہے ⑧

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ⑧

وہاب ۴۹

اے ہمارے پروردگار ضرور تو لوگوں کو اس دن کے لئے اکٹھا کرنے والا ہے جس میں کچھ شک نہیں - بے شک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا ⑨

رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ⑨

جامع ۱۵ - ع

(وہی) چھپی اور کھلی باتوں کا جاننے والا بڑا عالی شان ہے ⑨

عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ ⑨

سورۂ رعد ۷۰ - ع - عالم ۴۹ کبیر ۱۶ متعال ۶۷

بے شک تمہارے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے ⑫

إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ⑫

سورۂ بروج ۳۴

وہی پہلی بار (پیدا) کرتا اور وہی دوبارہ بھی کریگا ⑬

إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ ⑬

مبدی ۸۷ معید ۸۸

اور وہ بخشنے والا محبت کرنے والا ہے ⑭

وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ⑭

غفور ۵۰ ودود ۹۵

عرش کا مالک (اور) بزرگ ہے ⑮

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ⑮

ذوالعرش ۲۷ مجید ۳۷

جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے ⑯

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ⑯

ع

لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو اور ان لوگوں کو جو تم سے پہلے تھے پیدا کیا، عجب نہیں تم پرہیز گار بن جاؤ ②

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ②

سورۂ بقر ۸۷

جس نے تمہارے لئے زمین کا فرش بنایا اور

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا

	وَالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ	آسمان کی چھت اور آسمان سے پانی برسا کر اس سے
	مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ	تمہارے کھانے کے پھل پھلاری پیدا کی، پس تم (کسی کو)
	ع فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾	اللہ کا ہم پلہ نہ بناؤ، اور تم تو جانتے ہو ﴿۴﴾
سورۂ حج ۹۰ مولیٰ ۹۷	هُوَ مَوْلٰىكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ	وہی تمہارا کارساز ہے، تو کیا ہی اچھا کارساز ہے اور کیا
نصیر ۹۱	ع النَّصِيْرُ ﴿۶﴾	ہی اچھا مددگار ﴿۶﴾
سورۂ مومن ۵۸	ع يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿۱۰﴾	وہ آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے اور ان (باتوں) کو جو سینوں میں پوشیدہ ہیں ﴿۱۰﴾
سورۂ انعام ۵۳	عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَهُوَ الْحَكِيْمُ	وہی غائب اور حاضر کو جاننے والا ہے۔ اور وہ حکمت والا
خبیر ۲۵	الْخَبِيْرُ ﴿۴﴾	باخبر ہے ﴿۴﴾
واسع ۹۹	وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا اَفَلَا	میرا پروردگار علم کی رو سے سب چیزوں پر حاوی ہے۔
	ع تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۱﴾	کیا تم خیال نہیں کرتے ﴿۱۱﴾
سورۂ بقرہ ۸۷	وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ	اور اللہ اپنا ملک جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور اللہ
واسع ۹۹ علیم ۴۴	ع وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵﴾	گنجائش والا، جاننے والا ہے ﴿۵﴾
سورۂ نساء ۴ رقیب ۹	ع اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴿۱﴾	بے شک اللہ تمہارا نگراں ہے ﴿۱﴾
مقیت ۶۸	وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۹﴾	اور اللہ ہر چیز پر قابو رکھنے والا ہے ﴿۹﴾
حسیب ۴۳	ع اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۱۰﴾	بے شک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے ﴿۱۰﴾
	مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ	اللہ تم کو عذاب دے کر کیا کریگا اگر تم شکر کرو اور ایمان
شاکر ۳۸ علیم ۴۴	ع وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۶﴾	لاؤ اور قدر کرنے والا، جاننے والا ہے ﴿۶﴾
سورۂ فاطر ۴ فاطر	اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	سب تعریف اللہ ہی کو (سزاوار) ہے جو آسمانوں اور زمین کا
قدیر ۵۸	اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱﴾	بنانے والا ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱﴾
فتاح ۵۳	مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا	اللہ (اپنی) رحمت جو لوگوں کے لئے کھولے تو کوئی اس کا بند
	مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ	کرنے والا نہیں، اور جو بند کرے تو اس کے بعد کوئی اس کا
عزیز ۵۴ حکیم ۱۶	مِنْ بَعْدِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲﴾	جاری کرنے والا نہیں۔ اور زبردست، حکمت والا ہے ﴿۲﴾
	يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ	لوگو! اللہ کے احسان جو تم پر ہیں ان کو یاد کرو۔ کیا اللہ کے
خالق ۲۴	هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ	سوا کوئی (اور بھی) پیدا کرنے والا ہے جو آسمان اور زمین سے
	السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى	تم کو روزی دے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم کدھر بہکے
	ع تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳﴾	چلے جا رہے ہو ﴿۳﴾
عالم ۴۴	اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے
علیم ۴۴	اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱﴾	بے شک وہ دلی خیالات (تک) سے (بھی) واقف ہے ﴿۱﴾

إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿٤١﴾

بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ ٹل (نہ) جائیں، اور اگر ٹل جائیں تو اس کے سوا کوئی نہیں جو ان کو تھام سکے۔ بے شک اللہ تحمل والا، بخشنے والا ہے ﴿۴۱﴾

ع حلیم ۱۹ غفور ۵۰

إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٣٤﴾

بے شک ہمارا پروردگار (بڑا) بخشنے والا (بڑا) قدردان ہے ﴿۳۴﴾

ع غفور ۵۰ شکور ۳۸

لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا ﴿١٤٨﴾ إِنْ تُبْدُوا خَيْرًا أَوْ تُخْفُوهُ أَوْ تَعْفُوا عَنْ سُوءٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا ﴿١٤٩﴾

اللہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی (کسی کو) منہ پھوڑ کر برا کہے، مگر جس پر ظلم ہوا ہو (وہ ظالم کو برا کہہ بیٹھے تو معذور ہے)۔ اللہ سنتا جانتا ہے ﴿۱۴۸﴾ (لوگوں کے ساتھ) بھلائی کھلم کھلا کرو یا چھپا کر کرو یا برائی سے درگزر کرو تو بے شک اللہ معاف کرنے والا، قدرت والا ہے ﴿۱۴۹﴾

سورۂ نسا ۴ ۹ — سمیع ۳۶ علیم ۴۴ — عفو ۴۸ — ع قدیر ۵۵

إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿٣٧﴾

بے شک وہ بڑا ہی درگزر کرنے والا، مہربان ہے ﴿۳۷﴾

ع سورۂ بقرہ ۸ تواب ۱۲

فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ﴿١١٤﴾

اللہ عالی شان، حقیقی بادشاہ ہے ﴿۱۱۴﴾

ع سورۂ طٰہٰ ۴ ملک ۶۳ حق ۳۰

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَنَهَرٍ ﴿٥٤﴾ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُقْتَدِرٍ ﴿٥٥﴾

بے شک پرہیزگار باغوں اور نہروں میں ﴿۵۴﴾ سچی (عزت کی) جگہ قدرت والے بادشاہ کے قریب ہونگے ﴿۵۵﴾

سورۂ قمر ۴ ۳ — ع ملیک ۶۳ مقتدر ۵۷

وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ ﴿٩٠﴾

اور اپنے پروردگار سے معافی چاہو اور اسی کی جناب میں توبہ کرو۔ بے شک میرا پروردگار رحم کرنے والا، محبت کرنے والا ہے ﴿۹۰﴾

سورۂ ھود ۵۰ — ع رحیم ۳۰ ودود ۹۵

إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٥٦﴾

(ھود نے کہا) بے شک میرا رب (انصاف کے) سیدھے رستے پر ہے ﴿۵۶﴾

إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿٥٧﴾

بے شک میرا پروردگار ہر چیز کا نگہبان ہے ﴿۵۷﴾

ع حفیظ ۱۸

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ ۖ هُوَ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُجِيبٌ ﴿٦١﴾

(صالح نے) کہا کہ اے قوم! خدا ہی کی عبادت کرو، تمہارے لئے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اسی نے تم کو زمین سے بنایا اور تم کو اسی میں بسایا، تو اسی سے معافی مانگو اور اسی کے جناب میں توبہ کرو۔ بے شک میرا پروردگار قریب (ہے اور دعا) قبول کرنے والا ہے ﴿۶۱﴾

ع مجیب ۶۹

إِنَّهُ حَمِيدٌ مَجِيدٌ ﴿٧٣﴾

بے شک خدا سزاوار حمد (اور) بزرگ ہے ﴿۷۳﴾

ع حمید ۲۱ مجید ۷۳

فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ ﴿٤٠﴾

میرا پروردگار بے نیاز (اور) سخی ہے ﴿۴۰﴾

ع سورۂ نمل ۴ غنی ۵۱ کریم ۶۰

فَانْظُرْ إِلَىٰ آثَارِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ إِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتَىٰ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٥٠﴾

تو اللہ کی رحمت کی نشانیوں کی طرف دیکھ کہ وہ کیونکر زمین کو اس کے مرے پیچھے جلاتا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ وہی مردوں کا جلانے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۵۰﴾

سورۂ روم ۸۴ — ع محی ۱۷ قدیر ۵۵

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ ﴿٢٦﴾

(کفار سے) کہدو کہ ہمارا پروردگار (قیامت کے دن) ہم (دونوں) کو جمع کریگا، پھر ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیگا۔ اور وہ بڑا فیصلہ کرنے والا واقف کار ہے ﴿۲۶﴾

سورۂ سبا ۶ ۵ جامع ۱۵ — فتاح ۳ ۵ — ع علیم ۴۴

سورۂ آل عمران ۸۹ — مالک الملک ۷، معز ۸۵ — مذل ۸۶ — قدیر ۵۸

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِیَدِكَ الْخَیْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۹)

کہو اے خدا! ملک کے مالک، تو جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور تو جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے، اور تو جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور تو جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے تیرے ہی ہاتھ میں (سب) بھلائی ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے (۹)

سورۂ شوریٰ ۹۰ — ولی ۹۰ — حمید ۲۱

وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ (۹)

اور وہی تو ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد مینہ برساتا ہے اور اپنی رحمت کو عام کر دیتا ہے اور وہ کارساز اور سزاوار حمد ہے (۹)

ولی ۹، نصیر ۹۱

وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۚۖ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ (۲)

تم زمین پر (خدا کو) عاجز تو کر نہیں سکتے۔ اور خدا کے سوا نہ کوئی تمہارا کارساز ہے اور نہ کوئی مددگار (۲)

سورۂ رعد ۷۰ — والی ۹۸

وَاِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ (۴)

اور جب خدا کسی قوم کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو پھر وہ ٹل نہیں سکتی، اور خدا کے سوا ان لوگوں کا کوئی مددگار نہیں (۴)

سورۂ بقرہ ۸۷، رب ۲۸

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ (۱۰)

(کفار سے) کہو کہ کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو حالانکہ وہی ہمارا پروردگار ہے اور وہی تمہارا بھی پروردگار ہے، اور ہمارے لئے ہمارے عمل اور تمہارے لئے تمہارے عمل ہیں، اور ہم اسی کے لئے اخلاص رکھنے والے ہیں (۱۰)

الٰہ واحد ۹۳ — رحمٰن ۲۹ رحیم ۳۰

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ (۱۰)

اور تمہارا معبود خدائے واحد ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، بڑا رحم کرنے والا مہربان ہے (۱۰)

سورۂ نور ۱۰۳ — نور ۹۰ — اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ نور کی مثال۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّلَا غَرْبِیَّةٍ ۙ یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ؕ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (۱)

اللہ آسمان اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے جس میں ایک چراغ ہے، چراغ ایک قندیل میں ہے۔ (اور) قندیل گویا موتی کی طرح چمکتا ہوا ستارا ہے، وہ (یعنے چراغ) زیتون کے ایک مبارک درخت (کے تیل) سے روشن کیا جاتا ہے، جو نہ مشرق کے رُخ واقع ہے اور نہ مغرب کے رُخ، اس کا تیل جلنے کو تیار ہے خواہ اُسے آگ نہ بھی چھوئے۔ نور پر نور ہے۔ اللہ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے۔ اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے (۱)

سب مخلوقات خدا کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اللہ ہی کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور پرند (بھی) پر پھیلائے ہوئے (تسبیح کرتے ہیں)، سب کو اپنی نماز اور اپنی تسبیح معلوم